

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٨﴾ (آل عمران)

# بیان القرآن

حصہ پنجم

ترجمہ ومختصر تفسیر

سُورَةُ مَرْيَمَ تَا سُورَةُ السَّجْدَةِ

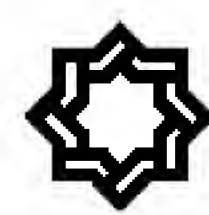
(از)

ڈاکٹر اسرار احمد

مُربّہ

حافظ خالد محمود خضر

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین



سابقہ کرویہ

انجمن خدام القرآن

خیبر پختونخوا، پشاور

# ترتيب

5	سورة مريم
37	سورة طه
73	سورة الانبياء
113	سورة الحج
161	سورة المؤمنون
193	سورة النور
239	سورة الفرقان
271	سورة الشعراء
307	سورة النمل
335	سورة القصص
381	سورة العنكبوت
419	سورة الروم
445	سورة لقمان
467	سورة الشجرة





# سُورَةُ مَرْيَمَ

## تمہیدی کلمات

سورۃ مریم ”مکی مدنی“ سورتوں کے تیسرے گروپ میں شامل ہے۔ اس گروپ کی ملکیات کا آغاز سورۃ یونس سے ہوا تھا۔ ان میں سے جن نو سورتوں کا ہم اب تک مطالعہ کر چکے ہیں وہ تین تین کے تین ذیلی گروپس میں منقسم ہیں۔ ہر ذیلی گروپ کے اندر دو سورتیں جوڑے کی شکل میں ہیں جبکہ تیسری سورت منفرد مزاج کی حامل ہے۔ مثلاً پہلے ذیلی گروپ میں سورۃ یونس اور سورۃ ہود جوڑے کی حیثیت سے ہیں جبکہ سورۃ یوسف (ایک ہی نبی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات پر مشتمل) منفرد ہے۔ دوسرے ذیلی گروپ میں سورۃ الرعد اور سورۃ ابراہیم جوڑے کی شکل میں ہیں جبکہ سورۃ الحجر منفرد ہے بلکہ سورۃ الحجر تو اس پورے گروپ میں ہی منفرد مزاج کی سورت ہے۔ اس کا انداز بالکل ابتدائی زمانے کی سورتوں جیسا ہے یعنی چھوٹی چھوٹی آیات تیز ردھم اور ملکوتی غنائیت بہت نمایاں۔ تیسرے ذیلی گروپ میں سورۃ النحل منفرد مزاج رکھتی ہے جبکہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ایک حسین و جمیل جوڑے کی شکل میں ہیں۔

اب سورۃ مریم سے ”مکی مدنی“ سورتوں کے اس بڑے گروپ کے چوتھے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے جس میں سورۃ مریم، سورۃ طہ اور سورۃ الانبیاء شامل ہیں۔ پچھلے ذیلی گروپس کی طرح یہاں بھی دو سورتوں (سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء) کی آپس میں گہری مشابہت ہے جبکہ ایک سورت (طہ) منفرد ہے۔ سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء دونوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ قصص النبیین کے انداز میں ہے۔ ان تذکروں میں ”انباء الرسل“ یا ”ایام اللہ“ جیسا وہ انداز نہیں جو ہم سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ رسول آئے انہوں نے دعوت دی قوم نے انکار کیا اور وہ قوم ہلاک کر دی گئی۔

اس ذیلی گروپ کی منفرد سورت یعنی سورۃ طہ میں سورۃ یوسف کی طرح صرف ایک ہی رسول کا تذکرہ ہے۔ اس کے آٹھ میں سے پانچ رکوع مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اس لحاظ سے سورۃ طہ سورۃ یوسف کے ساتھ معنوی نسبت بھی رکھتی ہے۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں آکر آباد ہوئے (اس کا ذکر سورۃ یوسف میں ہے) جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں انہیں فرعون کی غلامی سے نجات ملی (اس کا ذکر سورۃ طہ میں ہے) اور وہ اپنے آبائی وطن فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔

سورۃ مریم ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ اس کے دوسرے رکوع میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تعارف بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ آیات مسلمان مہاجرین کو سفر حبشہ کے زاوراہ کے طور پر عطا ہوئی تھیں۔ عنقریب

انہیں شاہِ حبشہ (نجاشی) کے دربار میں پیش آنے والی مشکل صورتِ حال میں ان آیات کی مدد درکار تھی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے قریش مکہ نے عمرو بن العاص (جو بعد میں ایمان لا کر جلیل القدر صحابی بنے رضی اللہ عنہ) کی سرکردگی میں نجاشی کے دربار میں ایک سفارت بھیجی۔ ان لوگوں کی شکایت پر نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں بلا کر ان سے حقیقتِ حال دریافت کی۔ مسلمانوں نے جواب میں وہ تمام حالات بتائے جن کی وجہ سے وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کا موقف سننے کے بعد انہیں قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اس کے ملک میں جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد عمرو بن العاص نے ایک اور داؤ کھیلا اور نجاشی کے دربار میں دوبارہ حاضر ہو کر کہا کہ آپ ان لوگوں کو بلا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ دریافت کریں۔ یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک عام انسان سمجھتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو ایک بار پھر اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق سورہ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ کلامِ الہی سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا۔ اُس نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زائد نہیں ہیں۔ اس کے بعد اُس نے قریش کی سفارت کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، چاہے تم لوگ مجھے پہاڑوں کے برابر سونا بھی دے دو۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۱۵

كَلِمَاتٍ ۚ ذَكَرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۚ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۖ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۖ يٰزَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۖ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۖ قَالَ كَذٰلِكَ ۖ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنٍ ۖ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۖ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

مِنَ الْحَرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ لِيَمْجُرَ الْكُتُبَ بِقُوَّةٍ ۖ وَاتِّبَاهُ  
الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا  
عَصِيًّا ۝ وَسَلَّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

**آیت ۱ ﴿كَهْلَيْعَصَ ۱﴾** ”ک‘ ہ‘ ی‘ ع‘ ص‘۔“

قرآن مجید کی یہ واحد سورت ہے جس کے آغاز میں اکٹھے پانچ حروفِ مقطعات ہیں۔ اگرچہ سورۃ الشوریٰ کے شروع میں بھی پانچ حروفِ مقطعات ہیں، لیکن وہاں یہ دو آیات میں ہیں۔ دو حروف ﴿لحم ۱﴾ پہلی آیت میں جبکہ تین حروف ﴿عسق﴾ دوسری آیت میں ہیں۔ بہر حال سورۃ مریم کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس کے آغاز میں اکٹھے پانچ حروفِ مقطعات آئے ہیں۔

**آیت ۲ ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۲﴾** ”یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اُس نے اپنے بندے زکریا پر کی۔“

یہاں ذکر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کرنا مقصود ہے مگر آپ کے ذکر سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت بھی تو ایک بہت بڑا معجزہ تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی اہلیہ بھی نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ عمر بھر بانجھ بھی رہی تھیں۔ ان حالات میں ان کے ہاں بیٹے کی پیدائش کوئی معمول کا واقعہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔

**آیت ۳ ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۳﴾** ”جب اُس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔“

یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے دل ہی دل میں اپنے رب سے دعا کی۔

**آیت ۴ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي ۚ﴾** ”اُس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں“

﴿وَأَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ ”اور میرا سر بھڑک اٹھا ہے بڑھاپے سے“

یعنی بڑھاپے کے سبب میرے سر کے بال مکمل طور پر سفید ہو گئے ہیں۔

﴿وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴﴾ ”اور اے میرے پروردگار! میں تجھے پکار کر کبھی بھی نامراد

نہیں رہا۔“

چنانچہ آج میں بڑی ہمت کر کے تجھ سے ایک بہت ہی غیر معمولی دعا کرنے جا رہا ہوں۔ دُنویٰ حالات اور طبعی قوانین کے اعتبار سے تو ایسا ہونا ممکن نہیں، مگر تو چاہے تو ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

**آیت ۵ ﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي ۚ﴾** ”اور مجھے اندیشہ ہے اپنے بھائی بندوں سے اپنے بعد“  
مجھے اپنے ورثاء میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو میرے بعد ہیکلِ سلیمانی کا متولی اور میرا جانشین بننے کی



صلاحیت رکھتا ہو۔

﴿وَكَانَتْ أُمْرَاتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝﴾ ”اور میری بیوی بانجھ ہے، تو تو مجھے

خاص اپنے پاس سے ایک ولی عطا کر۔“

یہاں ”ولی“ لفظ بہت اہم ہے، یعنی مجھے ایسا ساتھی عطا کر جو میرے مشن میں میرا دوست و بازو بن سکے۔

**آیت ۶** ﴿يَرْثِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۝﴾ ”جو وارث ہو میرا اور آل یعقوب کا“

مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری دینی و روحانی وراثت کو سنبھال سکے اور میری وراثت کیا! یہ

تو آل یعقوب کی وراثت ہے۔ اس مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر جو واقعی اس

منصب کا اہل ہو۔

﴿وَجْعَلُهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝﴾ ”اور اے میرے پروردگار! اس کو بنا یو پسندیدہ۔“

رَضِيًّا فعل کے وزن پر ہے چنانچہ اس میں راضی (وہ جو راضی ہو) اور مَرْضِيًّا (جس کو راضی کر دیا

گیا ہو) دونوں کیفیتوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ البینۃ (آیت ۸) میں فرمایا گیا: ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

وَرَضُوا عَنْهُ﴾ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ اسی طرح سورۃ الفجر میں نفس مطمئنہ

کے حوالے سے فرمایا گیا: ﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَُّرْضِيَّةً ۝﴾ ”تو لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف اس

حال میں کہ تو اس سے راضی ہو، وہ تجھ سے راضی ہو“۔ اس دعا کے جواب میں حضرت زکریا علیہ السلام کو بشارت دی گئی:

**آیت ۷** ﴿يُزَكِّرِيَا إِنَّا نَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۖ اسْمُهُ يَحْيَىٰ ۖ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝﴾ ”اے زکریا! ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام

نہیں بنایا۔“

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی نظیر نہیں بنایا، یعنی اس جیسی صفات کسی

میں پیدا نہیں کیں۔

**آیت ۸** ﴿قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ ۝﴾ ”اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کیسے

ہو جائے گا“

یہ وہی بات ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام کے حوالے سے ہم سورۃ آل عمران (آیت ۴۰) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَكَانَتْ أُمْرَاتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝﴾ ”جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں

پہنچ چکا ہوں بڑھاپے کے باعث سوکھ جانے کی حالت کو!“

یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میرے جسم میں حیات کے سارے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔

**آیت ۹** ﴿قَالَ كَذَلِكَ ۖ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئُ﴾ ”فرمایا: ایسے ہی ہوگا! تمہارے پروردگار نے فرمایا

ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے“

﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝﴾ ”اور تمہیں بھی تو میں نے پیدا کیا اس سے پہلے جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔“

**آیت ۱۰** ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۝﴾ ”عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادے۔“

﴿قَالَ اَيْتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝﴾ ”فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم گفتگو نہیں کر سکو گے لوگوں سے تین راتیں متواتر۔“

گویا بطور نشانی اللہ تعالیٰ نے تین دنوں تک حضرت زکریا علیہ السلام کی قوتِ گویائی سلب کر لی۔ سورہ آل عمران (آیت ۴۱) میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿قَالَ اَيْتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۝﴾ یعنی آپ تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے مگر اشاروں کنایوں میں۔

**آیت ۱۱** ﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ ۝﴾ ”پھر وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کی طرف آیا“  
اپنی عبادتِ راز و نیاز اور مناجات کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف آئے۔

﴿فَاَوْحَىٰ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝﴾ ”اور انہیں اشارے سے کہا کہ تم لوگ تسبیح بیان کرو صبح و شام۔“

آپ نے لوگوں کو اشاروں کنایوں سے سمجھایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت اہم فیصلہ ہونے جا رہا ہے لہذا تم لوگ صبح و شام کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہو۔ عربی میں ”وحی“ کے لغوی معنی ہیں: الإعلام بالسِّرِّ والخفاء، یعنی کسی کو اشارے سے کوئی بات اس طرح بتانا کہ دوسروں کو پتا نہ چلے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرف جو وحی آتی ہے اس کی کیفیت بھی یہی ہوتی ہے۔ وحی کی مختلف صورتوں کا تذکرہ (بیان القرآن جلد اول کے آغاز میں) ”تعارف قرآن“ کے ضمن میں آچکا ہے۔ آگے سورۃ الشوریٰ میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔  
حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اب ان کو براہِ راست مخاطب کیا جا رہا ہے:

**آیت ۱۲** ﴿يٰحٰىي خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۝﴾ ”اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو!“

کتاب سے مراد یہاں زبور، تورات اور دیگر صحائف ہیں جو اُس وقت بنی اسرائیل کے درمیان موجود تھے۔  
﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝﴾ ”اور ہم نے اُس کو عطا کر دی حکمت و دانائی بچپن ہی میں۔“

اب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خصوصی اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام (John the Baptist and Jesus of Nazarat) دونوں ایسی غیر معمولی شخصیات ہیں کہ ان جیسے اوصاف دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام میں بھی نہیں پائے گئے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں حکمت عطا کر دی گئی۔

آیت ۱۳ ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۝﴾ ”اور ہماری طرف سے سوز و گداز والی محبت اور پاکیزگی (اُسے عطا ہوئی) اور وہ بہت متقی تھا۔“

آیت ۱۴ ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝﴾ ”اور وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا اور خود سرونما فرمان نہیں تھا۔“

یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا کے طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گھٹی میں ڈال دیے گئے۔

آیت ۱۵ ﴿وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝﴾ ”اور سلام اُس پر جس دن اُس کی ولادت ہوئی، جس دن اُسے موت آئے اور جس دن وہ اٹھایا جائے زندہ کر کے۔“

یہاں پر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ اختتام کو پہنچا اور اب آگے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

## آیات ۱۶ تا ۴۰

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۚ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن كُنْتَ تَقِيًّا ۚ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۚ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۚ قَالَ كَذَلِكَ ۖ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَى هَيْنٍ ۚ وَلَنَجْعَلَ لَكَ آيَةً ۖ لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۚ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۚ فَجَاءَهَا الْخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۖ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا ۚ مَنَسِيًّا ۚ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۚ وَهَرَبِيَ إِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۚ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَمَا تُرِيينَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۖ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۚ قَالَتْ بِهِ قَوْمُهَا تَحْمِلُهُ ۚ قَالُوا يَمْرُؤٌ لَّكَ دُجْتُ شَيْئًا فَرِيًّا ۚ يَا خَتَّ هُرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۚ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۚ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْبُهْدِ صَيًّا ۚ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۖ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۚ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۚ سُبْحَنَهُ ۚ إِذَا



قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ قَوْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۖ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۖ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا يُرْجِعُونَ ۚ

آیت ۱۶ ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ ”اور (اب) ذکر کیجیے اس کتاب (قرآن) میں مریم کا جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک شرقی گوشے میں جا بیٹھی۔“ حضرت مریم (سلام علیہا) نے اپنے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ہیکل سلیمانی کے مشرقی گوشے میں خود کو مقید کر لیا۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے لیے اعتکاف کی کیفیت تھی۔

آیت ۱۷ ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا﴾ ”تو اُس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا۔“ انہوں نے گوشے میں پردہ تان کر خلوت کا ماحول بنا لیا تا کہ یکسوئی سے اللہ کی عبادت کر سکیں۔ ﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا﴾ ”پس ہم نے بھیجا اُس کی طرف اپنا ایک فرشتہ“ یہاں پر روح بمعنی فرشتہ ہے۔ قبل ازیں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ فرشتہ بھی روح ہے، وحی بھی روح ہے، قرآن بھی روح ہے اور روح انسانی بھی روح ہے۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ”تو اُس نے صورت اختیار کی اُس (مریم) کے سامنے ایک مکمل انسان کی۔“

یعنی فرشتہ ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت میں نمودار ہوا۔ آیت ۱۸ ﴿قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتُ تَقِيًّا﴾ ”مریم نے کہا: میں رحمن کی پناہ مانگتی ہوں تم سے اگر تم کوئی متقی شخص ہو۔“

اچانک ایک مرد کو اپنی خلوت گاہ میں دیکھ کر حضرت مریم (سلام علیہا) گھبرا گئیں کہ وہ کسی بُری نیت سے نہ آیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں، اور اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو، تمہارے دل میں اللہ کا کچھ بھی خوف ہے تو کسی برے ارادے سے باز رہنا۔

آیت ۱۹ ﴿قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ ”اُس نے کہا: میں تو آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ میں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔“

آیت ۲۰ ﴿قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكْ بِغَيًّا﴾ ”مریم نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں کوئی بدچلن عورت ہوں۔“

آیت ۲۱ ﴿قَالَ كَذَلِكَ ۖ﴾ ”اُس (فرشتے) نے کہا: ایسے ہی ہوگا!“

یعنی کسی مرد کے تعلق کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائے گا۔

﴿قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئٌ ۖ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱﴾

”آپ کا رب فرماتا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے، تاکہ ہم اسے بنائیں ایک نشانی لوگوں کے لیے اور رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔“

یعنی اس بچے کو ہم لوگوں کے لیے معجزہ اور اپنی رحمت کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی معجزہ تھی، آپ کا رفع سماوی بھی معجزہ تھا اور اس کے علاوہ بھی آپ کو بہت سے معجزات عطا ہوئے تھے۔ غرض آپ کی شخصیت ہر لحاظ سے غیر معمولی، ممیز اور ممتاز تھی۔

**آیت ۲۲** ﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۲﴾ ”تو اُسے اس (بچے) کا حمل ٹھہر گیا، چنانچہ وہ اسے لے کر ایک دور جگہ پر چلی گئی۔“

اس پریشانی میں کہ حمل بڑھے گا تو لوگ کیا کہیں گے، حضرت مریم تنہائی کی غرض سے بیت اللحم چلی گئیں، جو ہیکل سلیمانی سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔“

**آیت ۲۳** ﴿فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۝۲۳﴾ ”پھر لے آیا اسے درِ وزہ ایک کھجور کے تنے کے پاس۔“

ولادت کے وقت جب درِ وزہ کی شدت بڑھی تو حضرت مریم نے سہارے کے لیے ایک کھجور کے تنے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ درد کی شدت کو برداشت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اگر عورت وضع حمل کے وقت کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لے تو اس میں درد کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ سَيِّئَاتِي ۝۲۴﴾ ”(اس کیفیت میں) اُس نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور ایک بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔“

اللہ کی وہ بندی ممکنہ اندیشوں سے کانپ رہی تھی کہ اب میں اس بچے کا کیا کروں گی؟ لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ دنیا کیا کہے گی؟ کاش یہ وقت آنے سے پہلے ہی مجھے موت آگئی ہوتی اور میری یاد تک لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو چکی ہوتی۔

**آیت ۲۴** ﴿فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا ۝۲۴﴾ ”تو اُس نے پکارا اسے اس کے نیچے سے“

یہاں عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ جس فرشتے نے پہلے بشارت دی تھی اسی نے اب بھی انہیں آواز دی۔ مِنْ تَحْتِهَا کا مفہوم یہی لیا گیا ہے کہ اس وقت حضرت مریم نسبتاً بلند جگہ پر ہوں گی اور وہ فرشتہ ذرا نشیب میں ہوگا۔ ویسے بھی وضع حمل کے موقع پر فرشتے کا آپ کے بالکل قریب رہنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن مِنْ تَحْتِهَا کی ایک قراءت مَنْ تَحْتِهَا بھی ہے، یعنی اسے پکارا اُس نے جو اس کے نیچے تھا۔ اس ترجمے کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ ولادت کے فوراً بعد بچہ بول پڑا اور میں یہاں اسی مفہوم کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر اس وقت بچے نے کلام نہ کیا ہوتا تو حضرت مریم کو کیسے یقین آتا کہ یہ بچہ لوگوں کے سوالات کا خود ہی جواب دے گا اور وہ بچے کو

لے کر لوگوں کے سامنے آنے پر کیونکر تیار ہو جاتیں۔ بہر حال وہ جو نیچے تھا اس نے آپ کو پکار کر کہا:

﴿أَلَا تَحْزَنِي﴾ ”کہ آپ غمگین نہ ہوں“

اگر یہ حضرت مسیح علیہ السلام یعنی نومولود ہی کا کلام ہے تو گویا آپ اپنی والدہ کو تسلی دے رہے ہیں کہ امی جان! آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔

﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ ”(دیکھئے) آپ کے رب نے آپ کے (قدموں کے)

نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَهَزَيْتِ إِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَلِّطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا﴾ ”اور آپ اس کھجور کے

تنے کو اپنی طرف ہلایئے آپ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں جھڑپڑیں گی۔“

**آیت ۲۶** ﴿فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا﴾ ”پس آپ کھائیے اور پیجئے اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کیجئے!“

حضرت مریم سلام علیہا نے یہ تمام معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بچہ بھی بول پڑا، چشمہ بھی جاری ہو گیا، اور کھجور کے سوکھے تنے کو ہلانے سے تازہ پکی ہوئی کھجوریں بھی ان کے سامنے آن گئیں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ان میں حالات کا مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا ہوئی اور انہوں نے بچے کو لے کر آبادی میں آنے کا فیصلہ کیا۔

﴿فَأَمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾

”اور اگر آپ دیکھیں کسی آدمی کو (اور وہ آپ سے پوچھے) تو اس سے (اشارے سے) کہہ دیں کہ میں نے نذر مانی ہے رخصت کے لیے روزے کی لہذا میں بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔“

ان کی شریعت میں روزے کی حالت میں کھانے پینے کی پابندی کے علاوہ بات چیت کرنے پر بھی پابندی تھی۔

**آیت ۲۷** ﴿فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهَا﴾ ”پھر وہ لے آئی اس کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس۔“

حضرت مریم بڑے حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نومولود بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کی طرف آ گئیں۔ بچے کی گفتگو والا معجزہ دیکھ لینے کے بعد آپ کو تسلی تھی کہ وہ خود ہی لوگوں کے سوالات کے جواب دے گا۔ آیت ۲۴ کے حوالے سے بچے کے کلام کرنے کا تذکرہ عام طور پر تفاسیر میں نہیں ملتا اور ”مَنْ تَحْتَهَا“ سے یہی سمجھا گیا ہے کہ اس موقع پر فرشتے ہی نے آپ کو پکارا تھا۔ بہر حال میری رائے یہ ہے کہ حضرت مریم کو اس وقت نیچے سے پکارنے والا آپ کا نومولود بیٹا تھا جس کی گفتگو سے آپ کو حوصلہ ملا اور آپ بچے کے ساتھ لوگوں کا سامنا کرنے پر آمادہ ہوئیں۔ واللہ اعلم!

﴿قَالُوا يَمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا﴾ ”لوگوں نے کہا: اے مریم! یقیناً تم ایک طوفان گھڑ

لائی ہو۔“

ان کو دیکھتے ہی لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں کہ تم نے یہ کیا غضب کیا! تمہاری گود

میں یہ کس کا بچہ ہے؟ یہ تم نے بہت بری حرکت کی ہے وغیرہ۔



**آیت ۲۸** ﴿يَا خُتَّ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا﴾ ”اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا والد برا آدمی تھا اور نہ ہی تمہاری والدہ بدکار تھی۔“

حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہنے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا ہارون نامی کوئی بھائی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہونے کی وجہ سے ایک برگزیدہ جدِ امجد کے طور پر آپ کا نام لیا گیا ہو کہ دیکھو کس عظیم شخصیت کی نسل سے تمہارا تعلق ہے اور حرکت تم نے کس قدر گری ہوئی کی ہے۔

**آیت ۲۹** ﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ طَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ”تو اُس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گود میں پڑا بچہ ہے!“

**آیت ۳۰** ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ طَالِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ ”اُس (بچے) نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔“

**آیت ۳۱** ﴿وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا آيَنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ”اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں گا اور مجھے اُس نے تاکید کی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔“

**آیت ۳۲** ﴿وَبَوَّأَ بَوَالِدَتِي نَوْمًا يَجْعَلَنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ ”اور (اُس نے مجھے بنایا) بھلائی کرنے والا اپنی والدہ کے ساتھ اور اُس نے مجھے تند خو بد بخت نہیں بنایا۔“

**آیت ۳۳** ﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ ”اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں جنا گیا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔“

**آیت ۳۴** ﴿ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ طَقُولَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾ ”یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم! یہ ہے حق کی بات جس کے بارے میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔“

**آیت ۳۵** ﴿مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ طَسُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ”اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ (اس سے) پاک ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں باپ کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ایک حرف ”کُن“ کے ذریعے سے پورا ہوا جبکہ باقی سارا عمل عام فطری اور طبعی طریقے سے تکمیل پذیر ہوا۔ اسی لیے آپ کو کلمۃ منہ (آل عمران: ۴۵) یعنی اللہ کا خاص کلمہ قرار دیا گیا ہے۔

**آیت ۳۶** ﴿وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ طهَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ ”اور یقیناً اللہ ہی ہے میرا رب بھی اور تمہارا رب بھی تو تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“

**آیت ۳۷** ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ ”پھر اختلافات پیدا کر لیے (مختلف) گروہوں نے آپس میں۔ تو بربادی ہے ان کافروں کے لیے اس بڑے دن کی پیشی سے۔“

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہوگی اور تمام حقائق کھل کر سامنے آئیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بھی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ اس بارے میں جن لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنائے اور پھر ان غلط عقائد پر ہی جبرے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں انہیں موت آگئی، ایسے لوگوں کے لیے اس دن ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

**آیت ۳۸** ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ ”کیا ہی اچھا وہ سن رہے ہوں گے اور کیا ہی اچھا وہ دیکھ رہے ہوں گے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے، لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“

**آیت ۳۹** ﴿وَأَنذَرُهمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهمْ فِي غَفْلَةٍ وَهمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ انہیں خبردار کر دیجیے اس یومِ حسرت سے جب ہر معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ البتہ (اب) یہ لوگ غفلت میں مبتلا ہیں لہذا یہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

**آیت ۴۰** ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا﴾ ”یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی اس پر موجود ہے (اس کے بھی)“

اُس دن روئے زمین کی حکمرانی اور دنیوی مال و متاع کی ملکیت کے عارضی دعویدار سب کے سب ختم ہو جائیں گے اور اس سب کچھ کی وراثت ظاہری طور پر بھی ہمیں منتقل ہو جائے گی۔  
﴿وَالَيْنَا يَرْجِعُونَ﴾ ”اور یہ سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

## آیات ۴۱ تا ۵۰

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۖ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۖ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۖ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَبْسُكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ إِلَهِتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۖ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۖ وَأَعْتَرْتُكُمُ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللَّهُ وَادْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۖ فَلَبَّا أَعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۖ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا ۖ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صَدِّقٍ عَلِيًّا ۝

آیت ۴۱ ﴿وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝﴾ ”اور تذکرہ کیجیے اس کتاب میں ابراہیمؑ کا۔ یقیناً وہ صدیق نبی تھے۔“

صِدِّيقًا نَّبِيًّا ایک نئی ترکیب ہے جو قرآن حکیم میں یہاں پہلی مرتبہ آئی ہے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ کو اور آیت ۵۶ میں حضرت ادریسؑ کو صِدِّيقًا نَّبِيًّا فرمایا گیا ہے جبکہ آیات ۵۱ اور ۵۴ میں بالترتیب حضرت موسیٰؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو رَسُولًا نَّبِيًّا کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ گویا یہ دو الگ الگ تراکیب ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کا اپنا الگ مفہوم ہے۔ اگرچہ میرے علم کی حد تک ان الفاظ یا تراکیب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی بلکہ مجھے اس وقت سخت حیرت ہوئی جب میں نے ایک معروف عالم دین اور مفسر قرآن سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ یعنی کیا واقعی قرآن میں دو انبیاء کے بارے میں صِدِّيقًا نَّبِيًّا اور دو کے بارے میں رَسُولًا نَّبِيًّا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں؟ وہ خود قرآن کی مکمل تفسیر لکھ چکے تھے مگر اس طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ یہ نکتہ جس حد تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمایا ہے اس حد تک میں دوسروں تک پہنچا دوں۔

ان دو تراکیب کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے تو سورۃ الفاتحہ کی یہ آیات مد نظر رکھیں جن میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ”اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔“ اور پھر سورۃ النساء کی اس آیت پر غور کریں جس میں ان لوگوں کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝﴾۔ اس آیت میں ان لوگوں کے چار درجات بیان ہوئے ہیں جو مُنْعَمٌ عَلَيْهِمْ کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان میں سب سے اوپر انبیاء کا درجہ ہے پھر صدیقین کا، پھر شہداء کا اور نیچے base line پر صالحین ہیں یعنی نیک دل، مخلص مسلمان جو صادق القول اور صادق الایمان ہیں۔ اگر نیچے سے اوپر کی طرف ارتقاء کے حوالے سے دیکھا جائے تو base line پر پہلا درجہ مؤمنین صالحین کا ہے۔ اگر کوئی اس درجہ سے ترقی کرے گا تو اس کے لیے درجہ شہادت ہے اور پھر اس سے اوپر درجہ صدیقیت۔ اس لحاظ سے درجہ صدیقیت گویا کسی بھی انسان کے لیے روحانی ترقی کے مدارج میں بلند ترین درجہ ہے کیونکہ اس کے اوپر نبوت کا درجہ ہے جو اکتسابی نہیں، سراسر وہی ہے اور اب وہ دروازہ نوع انسانی کے لیے مستقل طور پر بند ہو چکا ہے۔

صدیقین اور شہداء کے فرق کو سائیکالوجی کی دو جدید اصطلاحات کے ذریعے اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف مزاج پر پیدا فرمایا ہے۔ مزاج اور رویے کے اعتبار سے جدید سائیکالوجی انسانوں کو بنیادی



طور پر دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے۔ جو لوگ مجلس پسند ہوں، تنہائی سے گھبراتے ہوں، ہر وقت سیر سپاٹے کرنے، لوگوں سے ملنے جلنے اور خوش گپیوں میں خوش رہتے ہوں، انہیں بیروں میں (extroverts) کہا جاتا ہے۔ ان کے برعکس تنہائی پسند، غور و فکر کرنے والے، اپنے خیالوں میں مگن رہنے اور محفلوں سے حتی المقدور اجتناب کرنے والے لوگ دروں میں (introverts) کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تیسری کیفیت ان دو رویوں کے خوبصورت توازن سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جن کی شخصیات میں مذکورہ دونوں رویے توازن کے ساتھ موجود ہوں وہ ambiverts کہلاتے ہیں، لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص میں دونوں رویے توازن کے ساتھ موجود ہوں۔ اس لیے ambiverts قسم کے لوگ عملاً بہت ہی کم ہوتے ہیں اور عمومی طور پر دنیا میں مزاج کے اعتبار سے مندرجہ بالا دو اقسام کے لوگ ہی پائے جاتے ہیں۔ دروں میں (introverts) قسم کے لوگ غور و فکر کی عادت کے باعث فطرت کے حقائق کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ کائنات کے بارے میں سوچ بچار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی آفاقی آیات اُن سے ہم کلام ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں اہم حقائق ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی راہنمائی میں اللہ کو بھی پہچان لیتے ہیں، آخرت کی ضرورت اور حقیقت کو بھی سمجھ لیتے ہیں اور یہ بھی جان جاتے ہیں کہ بندگی صرف اللہ ہی کی کرنی چاہیے۔ لیکن بندگی کا طریقہ کیا ہو؟ اس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اس کے لیے وہ اللہ سے راہنمائی کی التجا کرتے ہیں: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝﴾ (الفاتحہ)۔ یہ لوگ دراصل صدیقین ہوتے ہیں اور ان کی شان یہ ہے کہ جو نبی کوئی الہامی دعوت ان تک پہنچتی ہے وہ اسے اس انداز میں لپک کر قبول کرتے ہیں گویا مدت سے اسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں نے جس کے سامنے بھی ایمان کی دعوت پیش کی اس نے کچھ نہ کچھ توقف ضرور کیا، سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے۔ یعنی آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہیں کیا اور دعوت پر ایسے لپک کہا جیسے وہ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

البتہ بیروں میں (extroverts) قسم کے لوگ چونکہ خود کو کھیل کود، سیر و شکار، میل ملاقات وغیرہ میں مصروف رکھتے ہیں، اس لیے اُن کا طبعی میلان غور و فکر کی طرف نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ کسی الہامی دعوت کو سمجھنے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں، اور جب وہ کسی ایسے معاملے کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں تو اکثر جذباتی انداز میں ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ کسی نظریے یا دعوت کو قبول کر لیتے ہیں تو عام طور پر زیادہ متحرک اور فعال ثابت ہوتے ہیں اور یوں مسابقت میں بظاہر introverts سے آگے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاں ایک لمحے کے توقف کے بغیر قبول کر لیا وہاں حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو اس طرف متوجہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بنو عدی میں سے تھے اور آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بظاہر زیادہ قربت نہیں تھی، مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تو آپ کے سگے چچا اور دودھ شریک تھے۔ وہ بچپن میں آپ کے ساتھ کھیلے تھے اور آپ سے بہت محبت بھی کرتے تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود چھ سال تک آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی طرف کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا اور جب ایمان لائے تو حادثاتی اور جذباتی انداز میں لائے۔

ایک روز شکار سے واپس آئے تو ابھی گھر میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ لونڈی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

ابو جہل کی گستاخی کے بارے میں خبر دی۔ بس یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ گھر جانے کے بجائے سیدھے ابو جہل کے پاس پہنچے۔ جاتے ہی اس کے سر پر کمان دے ماری اور اسے للکارا کہ آج سے میں بھی ایمان لے آیا ہوں تم میرا مقابلہ کر سکتے ہو تو آؤ میدان میں! ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جذباتی انداز میں ایمان لائے۔ گھر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ!) قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ جذبات کی رو میں ہی بہن اور بہنوئی سے جا اُلجھے۔ بہن کی غیر معمولی استقامت دیکھی تو سوچنے پر مجبور ہوئے اور جب سنجیدگی سے غور کیا تو یکدم دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ پھر کیا تھا؟ وہی شمشیر برہنہ جو قتل کے ارادے سے لے کر نکلے تھے گردن میں لٹکائے غلاموں کی طرح درِ نبوت پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دروں بین (introverts) قسم کے لوگ صدیقین اور بیروں بین (extroverts) مزاج کے افراد شہداء ہوتے ہیں۔

انسانی مزاج کا یہ فرق انبیاء کی شخصیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ کچھ انبیاء کا مزاج صدیقین سے مناسبت رکھتا ہے اور کچھ کا شہداء سے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں روایات ہیں کہ آپ شکار کے بہت شوقین تھے اور اسی شوق میں کئی دن گھر سے باہر رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو مرتبہ آپ سے ملنے کے لیے گئے مگر آپ کے گھر سے باہر ہونے کی وجہ سے دونوں مرتبہ باپ بیٹے کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا۔ آپ نے مصر میں ایک آدمی کو ملکا رسید کیا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ انسانی مزاج کی اس تشریح کے اعتبار سے میرا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت ادریس علیہ السلام کی شخصیات صدیقیت کے ساتھ مناسبت رکھتی تھیں اس لیے وہ صدیق نبی قرار پائے جبکہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیات شہداء جیسی تھیں چنانچہ وہ رسول نبی کہلائے۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی مد نظر رہنا چاہیے کہ رسالت اور شہادت کے الفاظ کی آپس میں خصوصی مناسبت ہے۔ ہر رسول کو اپنی قوم کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا۔ کارِ رسالت یعنی دعوت و تبلیغ اور اتمامِ حجت میں عمل کا پہلو غالب ہے۔ حضور ﷺ کے بارے میں بھی سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۴۵﴾ ”اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا“۔ اسی طرح سورۃ النساء میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۴۶﴾ ”پھر کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو ہم لائیں گے ان پر گواہ“۔ اس ساری وضاحت کا لب لباب یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں شہداء کا مزاج رکھنے والے انبیاء کو رسولاً نبیاً اور صدیقیت کے مزاج کے حامل انبیاء کو صدیقاً نبیاً کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الحديد کے مطالعے کے دوران اس کی آیت ۱۹: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ﴾ کے حوالے سے اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید گفتگو ہوگی۔

**آیت ۲۲** ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝۲۲﴾ ”یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ کیوں بندگی کرتے ہیں ایسی چیزوں کی جو نہ سن سکتی ہیں اور نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی آپ کے کچھ کام آ سکتی ہیں۔“

ان آیات کے حوالے سے یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو مخاطب کرنے کا انداز انتہائی مودبانہ ہے: یَا بَتِّ، یَا بَتِّ (اے میرے ابا جان! اے میرے ابا جان!)۔ ایک داعی اور مبلغ کے لیے یہ گویا ایک مثال ہے کہ اگر اسے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اپنے سے کسی بڑے یا کسی بزرگ کو مخاطب کرنا ہو تو اس کا طرزِ مخاطب کیسا ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ قرآن مجید کا بہترین مقام ہے۔

**آیت ۲۳** ﴿يَا بَتِّ إِنِّي قَدْ جَاءَ نِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ يَا بَتِّ﴾ ”ابا جان! یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا“

مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حقائق سے آگاہ کیا ہے۔ میرے پاس وہ ہدایت آئی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان سے ان الفاظ میں وعدہ فرمایا تھا: ﴿فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى.....﴾ (البقرہ: ۳۸)۔  
﴿فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ ”پس آپ میری پیروی کیجیے میں آپ کو دکھاؤں گا سیدھا راستہ۔“

آپ میرا کہنا مانے، میرے پیچھے چلئے، میں یقیناً سیدھے راستے کی طرف آپ کی راہنمائی کروں گا۔  
**آیت ۲۴** ﴿يَا بَتِّ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا﴾ ”ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کیجیے شیطان یقیناً رحمن کا نافرمان تھا۔“

اس شیطان کی فرمانبرداری مت کیجیے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بغاوت اور سرکشی کا ارتکاب کر چکا ہے۔  
**آیت ۲۵** ﴿يَا بَتِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا﴾ ”ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ رحمن کی طرف سے کوئی عذاب آپ کو آ پکڑے اور پھر آپ شیطان ہی کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔“

**آیت ۲۶** ﴿قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا اِبْرَاهِيمُ﴾ ”اُس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم کنارہ کشی کر رہے ہو میرے معبودوں سے؟“

ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لجاجت بھرا طرزِ مخاطب تھا تو دوسری طرف جواب میں باپ کا یہ فرعونی انداز بھی ملاحظہ ہو!

﴿لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ ”اگر تم اس سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا، اور تم مجھے چھوڑ (کر چلے) جاؤ ایک مدت تک۔“

تمہاری یہ باتیں میری برداشت سے باہر ہیں، لہذا تم فوری طور پر میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ!  
**آیت ۲۷** ﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾ ”ابراہیم علیہ السلام نے کہا: آپ پر سلام! میں اپنے رب سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا، وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔“  
ابراہیم علیہ السلام نے باپ کی طرف سے اتنے سخت جواب کے بعد بھی اپنا اندازِ مخاطب انتہائی مودبانہ رکھا، اس



سے بھی بڑھ کر آپ نے ان کے لیے اپنے مہربان رب سے دعا کرنے کا بھی ارادہ کیا۔ اسی طرح ایک مبلغ اور داعی کو بھی چاہیے کہ وہ مدِّ مقابل کی طرف سے انتہائی سخت جملوں کے بعد بھی ترش انداز اختیار کرنے کے بجائے نرمی کو ہی اپنائے۔

**آیت ۲۸** ﴿وَاَعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي﴾ ”اور میں کنارہ کشی کرتا ہوں آپ سے بھی اور ان (تمام معبودوں) سے بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا“

میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کروں گا، اسی سے دعا کروں گا۔

﴿عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا﴾ ”مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نا مراد نہیں رہوں گا۔“

**آیت ۲۹** ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ”پھر جب ابراہیمؑ نے ان سب سے کنارہ کشی کر لی اور ان سے بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، تو ہم نے آپ کو عطا کیا اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہر ایک کو نبی بنایا۔“

**آیت ۵۰** ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ ”اور ہم نے ان سب کو اپنی خصوصی رحمت سے حصہ عطا فرمایا اور ان کو اعلیٰ درجے کی سچی شہرت عطا فرمائی۔“

جیسے سورۃ الانشراح میں نبی اکرم ﷺ کو ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کی سند عطا فرمائی گئی اسی طرح یہاں حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کے ذکرِ خیر کو بہت اعلیٰ سطح پر دنیا میں باقی رکھنے کا ذکر ہے۔

## آیات ۵۱ تا ۶۳

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۚ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۚ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۚ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۚ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۚ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۚ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ ۖ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَءِيلَ ۖ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۖ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۚ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ۚ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۖ جَنَّتِ عَدْنُ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ  
بِالْغَيْبِ ۖ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ۖ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰٓطًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا  
بُكَرَةً وَاعْشِيًا ۖ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۖ

**آیت ۵۱** ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝﴾ ”اور کتاب میں

تذکرہ کیجیے موسیٰ کا یقیناً وہ تھے خاص کیے گئے اور وہ تھے رسول نبی۔“

ہم نے انہیں خاص اپنا بنا لیا تھا۔ یہ مضمون سورہ طہ (آیت ۴۱) میں بھی آئے گا۔

**آیت ۵۲** ﴿وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝﴾ ”اور ہم نے انہیں پکارا طور کی

دائیں جانب سے اور انہیں اپنے قریب کیا سرگوشی کے لیے۔“

**آیت ۵۳** ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝﴾ ”اور ہم نے انہیں عطا کیا اپنی رحمت سے

اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے درخواست کی تھی کہ انہیں بھی میرے ساتھ بھیجا جائے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے آپ کی یہ درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ہارون کو بھی مقام نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس کی تفصیل بھی سورہ طہ میں آئے گی۔

**آیت ۵۴** ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۝﴾ ”اور تذکرہ کیجیے اس کتاب میں

اسماعیل کا (بھی) یقیناً وہ وعدے کے سچے تھے“

یہ خصوصی طور پر اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان الفاظ میں کیا تھا: ﴿يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝﴾ (الصفۃ) ”ابا جان آپ کر گزریئے جو آپ کو حکم ہوا ہے مجھے آپ ان شاء اللہ صابریں میں سے پائیں گے۔“ یوں آپ نے ذبح ہونے کے لیے اپنی گردن پیش کر دی اور اس سلسلے میں صبر کرنے کا جو وعدہ کیا تھا آخر وقت تک اسے نبھایا۔

﴿وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝﴾ ”اور وہ (بھی) رسول نبی تھے۔“

جیسا کہ ”رسول نبی“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے قبل ازیں وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مزاج کے اعتبار سے بہت متحرک اور فعال تھے اس لیے آپ کو رَسُولًا نَبِيًّا کا لقب عطا ہوا ہے۔ اس ضمن میں اس سے قبل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزاج کی بھی مثال دی گئی ہے۔ حضرت حمزہؓ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے بھی تھے اور آپ کی شخصیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت سے بہت مشابہت بھی رکھتی تھی۔

**آیت ۵۵** ﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝﴾ ”اور وہ حکم دیتے

تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا، اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔“  
آپ اللہ تعالیٰ کے بہت منظور نظر تھے۔

**آیت ۵۶** ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ﴾ ”اور تذکرہ کیجیے کتاب میں ادْرِیسؑ کا (بھی)“  
حضرت ادْرِیسؑ، حضرت آدمؑ کے بعد اور حضرت نوحؑ سے قبل زمانے میں مبعوث ہوئے۔  
ان سے پہلے ذُرِّیَّتِ آدَمَؑ میں حضرت شیثؑ گزر چکے تھے۔ تورات میں ان کا نام ”حنوک“ مذکور ہے۔ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت ادْرِیسؑ اور حضرت شیثؑ دونوں نبی تھے جبکہ ان کے بعد حضرت نوحؑ پہلے رسول کے طور پر مبعوث ہوئے۔

﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ ”یقیناً وہ صدیق نبی تھے۔“  
اس سے پہلے آیت ۴۱ میں حضرت ابراہیمؑ کو بھی ”صِدِّيقًا نَبِيًّا“ کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ یعنی مزاج کے اعتبار سے حضرت ادْرِیسؑ کی مناسبت حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھی۔ دونوں شخصیات صدیقیت کے مزاج کی حامل تھیں۔

**آیت ۵۷** ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ”اور ہم نے انہیں اٹھایا بلند مقام پر۔“  
اسرائیلی روایات کے زیر اثر بعض لوگوں نے اس سے رفع سماوی مراد لیا ہے کہ حضرت ادْرِیسؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرح زندہ اٹھالیا تھا۔ معراج کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی چوتھے آسمان پر حضرت ادْرِیسؑ سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں الفاظ قرآنی بہت واضح ہیں: ﴿رَافِعُكَ إِلَى﴾ (آل عمران: ۵۵) کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ ان الفاظ سے رفع سماوی کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے جبکہ حضرت ادْرِیسؑ کے بارے میں آیت زیر نظر میں لفظ ”رفع“ کے ساتھ ”إِلَى“ کی عدم موجودگی میں یہ مفہوم متعین نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہاں پر اس لفظ کا یہی مفہوم مراد لیا جاسکتا ہے کہ ہم نے انہیں بلند مقام عطا کیا۔

**آیت ۵۸** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ ”یہ ہیں وہ لوگ جن پر انعام فرمایا اللہ نے انبیاء میں سے“

سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں مُنْعَمٌ عَلَيْهِمُ لوگوں کے جن چار طبقات کا بیان ہے ان میں سے اعلیٰ ترین طبقہ کے افراد یعنی انبیاء کرام ﷺ کا یہاں اللہ کے انعامات کے حوالے سے تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔  
﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَؑ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ﴾ ”اولادِ آدَمَؑ میں سے اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنہیں سوار کرایا ہم نے (کشتی میں) نوحؑ کے ساتھ“

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَؑ وَإِسْرَآءِيلَؑ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا﴾ ”اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل میں سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چُن لیا۔“



﴿إِذَا تُلِي عَلَيْهِمْ آيَةُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾ ”جب تلاوت کی جاتیں ان پر رحمن کی آیات تو وہ گر پڑتے تھے (اللہ کی جناب میں) سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔“

**آیت ۵۹** ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ ”پھر جانشین ہوئے ان کے بعد ناخلف لوگ“

”خلف“ کا لفظ جب ”ل“ ساکن کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ”ناخلف“ کے لیے جاتے ہیں۔ یعنی اپنے اسلاف کے کردار کے خلاف عمل کرنے والے اور ان کی نیک نامی اور بزرگی کو بھٹہ لگانے والے لوگ۔

﴿أَصَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا﴾ ”انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی، تو عنقریب وہ ملیں گے گمراہی سے۔“  
یعنی عنقریب وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔

**آیت ۶۰** ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ ”سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور وہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر قطعاً کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اُن کے اعمال کا انہیں پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

**آیت ۶۱** ﴿جَنَّتِ عَذْنُ النَّبِيِّ وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ﴾ ”(انہیں ملیں گے) عیشِ دوام کے باغات جن کا وعدہ کیا تھا رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں ایسے وعدے جگہ جگہ کیے گئے ہیں۔ دُنیوی زندگی میں نہ تو کسی نے جنت کو دیکھا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو۔ یہ سارا معاملہ غیب ہی کا ہے۔ چنانچہ جو شخص اللہ کو اور اس کے ایسے تمام وعدوں کو مانتا ہے وہ یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے مصداق غیب پر ایمان لاتا ہے۔

﴿إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا﴾ ”یقیناً اس کا وعدہ تو پورا ہونے والا ہی ہے۔“

وہ اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔

**آیت ۶۲** ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا﴾ ”وہ نہیں سنیں گے اس میں کوئی لغوبات مگر صرف سلام۔“

جنت میں ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آرہی ہوں گی۔ ہر طرف سے فرشتوں کا ورود ہوگا اور وہ اہل جنت کو سلام کہہ رہے ہوں گے۔ سورۃ الواقعة میں اس مضمون کو ایسے بیان فرمایا گیا ہے: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا﴾ ”وہ اس میں کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے، مگر ایک ہی بات: سلام! سلام!“

﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ ”اور ان کے لیے ان کا رزق ہوگا اس میں صبح اور شام۔“

**آیت ۶۳** ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ”یہ ہے وہ جنت جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اُن کو جو متقی ہوں گے۔“

## آیات ۶۳ تا ۸۲

وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۖ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۚ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ عَازَا مَا مِثُّ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا ۖ أَوْ لَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۖ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۖ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۖ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۖ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۖ ثُمَّ نُجِى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۖ وَإِذَا تُثْلَىٰ عَلَيْهِمْ أَيْتُنَا بِبَنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا ۖ أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۖ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَا وَرِعْيَا ۖ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۖ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبَقِيَّةُ الصُّلَحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۖ أَفَرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۖ أَظَلَمَ الْغَيْبِ أَمْ ائْتَاكَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ كَلَّا ۖ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۖ وَنَرِيهِ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۖ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۖ كَلَّا ۖ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۖ

**آیت ۶۳** ﴿وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ہم (فرشتے) نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔“

یہاں سے ایک بہت اہم مضمون کا آغاز ہو رہا ہے اور یہ بات اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی جو عشق تھا اس کا جو شغف اور شوق تھا اس کی بنا پر وحی میں وقفہ آپ ﷺ پر بہت شاق گزرتا تھا۔ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ وحی جلد از جلد آتی رہے تاکہ اس سے آپ اپنے وجود پر نور کو مزید منور کرتے رہیں۔ اس حوالے سے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ آپ کی آمد وقفے وقفے سے ہوتی ہے ہم انتظار کرتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس شکوہ کا یہاں جبرائیل کی طرف سے جواب دیا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ ہم اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے، ہم تو آپ کے رب کے حکم کے پابند ہیں۔ اُس کا

اذن ہوتا ہے تو ہم نازل ہوتے ہیں۔

﴿لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ﴾ ”اُسی کے اختیار میں ہے جو ہمارے آگے ہے

اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔“

ان الفاظ میں بہت گہرائی ہے۔ آگے اور پیچھے کے درمیان میں کون ہے؟ وہی جو یہاں متکلم ہیں، یعنی خود جبرائیل! مراد یہ کہ میں بالکل اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں اور فرشتے کی یہی شان ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرموسر تابی نہیں کرتے، جیسا کہ سورۃ التحریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ”وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا وہ انہیں حکم دے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ”اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔“

اے نبی ﷺ! ہم آپ کے رب کی اجازت اور مشیت سے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس میں جو تاخیر ہوتی ہے وہ کسی نسیان کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اُس کی مرضی اور حکمت سے ہوتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں اس حکمت کی وضاحت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ ”اسی طرح (ہم نے اسے نازل کیا) تاکہ مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کا دل اور (اسی لیے) ہم نے اسے پڑھ کر سنایا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے: ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾ ”اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں ٹھہر ٹھہر کر اور ہم نے اس کو اتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے۔“

**آیت ۶۵** ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾

”وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا جو ان دونوں کے مابین ہے پس آپ اسی کی عبادت کریں اور جبرے رہیں اس کی عبادت پر۔ کیا آپ جانتے ہیں کوئی اس کا ہم نام؟“

ظاہر ہے جو اللہ کی صفات ہیں جو اس کی شان ہے ایسی صفات اور ایسی شان رکھنے والی کوئی ہستی کائنات میں موجود نہیں۔

**آیت ۶۶** ﴿وَيَقُولُ الْاِنْسَانُ ؕ اِذَا مَا مِٔ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا﴾ ”اور انسان کہتا ہے کہ جب

میں مر جاؤں گا تو پھر مجھے زندہ کر کے نکال لیا جائے گا؟

یہ ان لوگوں کا قول نقل ہوا ہے جو بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ مشرکین مکہ کے عقائد کے بارے میں پہلے بھی کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر آخرت کے قائل تھے اسی لیے تو بتوں کے بارے میں ان کے اس عقیدے کا قرآن میں ذکر ہوا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ هُوَ اِلٰهٌ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ۱۸) ”اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے۔“

**آیت ۶۷** ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ ”کیا انسان یہ بات یاد نہیں



کرتا کہ ہم نے ہی اسے پیدا کیا تھا اس سے پہلے جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا!“

آج جو انسان حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بھلا مر جانے کے بعد میں پھر سے کیسے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جاؤں گا؟ کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ نے اسے اس وقت ایک انسان کی صورت میں پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ تو اب اللہ کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دینا کیونکر مشکل ہوگا؟

**آیت ۶۸** ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثًّا﴾ ”تو آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور جمع کریں گے انہیں اور تمام شیطانوں کو بھی، پھر ہم ضرور حاضر کریں گے انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔“

**آیت ۶۹** ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا﴾ ”پھر ہم ضرور چھانٹ کر نکال لیں گے ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو جو ان میں سب سے زیادہ سخت تھا رحمن کے خلاف سرکشی میں۔“

اس اجتماع میں سے ہر گروہ کے ایسے سرکردہ لیڈروں کو چن چن کر علیحدہ کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں زیادہ اکڑنے والے تھے اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور گستاخی میں پیش پیش رہتے تھے۔ چنانچہ ابو جہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے بڑے بڑے مجرموں کو چھانٹ کر الگ کر لیا جائے گا۔

**آیت ۷۰** ﴿ثُمَّ لَنَنْحَنِّيَنَّ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا﴾ ”پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو اس میں پہلے داخل ہونے کے لائق ہوں گے۔“

**آیت ۷۱** ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ”اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس پر وارد نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔“

اس آیت کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا گیا ہے مجھے اس سے اتفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ نوع انسانی کے تمام افراد کو جہنم کے اوپر ”پل صراط“ پر سے گزرنا ہوگا۔ گویا یہ وہی ”الصراط“ ہوگا جسے ”صراطِ مستقیم“ کہا گیا ہے جس پر گامزن ہونے کے ہم دعوے دار ہیں۔ یہی صراطِ مستقیم قیامت کے دن ”پل صراط“ بن جائے گا۔ اہل جنت اُس روشنی میں چلتے ہوئے جو انہیں عطا کی جائے گی بڑی سرعت اور آسانی کے ساتھ پل صراط کو پار کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے جبکہ اہل جہنم اندھیرے میں ٹھوکریں کھا کھا کر نیچے آگ میں گرتے جائیں گے۔ یہ مضمون سورۃ الحدید اور سورۃ التحریم کے مطالعے کے دوران زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔ بہر حال آیت زیر نظر کے مطابق ہر انسان کو اس طریقے سے جہنم پر سے گزرنا ہوگا۔ اہل جنت کو اس پر سے گزارنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے جہنم کا مشاہدہ کر لیں اور انہیں اندازہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کر کے انہیں کس ہولناک انجام سے بچایا ہے۔

**آیت ۷۲** ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًّا﴾ ”پھر ہم بچالے جائیں گے انہیں جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔“

یعنی اہل ایمان اور اہل تقویٰ پُل پر سے گزرتے جائیں گے اور مجرم لوگ نیچے جہنم میں گرتے جائیں گے۔  
**آیت ۷۳** ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا ۚ أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۙ﴾ ”اور جب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات تو یہ کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ (دیکھو!) دونوں گروہوں میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور کس کی مجلس اچھی ہے!“

کفار مکہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے تضحیک و استہزاء کے انداز میں سوال کرتے تھے کہ ذرا دیکھو تو سہی مجلسی شان و شوکت اور معاشرتی مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ بہتر ہے۔ ایک طرف محمد (ﷺ) چند فقراء و مساکین کو لے کر بیٹھے ہیں تو دوسری طرف ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کی چوپالوں میں امراء و رؤساء کی چہل پہل ہے۔ ان دونوں گروہوں کی حیثیت و اہمیت کا بھلا آپس میں کیا تقابل اور موازنہ! کہاں فرش خاک پر بیٹھے بلال، خباب، ابو فکیہہ، عمار اور یاسر رضی اللہ عنہم جیسے مُفلس و قلاش اور غلام اور کہاں شاہانہ محفلوں میں سردارانِ قریش کی سج دھج اور شان و شوکت! یہ وہی انداز ہے جو سورۃ الکہف میں دو افراد کے مکالمے کے دوران دیکھنے میں آتا ہے۔ وہاں بھی ایک دولت مند متکبر شخص نے اللہ کے بندے کو مخاطب کر کے بڑے طمطراق سے کہا تھا: ﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۙ﴾ ”میں تم سے بہت زیادہ ہوں مال میں اور بہت بڑھا ہوا ہوں نفری میں!“

**آیت ۷۴** ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاً وَرِثِيًّا ۙ﴾ ”اور ہم کتنی ہی قوموں کو ان سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے کہیں بڑھ کر تھیں ساز و سامان اور شان و شوکت میں!“  
 قریش مکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قوم ہوؤ، قوم صالح اور قوم شعیب جو اپنے اپنے رسول کی دعوت کو ٹھکرا کر ہلاکت سے دوچار ہوئیں وہ دنیوی شان و شوکت اور مال و اسباب کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔

**آیت ۷۵** ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا ۙ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ ان کو بتا دیجیے کہ جو کوئی گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو رحمن اسے بہت زیادہ ڈھیل دے دیتا ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور قانون ہے کہ جو شخص فہم و شعور کے باوجود گمراہی میں پڑنا پسند کر لیتا ہے تو وہ اس کی رسی دراز کرتا ہے اور اسے دُنیوی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۙ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے جس کی انہیں وعید دی جا رہی ہے خواہ عذاب ہو یا قیامت!“

﴿فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۙ﴾ ”تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے مقام و مرتبہ میں بدتر اور (کون ہے) لاؤ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر۔“

دُنیوی زندگی تو ایک سراب کی مانند ہے۔ یا اس کی مثال ایک سٹیج ڈرامے کی سی ہے جس میں مختلف کرداروں کے مختلف بہروپ نظر آتے ہیں۔ مگر جب آخرت میں حقیقت کھل کر سامنے آئے گی تب انہیں پتا چلے گا کہ اصل میں مقام و مرتبہ اور طاقت و قوت کے لحاظ سے کون بڑھ کر تھا؟ محمد ﷺ یا ابو جہل؟

**آیت ۷۶** ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ ”اور اللہ بڑھاتا ہے ان لوگوں کو ہدایت میں جنہوں نے ہدایت اختیار کی۔“

﴿وَالْبَلَقِيتُ الصَّلَاحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا﴾ ”اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک بدلے کے اعتبار سے بھی اور بہتر ہیں انجام کے اعتبار سے بھی۔“

یہ مال و دولت دنیا سب یہیں کی چیزیں ہیں اور یہیں رہ جائیں گی۔ بقا اور دوام اگر کسی چیز کو ہے تو وہ نیک اعمال ہیں۔ انسان کے ساتھ عالم آخرت میں بھی نیک اعمال ہی جائیں گے۔ یہ بدلے کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ بالآخر ہر کسی نے لوٹ کر اپنے انہی اعمال کے پاس ہی جانا ہے۔ جب کوئی نیک شخص جنت میں پہنچے گا تو اپنے نیک اعمال کو جنت کی نعمتوں کی شکل میں اپنا منتظر پائے گا۔ وہاں اسے بتایا جائے گا کہ یہ نعمتیں دراصل تمہارے وہ نیک اعمال ہیں جو تم نے دنیا میں سرانجام دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی سے انہوں نے جنت کی ان نعمتوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

**آیت ۷۷** ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ ”کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا کہ مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد سے لازماً نوازا جائے گا!“

یہ بھی وہی مضمون ہے جو سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو اشخاص کے مکالمے کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔ وہاں بھی بالکل اسی سوچ کے حامل مالدار شخص کا ذکر ہے جس نے اللہ کے نیک بندے کو مخاطب کر کے کہا تھا: ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ قیامت واقعی برپا ہوگی، لیکن بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو میں دنیا کی طرح وہاں بھی نوازا جاؤں گا اور تم جو یہاں جوتیاں چٹختے پھرتے ہو وہاں بھی اسی حال میں رہو گے۔

آیت زیر نظر میں یہی نظریہ قریش مکہ کے حوالے سے دہرایا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم جو پُر تعیش زندگی کے مزے لے رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے۔ چنانچہ ہمیں آخرت میں بھی اسی طرح سے کثرت مال و اولاد سے نوازا جائے گا۔ ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ وہ اسی دنیا میں آئندہ بھی کثرت مال و اولاد کی توقع لیے بیٹھے تھے، مگر مجھے ان مفسرین کی رائے سے اتفاق ہے جن کے نزدیک یہ ان کی آخرت کی توقع کا ذکر ہے۔

**آیت ۷۸** ﴿أَطْلَعَ الْغَيْبِ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ ”کیا وہ غیب پر مطلع ہو چکا ہے؟ یا اُس نے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟“

جو شخص ایسے دعوے کرتا ہے آخر اس کے ان دعوؤں کی دلیل کیا ہے؟ کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے؟ یا اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی قول و اقرار لے چکا ہے؟

**آیت ۷۹** ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ﴾ ”ہر گز نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ وہ کہہ رہا ہے“



ہم ایسے شخص کی ایک ایک بات کو لکھ کر محفوظ کر لیں گے تاکہ اس سے پوری طرح جوابدہی کی جاسکے۔  
 ﴿وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝۷۹﴾ ”اور اُس کے لیے عذاب کو ہم بڑھاتے چلے جائیں گے۔“  
**آیت ۸۰** ﴿وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝۸۰﴾ ”اور ہم وارث ہوں گے اُس سب کچھ کے جس کا وہ  
 ذکر کر رہا ہے اور وہ آئے گا ہمارے پاس اکیلا ہی۔“

اس کا دُنیوی مال و متاع تو سب ہماری وراثت میں آجائے گا اور جب اسے ہماری عدالت میں پیش  
 ہونے کے لیے لایا جائے گا تو وہ بالکل یکہ و تنہا ہوگا۔ مال و اولاد خدم و حشم، قوم و قبیلہ، ہم مشرب و حاشیہ نشین  
 وغیرہ میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا۔

**آیت ۸۱** ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝۸۱﴾ ”اور انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ  
 کے سوا دوسرے معبود تاکہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں۔“

ان کا خیال ہے کہ ان کے یہ معبود ان کے لیے پشت پناہ ثابت ہوں گے اور انہیں اللہ کے عذاب سے چھڑا  
 لیں گے۔

**آیت ۸۲** ﴿كَلَّا ط سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ ”ہرگز نہیں! وہ تو ان لوگوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے“  
 یہ مضمون قرآن میں بار بار آیا ہے کہ وہ ہستیاں جنہیں یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے ہوں گے وہ  
 فرشتے ہوں، اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء ہوں، قیامت کے دن وہ سب ایسے مشرکین سے اظہارِ براءت کر دیں گے اور  
 کہیں گے کہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تم لوگ دنیا میں ہماری پرستش کرتے رہے ہو، ہم سے دعائیں مانگتے رہے  
 ہو اور سمجھتے رہے ہو کہ ہم تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے!

﴿وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ صِدًّا ۝۸۲﴾ ”اور (وہاں) وہ ان لوگوں کے مخالف ہو جائیں گے۔“

## آیات ۸۳ تا ۹۸

الَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَذُّعُهُمْ أَرْسَالًا ۖ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا  
 نَعْدُّ لَهُمْ عَذَابًا ۖ يَوْمَ نُحْشِرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۖ وَنَسُوقُ الْجَائِمِينَ إِلَى  
 جَهَنَّمَ وَرِثَةً ۖ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ وَقَالُوا اتَّخَذَ  
 الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۖ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۖ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ  
 الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۖ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۖ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ  
 يَتَّخِذَ وَلَدًا ۖ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۖ لَقَدْ  
 أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۖ وَكُلُّهُمْ أَيْدِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۖ فَإِنَّمَا يَسْرُنَا بِلسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ

وَتُنذِرُ بِهِ قَوْمًا لَّدَا ۖ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِشُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَتَذَكَّرُ لَهُمْ ۚ

**آیت ۸۳** ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكُفَرَيْنَ تَوَّضَعُوا لَهَا ۖ﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم کافروں پر شیاطین کو بھیجتے رہتے ہیں اور وہ انہیں خوب خوب اُکساتے ہیں!“  
چونکہ ایسے لوگ خود شیاطین کی رفاقت اختیار کرتے ہیں اس لیے ہم شیاطین کو ان پر مستقل طور پر مسلط کر دیتے ہیں تاکہ وہ انہیں گناہوں اور سرکشی پر مسلسل ابھارتے رہیں۔

**آیت ۸۴** ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ ”تو آپ ان کے خلاف (فیصلے کے لیے) جلدی نہ کیجیے۔“  
عجلت کی نفی پر مبنی یہ مضمون اس سورت میں یہاں دوسری مرتبہ آیا ہے۔ آیت ۶۴ میں رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کے بارے میں جلدی کرنے سے منع فرمایا گیا تھا کہ وحی کے سلسلے میں آپ ﷺ کا شوق اپنی جگہ مگر اللہ کی حکمت اور مشیت یہی ہے کہ اس کی تنزیل ایک خاص تدریج سے ہو۔ اب آیت زیر نظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کفار مکہ کے بارے میں ایسا خیال اپنے دل میں نہ لائیں کہ انہوں نے ظلم و سرکشی کی انتہا کر دی ہے اس لیے ان کا فیصلہ چکا دینا چاہیے۔ سورۃ الانعام اور اس کے بعد سب مکی سورتوں میں مسلسل قریش مکہ کی سازشوں، کٹھنوں اور مخالفانہ سرگرمیوں کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، مگر اس کے باوجود فرمایا جا رہا ہے کہ ابھی آپ ان کے بارے میں فیصلے کے لیے جلدی نہ کیجیے۔

﴿إِنَّمَا نَعِدُّ لَهُمْ عَذَابًا ۖ﴾ ”ہم ان کی پوری پوری گنتی کر رہے ہیں۔“  
ہمارے ہاں ہر کام ایک فطری تدریج اور باقاعدہ نظام الاوقات کے تحت طے پاتا ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں فیصلہ بھی ہم اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کریں گے۔ ان کا ایک ایک عمل لکھا جا رہا ہے ان کی ایک ایک حرکت ریکارڈ ہو رہی ہے اسی ریکارڈ کے مطابق ان سے جوابدہی ہوگی اور بالآخر ان کے کرتوتوں کی سزا انہیں مل کر رہے گی۔

**آیت ۸۵** ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۖ﴾ ”(ذرا تصور کریں اُس دن کا) جس دن اہل تقویٰ کو ہم جمع کر کے لائیں گے رحمن کی طرف وفد کی صورت میں۔“  
اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل تقویٰ کا مہمانوں کی طرح استقبال کیا جائے گا، جیسے سرکاری سطح پر وفد کا استقبال کیا جاتا ہے۔

**آیت ۸۶** ﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِثَةً ۖ﴾ ”اور مجرموں کو ہم ہانک کر لے جائیں گے جہنم کی طرف پیاسے۔“

اُس دن مجرموں کو جانوروں کی طرح ہانک کر جہنم کے گھاٹ پر لے جایا جائے گا اس حالت میں کہ پیاس کی شدت سے ان کی جان پر بنی ہوگی۔

**آیت ۸۷** ﴿لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝﴾ ”اُس دن کسی کو شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمن سے کوئی عہد حاصل کر لیا ہو۔“

اُس دن کوئی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا اور کوئی شفاعت کسی کے کام نہیں آئے گی، سوائے اُس شخص کے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد نبھایا ہو۔ جس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، اطاعت اور بندگی میں بسر کی ہو (سوائے ان کوتاہیوں اور لغزشوں کے جو بشری کمزوریوں کے تحت سرزد ہوئی ہوں)۔ ایسے لوگوں کے لیے تو شفاعت مفید ہو سکتی ہے، لیکن وہ لوگ جو اپنی زندگیوں میں مستقلاً اللہ کے عہد کی خلاف ورزیاں کرتے رہے، جنہوں نے اپنی زندگیوں کا رخ متعین کرتے ہوئے اللہ کی مرضی اور اس کے احکام کو مسلسل نظر انداز کیے رکھا، ایسے لوگوں کے لیے کسی کی کوئی شفاعت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ شفاعت کے بارے میں یہ مسلمہ اصول ہم آیت الکرسی کے ذیل میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جس کو اللہ کی طرف سے اذن شفاعت حاصل ہوگا وہ اُس کے حق میں شفاعت کر سکے گا جس کے لیے اذن ہوگا۔

**آیت ۸۸** ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۝﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ رحمن نے (اپنے لیے) اولاد اختیار کی ہے۔“

**آیت ۸۹** ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝﴾ ”(دیکھو!) تم یہ ایک بہت بھاری بات لائے ہو۔“  
یہ عقیدہ گھڑ کے تم لوگ اللہ کے حضور ایک بہت بڑی گستاخی کے مرتکب ہوئے ہو اور تمہاری اس گستاخی کی وجہ سے:

**آیت ۹۰** ﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝﴾ ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں۔“

**آیت ۹۱** ﴿أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۝﴾ ”کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد قرار دی۔“  
یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، جبکہ قریش مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔

**آیت ۹۲** ﴿وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝﴾ ”اور یہ بات رحمن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو اپنی) اولاد بنائے۔“

دراصل اولاد کی خواہش اور ضرورت ایک کمزوری ہے۔ اس بات کی وضاحت پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ اولاد کی ضرورت انسان کو ہے اور اس لیے ہے کہ وہ خود فانی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں مرنا ہے، اس دنیا سے ہمارا نام و نشان مٹ جانا ہے۔ اپنی اس کمزوری کے تحت ہم اولاد کی خواہش کرتے ہیں۔ ہم اپنی اولاد کے ذریعے دراصل اپنی ہستی کا تسلسل چاہتے ہیں، اولاد کی شکل میں ہم اس دنیا میں اپنی بقا چاہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں Pyramids (اہرام مصر) کے حوالے سے یہی فلسفہ بیان ہوا ہے:



*Calm and self possessed,  
Still and resolute,  
The Pyramids echo into eternity,  
They define cry of man's will,  
To survive and conquer the storms of time.*

یعنی فراعنہ مصر نے عظیم الشان اہرام اسی خواہش کے تحت تعمیر کیے تھے کہ ان کی وجہ سے ان کا نام اس دنیا میں زندہ رہے گا۔ بہر حال انسان یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ فانی ہے، کسی نہ کسی طریقے سے اس دنیا میں اپنا دوام چاہتا ہے۔ اسی خواہش کے تحت وہ دنیا میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑنا چاہتا ہے اور اسی لیے وہ اولاد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ بہر حال ایسی کوئی ضرورت ہم انسانوں کو ہی لاحق ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہر کمزوری سے پاک ہے۔ اسے کسی ایسے سہارے کی ضرورت بھلا کیونکر ہوگی!

**آیت ۹۳** ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَتٰى الرَّحْمٰنَ عَبْدًا ۝۹۳﴾ ”نہیں ہے کوئی آسمانوں اور زمین میں مگر وہ آئے گا رحمن کے حضور بندے کی حیثیت سے۔“

ہر انسان کسے باشد! اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایک مطیع فرمان بندے کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ حضور ﷺ بھی ایک بندے کی حیثیت میں اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ ہم آپ ﷺ کو عَبْدُہُ وَّرَسُولُہُ کہتے اور مانتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: لَوَاءُ الْحَمْدُ بِيَدِيْ کہ اس روز میدانِ حشر میں حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ حضور ﷺ اللہ کی عدالت میں کھڑے ہو کر اس کی حمد بیان کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس روز میں اللہ کی جو حمد بیان کروں گا وہ آج بیان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس روز ہر کوئی اللہ کے حضور اللہ کا بندہ بن کر حاضر ہوگا۔ اس میں کسی کو کوئی استثناء حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا جائے گا: ﴿يٰعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ الْهَيْئَةَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط﴾ (المائدة: ۱۱۶) ”اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنا لینا اللہ کے سوا؟“

**آیت ۹۴** ﴿لَقَدْ اٰخَصٰهُمْ وَعَدَّہُمْ عَذَابًا ۝۹۴﴾ ”اُس نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور پوری پوری گنتی کر رکھی ہے۔“

ان میں سے ایک ایک اس کی نظر میں ہے۔ وہ سب انسانوں کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی ایک فرد بھی اس سے بچ کر کہیں ادھر ادھر نہیں ہو سکے گا۔

**آیت ۹۵** ﴿وَكُلُّهُمْ اَتِيْہِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۝۹۵﴾ ”اور قیامت کے دن سب کے سب آنے والے ہیں اس کے پاس اکیلے اکیلے۔“

اس دن ہر فرد کا محاسبہ ذاتی حیثیت میں ہوگا۔ نہ ماں باپ ساتھ ہوں گے نہ اولاد نہ بہن بھائی۔ نہ شوہر کے ساتھ بیوی اور نہ بیوی کے ساتھ شوہر۔ نہ کوئی حمایتی نہ مددگار نہ کوئی سفارشی۔ ہر طرف نفسی نفسی کا شور ہوگا ہر شخص کو فکر ہوگی تو صرف اپنی جان کی!

میری کتاب ”سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی، حال اور مستقبل“ کے ایک باب کا عنوان ہے: ”قرآن کا قانونِ عذاب“۔ اس باب میں دی گئی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اجتماعی عذاب جو قوموں پر آتا ہے وہ صرف دنیا میں آتا ہے آخرت کا عذاب فرداً فرداً ہوگا۔ یعنی قوموں کا اجتماعی محاسبہ دنیا میں کیا جاتا ہے جبکہ آخرت میں ہر شخص کا محاسبہ اس کی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں ہوگا۔

**آیت ۹۶** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۝۹۶﴾ ”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، عنقریب ان کے لیے رحمٰن (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔“

یہ فرمان مکہ کے کٹھن حالات میں مومنین کے لیے ایک خوش خبری تھی کہ بلاشبہ ابھی اہل ایمان کے لیے بہت مشکل وقت ہے، انہیں ہر طرف سے مخالفت اور طعن و تشنیع کا سامنا ہے، لیکن بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب یہی لوگ محبوبانِ خلاق ہوں گے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر لوگ عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کریں گے اور بلال رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم دلوں پر راج کرے گی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے: مجھے اپنے فلاں بندے سے محبت ہے، لہذا تم بھی اسے محبوب رکھو۔ چنانچہ جبرائیل اسے محبوب رکھتے ہیں، پھر وہ آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو محبوب رکھتا ہے، پس تم سب بھی اس کو محبوب رکھو۔ چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر اس کی مقبولیت زمین میں رکھ دی جاتی ہے۔“ (۱) یعنی اہل زمین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور اس طرح اللہ کا محبوب بندہ خلقِ خدا کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔

**آیت ۹۷** ﴿فَإِنَّمَا يَسْتَرْزِقُهُ بِلسَانِكَ﴾ ”تو ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں“ قرآن کی زبان سہلِ ممتنع کا خوبصورت نمونہ ہے۔ عام قرآنی عبارت سلیس اور آسان عربی زبان میں ہے۔ اس میں ثقیل اور مشکل الفاظ شاذ ہی کہیں نظر آتے ہیں۔

﴿تُبَشِّرْ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرْ بِهِ قَوْمًا لَّدُنَّا ۝۹۷﴾ ”تا کہ آپ بشارت دیں اس کے ساتھ متقین کو اور خبردار کریں اس کے ساتھ جھگڑا لائق قوم کو۔“

یعنی آپ کی دعوت کا ذریعہ اور وسیلہ آپ کی تعلیمات کا مرکز و محور اور آپ کا آلہ انقلاب یہی قرآن ہے۔ آپ اسی کے ذریعے سے وعظ و تذکیر کا فریضہ انجام دیں اور اسی کی مدد سے انداز و تبشیر کا حق ادا کریں: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝۹۸﴾ (ق) ”تو آپ نصیحت کرتے رہیں قرآن کے ساتھ ہر اس شخص کو جو ڈرتا ہے میری وعید سے“۔ قرآن ایک موثر اور جامع وعظ بھی ہے اور تزکیہ نفس کے لیے شافی و کافی دوا بھی۔ اس حقیقت کا اعلان سورہ یونس میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تِلْكَ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب اذا احب الله عبدا حببه الى عباده۔

الصُّدُورِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ ”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے روگ) کی شفاء اور ہدایت اور اہل ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت“۔ اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے (وہ چیز) جو شفاء اور رحمت ہے مؤمنین کے لیے۔“

**آیت ۹۸ ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾** ”اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی یا آپ سنتے ہیں ان کی کوئی بھنک بھی؟“

کیا آج قومِ شمود کی کہیں آہٹ سنائی دیتی ہے؟ یا قومِ عاد کا کوئی نام و نشان نظر آتا ہے؟ ماضی کی تمام نافرمان قوموں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر کے نسیاً منسیاً کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قریشِ مکہ جو آج کفر و سرکشی میں حد سے بڑھے جارہے ہیں وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذکر الحكيم ۰۰



# سُورَةُ طه

## تمہیدی کلمات

سورہ مریم کے آغاز میں تمہیدی کلمات کے تحت تین سورتوں (مریم طہ اور الانبیاء) پر مشتمل اس ذیلی گروپ کا تعارف ہو چکا ہے جس کی دوسری سورت سورہ طہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۸

طه ۱ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۖ إِلَّا تَذَكُّرٌ لِّمَن يَخْشَى ۚ تَنزِيلًا مِّنْ خَلْقِ  
الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۚ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي  
الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۚ وَإِن تَجَهَّرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۚ اللَّهُ  
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۚ

آیت ۱ ﴿طه ۱﴾ ”طہ!“

آیت ۲ ﴿مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۖ﴾ ”ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ  
مشقت میں پڑیں۔“

آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی حد تک ہے۔ اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لارہے تو آپ ان کے پیچھے خود کو ہلکان نہ کریں۔ یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ الکہف میں اس طرح آچکا ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ  
نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾ ۶ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو  
غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر“۔ سورۃ الشعراء میں بھی فرمایا  
گیا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ ۳ ”شاید کہ آپ ہلاک کر ڈالیں اپنے آپ کو (اس وجہ  
سے) کہ وہ ایمان نہیں لارہے“۔ بہر حال یہ تو اس آیت کا وہ ترجمہ اور مفہوم ہے جو عمومی طور پر اختیار کیا گیا ہے  
لیکن میرے نزدیک اس کا زیادہ بہتر مفہوم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا  
کہ آپ ناکام ہوں۔ اس لیے کہ شَقِيَ يَشْقَى کے معنی ناکام و نامراد ہونے کے ہیں۔

عربی زبان کے بہت سے مادے ایسے ہیں جن کے حروف کی آپس میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ”رب ب“ مادہ سے رَبَّ یَرْبُ کا معنی ہے: مالک ہونا، انتظام کرنا۔ اس سے لفظ ”رب“ بنا ہے۔ ”رب و“ سے رَبَا یَرْبُو رَبُّوا کا مفہوم ہے: (مال) زیادہ ہونا، بڑھنا۔ اس سے ربا (سود) مستعمل ہے۔ جبکہ ”رب ی“ سے رَبَّی یَرْبِی تَرْبِیۃ کا معنی و مراد ہے: پرورش کرنا، نشوونما دینا۔ ان مادوں کے معنی اگرچہ الگ الگ ہیں مگر حروف کے اشتراک کی وجہ سے ان میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ”ش ق ی“ اور ”ش ق ق“ بھی دو مختلف المعانی لیکن باہم مشابہ مادے ہیں۔ ایسے مشابہ مادوں سے مشتق اکثر اسماء و افعال بھی باہم مشابہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سے الفاظ ذو معنی بھی قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ تَشْقٰی کو اگر ”ش ق ق“ سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنی مشقت اور محنت کے ہوں گے اور اگر اس کا تعلق ”ش ق ی“ سے تسلیم کیا جائے تو معنی ناکامی و ناکامی کے ہوں گے۔ یہاں اگر اس لفظ کا دوسرا ترجمہ مراد لیا جائے تو یہ آیت حضور ﷺ کے لیے گویا ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اے نبی یہ قرآن قولِ فیصل بن کرنازل ہوا ہے لہذا آپ کے اس مشن میں ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عنقریب کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

**آیت ۳ ﴿اَلَا تَذٰکِرَۃٌ لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ ۳** ”یہ تو صرف یاد دہانی ہے اُس کے لیے جو ڈرتا ہے۔“

یعنی جن کے دلوں میں کچھ خوفِ خدا ہے اُن کے لیے یہ نصیحت ہے۔

**آیت ۴ ﴿تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی﴾ ۴** ”اس کی تنزیل اُس ہستی کی طرف سے ہے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔“

**آیت ۵ ﴿الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ ۵** ”(یعنی) رحمن! جو عرش پر متمکن ہے۔“

**آیت ۶ ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی﴾ ۶** ”اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے، جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اور جو کچھ زمین کے سب سے نیچے طبقے کے نیچے ہے۔“

الثَّرا کے معنی گیلی مٹی کے ہیں، یعنی گیلی مٹی کے نیچے بھی جو کچھ ہے وہ بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

**آیت ۷ ﴿وَ اِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ﴾ ۷** ”اور اگر تم بلند آواز سے کوئی بات کرو“

اللہ کو پکارتے ہوئے اس سے دعایا مناجات کرتے ہوئے اگر تم لوگ اپنی آوازوں کو بلند کرو یا آہستہ رکھو اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا:

**﴿فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی﴾ ۷** ”وہ تو یقیناً جانتا ہے چھپی بات کو بھی اور نہایت مخفی بات کو بھی۔“

**آیت ۸ ﴿اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ لَہٗ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی﴾ ۸** ”وہ اللہ ہے! اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔“

اُسی کے ہیں تمام اچھے نام۔“

اب یہاں سے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے جس کے بارے میں بیشتر تفصیلات سورۃ الاعراف کے مطالعے کے دوران گزر چکی ہیں۔ چنانچہ یہاں وہ تفصیلات پھر سے دہرائی نہیں جائیں گی۔

## آیات ۹ تا ۲۲

وَهَلْ أَتُكِّ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي  
 آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدٍ عَلَى النَّارِ هُدًى ۖ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يُمُوسَى ۖ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ  
 فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۖ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ۚ إِنَّنِي  
 أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۖ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۖ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا  
 لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۖ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۖ  
 وَمَا تِلْكَ يَمِينُكَ يُمُوسَىٰ ۖ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ  
 فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَىٰ ۖ قَالَ أَفَقَهَا يُمُوسَىٰ ۖ فَالْقَهَا فَإِذَا هِيَ حَبِيبَةٌ تَسْعَىٰ ۖ قَالَ خُذْهَا  
 وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۖ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ  
 غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۚ لِنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ۖ إِذْ هَبُّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ

آیت ۹ ﴿وَهَلْ أَتُكِّ حَدِيثُ مُوسَى ۖ﴾ ”اور کیا آپ تک پہنچی ہے موسیٰ کی خبر؟“

آیت ۱۰ ﴿إِذْ رَأَىٰ نَارًا﴾ ”جب اُس نے ایک آگ دیکھی“

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے مصر کی طرف واپس آرہے تھے۔ اندھیری رات تھی، سردی کا موسم تھا اور راستے کے بارے میں بھی ان کے پاس یقینی معلومات نہیں تھیں۔ اس صورت حال میں جب آپ کو آگ نظر آئی ہوگی تو یقیناً آپ بہت خوش ہوئے ہوں گے۔

﴿فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ ”تو اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ ذرا (یہاں) ٹھہریئے مجھے آگ نظر آئی ہے“

﴿لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدٍ عَلَى النَّارِ هُدًى ۖ﴾ ”تا کہ میں لے آؤں تمہارے لیے اس میں سے کوئی انگارہ یا میں پاؤں اس آگ (کی جگہ) سے کوئی راہنمائی۔“

ممکن ہے مجھے وہاں سے کوئی چنگاری مل جائے جس کی مدد سے ہم آگ جلا کر تاپ سکیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں سے مجھے راستے کے بارے میں کوئی راہنمائی مل جائے۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں ہم کسی غلط راستے پر چلتے رہیں۔

آیت ۱۱ ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يُمُوسَىٰ ۖ﴾ ”پھر جب وہ آیا اس (آگ) کے پاس تو ندا دی گئی:

اے موسیٰ!“



**آیت ۱۲** ﴿إِنِّي أَنَا رَبُّكَ﴾ ”یہ تو میں تمہارا پروردگار ہوں“

یعنی جسے تم آگ سمجھ کر یہاں آئے ہو اس آگ کے پردے میں خود میں ہوں، تمہارا رب، تمہارا پروردگار! ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ”چنانچہ اپنی جوتیاں اتار دو، کیونکہ اس وقت تم مقدس وادی ’طوی‘ میں ہو۔“

**آیت ۱۳** ﴿وَأَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ ”اور میں نے تم کو چن لیا ہے“

میں نے آپ کو اپنے رسول کے طور پر پسند کر لیا ہے اور ایک بڑے مشن کے لیے آپ کا انتخاب کر لیا ہے۔ ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ ”تو اب ذرا توجہ سے سنو جو وحی تم پر کی جا رہی ہے۔“

**آیت ۱۴** ﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا﴾ ”یقیناً میں ہی اللہ ہوں! کوئی اور معبود نہیں سوائے میرے“

یہ آیت اس لحاظ سے ممتاز و منفرد ہے کہ اللہ کی انانیت (انانیت کبریٰ) کے اظہار کے لیے جو الفاظ یہاں اس مقام پر استعمال ہوئے ہیں، میرے علم کی حد تک قرآن میں کسی اور مقام پر نہیں ہوئے۔ علامہ اقبال نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ایک تو ہماری انانے صغیر (The finite ego) ہے اور اس کے مقابلے میں اللہ کی انانے کبیر (The Infinite Ego) ہے۔ اس انانے کبیر (The Great I am) کا اس آیت میں بھرپور انداز میں اظہار ہوا ہے۔

﴿فَاعْبُدْنِي ۖ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ”پس تم میری ہی بندگی کرو اور نماز قائم رکھو میری یاد

کے لیے۔“

**آیت ۱۵** ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِيُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ﴾ ”(اور یہ بات بھی یاد

رکھو کہ) بے شک قیامت آکر رہے گی، میں اسے مخفی ہی رکھوں گا تا کہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو جو اُس نے کوشش کی ہو۔“

**آیت ۱۶** ﴿فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَوْدَىٰ﴾ ”تو (دیکھنا کہیں) تمہیں

اس سے روگرداں نہ کر دے کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے (اگر ایسا ہوا) تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔“

عَنْهَا کی ضمیر کا تعلق السَّاعَةِ (قیامت) سے بھی ہو سکتا ہے اور الصَّلَاةِ (نماز) سے بھی۔ چنانچہ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آخرت کا منکر کوئی شخص آپ کو بھی اس سے برگشتہ نہ کر دے۔ لیکن اگر عَنْهَا کا تعلق الصَّلَاةِ سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص نماز کا منکر ہے تو وہ آپ کو بھی اس سے بدظن کرنے کا باعث نہ بن جائے۔

**آیت ۱۷** ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمُوسَىٰ﴾ ”اور اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟“

**آیت ۱۸** ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾ ”کہا: یہ میرا عصا ہے!“

بظاہر عصا کے بارے میں سوال کا بس یہی جواب کافی تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلے میں زیادہ تفصیل بیان کر دی۔ زیادہ تر مفسرین کے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے مخاطبت اور مکالمے کے شوق و ذوق میں اپنی بات کو بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ آپ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کیا: ﴿اتَوَكَّلُوا عَلَيْهَا وَاهْتَشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ﴾ (۱۸) ”میں اس پر ٹیک بھی لگا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے (درختوں سے) پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی کام ہوتے ہیں۔“

**آیت ۱۹** ﴿قَالَ أَلْقِهَا يَمُوسَىٰ﴾ (۱۹) ”فرمایا: اے موسیٰ اس کو ذرا پھینکو تو سہی!“

**آیت ۲۰** ﴿فَالْقُتْبَىٰ فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ﴾ (۲۰) ”تو انہوں نے اسے پھینک دیا تو وہ دفعتاً ایک سانپ بن گیا دوڑتا ہوا۔“

**آیت ۲۱** ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ (۲۱) ”فرمایا: اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں!“

سورۃ النمل (آیت ۱۰) اور سورۃ القصص (آیت ۳۱) میں اس واقعہ کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوفزدہ ہو جانے کا ذکر بھی آیا ہے: ﴿فَلَمَّا رَاَهَا تُهَيِّزُ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدَبِّرًا لَّا يُمَاقِبُ﴾ (۲۱) ”جب انہوں نے دیکھا کہ وہ (لاٹھی) حرکت کر رہی ہے جیسے کہ وہ ایک سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔“ پھر اللہ نے فرمایا کہ آپ ڈریں نہیں بلکہ واپس آئیں اور اس کو پکڑ لیں۔ بہر حال یہاں پر وہ تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ (۲۱) ”ابھی ہم اس کو لوٹا دیں گے اس کی پہلی حالت پر۔“

**آیت ۲۲** ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِثْلَ خُبْرٍ﴾ (۲۲) ”اور ذرا اپنا ہاتھ ملاؤ اپنی بغل کے ساتھ وہ نکلے گا چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے یہ دوسری نشانی ہے۔“

**آیت ۲۳** ﴿لَنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ﴾ (۲۳) ”تا کہ ہم اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں تمہیں دکھائیں۔“

**آیت ۲۴** ﴿إِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ (۲۴) ”اب تم جاؤ فرعون کی طرف وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔“

فرعون کی سرکشی اب حد سے تجاوز کر رہی ہے۔ چنانچہ آپ جائیں اور اسے بھلائی اور دین حق کی دعوت دیں۔ اسے یہ بھی کہیں کہ وہ بنی اسرائیل پر ظلم نہ کرے اور انہیں واپس اپنے وطن فلسطین جانے کی اجازت دے دے۔

## آیات ۲۵ تا ۵۵

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۖ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۖ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۖ لَا يَقْفَهُوا قَوْلِي ۖ وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۖ هَارُونَ أَخِي ۖ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۖ وَأَشْرِكْهُ فِي



أَمْرِي ۖ كُنْتُ نَسِيحًا كَثِيرًا ۖ وَنَذَرْتُكَ كَثِيرًا ۖ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۖ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَٰمُوسَىٰ ۖ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۖ أَنْ اقْضِيهِ فِي الثَّابُوتِ فَأَقْضِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۖ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۖ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۖ وَكُنْتَ نَفْسًا فَجَّيْنَكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَّيْنَاكَ فُتُونًا ۖ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۖ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ۖ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۖ إِذْ هَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۖ إِذْ هَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۖ قَالَا رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطَّغَىٰ ۖ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۖ فَأْتِيَهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۖ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَٰمُوسَىٰ ۖ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۖ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۖ قَالَ عَلِمْنَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۖ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَوَسَّلَكَ لَكُمُ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَخَرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ تَحْتِهَا نَاتِئَاتٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ وَمِنهَا خَلَقْنَاهُمْ وَفِيهَا نَعِيدُهُمْ وَمِنْهَا نَخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۖ

**آیت ۲۵** ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾ (۲۵) ”موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے۔“

یہ بہت اہم دعا ہے اور یہ ہر اس شخص کو یاد ہونی چاہیے جو دین کی دعوت کا مشن لے کر نکلا ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! تو نے جو عظیم الشان مشن میرے حوالے کیا ہے اس کے لیے اپنی خصوصی مدد میرے شامل حال کر دے اور اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دے۔

**آیت ۲۶** ﴿وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي﴾ (۲۶) ”اور میرے اس کام کو میرے لیے آسان کر دے۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي﴾ (۲۷) ”اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کو کھول دے۔“

**آیت ۲۸** ﴿يَفْقَهُوا قَوْلِي﴾ (۲۸) ”(تاکہ) میری بات کو وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔“



ظاہر ہے لکنٹ والے شخص کی گفتگو کو سمجھنے میں لوگ وقت محسوس کرتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْٓ﴾ ”اور میرے لیے ایک وزیر بھی بنادے میرے خاندان میں سے۔“

لفظ ”وزیر“ کا مادہ وزر (بوجھ) ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی ہیں: بوجھ اٹھانے والا۔ یعنی ذمہ داریوں میں مدد کرنے اور سہارا بننے والا۔

آیت ۳۰ ﴿هٰرُوْنَ اَخِيْ﴾ ”میرے بھائی ہارون کو۔“

آپ نے اس وزارت کے لیے اپنے بھائی کا نام بھی خود ہی تجویز کر دیا۔

آیت ۳۱ ﴿اَشْدُّ بِهٖ اَزِّيْ﴾ ”اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط کر دے۔“

آیت ۳۲ ﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ﴾ ”اور اسے میرے اس کام میں شریک بنادے۔“

آیت ۳۳ ﴿كٰی نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾ ”تا کہ ہم تیری تسبیح کریں کثرت کے ساتھ۔“

آیت ۳۴ ﴿وَنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ ”اور تیرا ذکر کریں کثرت کے ساتھ۔“

آیت ۳۵ ﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ ”یقیناً تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔“

تو خود ہمارے حالات کا چشم دید گواہ ہے۔

آیت ۳۶ ﴿قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُوْلُكَ یٰمُوسٰی﴾ ”فرمایا: اے موسیٰ تمہیں عطا کر دیا گیا جو تم نے طلب کیا۔“

تمہاری درخواست ہم نے من وعن قبول کر لی۔

آیت ۳۷ ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلٰیكَ مَوْرَةً اٰخِرٰی﴾ ”اور ہم تو تم پر احسان کر چکے ہیں ایک مرتبہ پہلے بھی۔“

آیت ۳۸ ﴿اِذْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی اُمِّكَ مَا یُوحٰی﴾ ”جب ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی کی تھی جو

(اب تمہیں) وحی کی جارہی ہے۔“

یعنی اب ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں کہ آپ کی والدہ کو اس وقت ہم نے کیا وحی کی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں بھی فرعون کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کسی کے ہاں اگر بیٹا پیدا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے اور صرف ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی یا الہام کے ذریعے ان کے نومولود بچے کے بارے میں ہدایت کی:

آیت ۳۹ ﴿اِنْ اَقْدَفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاَقْدِفِیْهِ فِی الْیَمِّ﴾ ”کہ اس کو ایک صندوق میں بند کرو پھر اسے

دریا میں ڈال دو۔“

﴿فَلِیْلَیْهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّہٗ﴾ ”چنانچہ دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا“

(وہاں سے) اس کو اٹھا لے جائے گا وہ جو میرا بھی دشمن ہے اور اس (بچے) کا بھی دشمن ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کی جانے والی وحی کے بارے میں یہاں مزید تفصیل بیان نہیں فرمائی گئی، بلکہ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست خطاب شروع ہو رہا ہے۔ یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ کچھ چیزیں پڑھنے اور سننے والے پر چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ سیاق و سباق کے مطابق خود سمجھ جائے۔ بہر حال اس واقعہ کی مزید تفصیلات یوں ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ آپ کی بڑی بہن اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق صندوق پر نظر رکھے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ صندوق کے شاہی محل میں پہنچنے کی خبر بھی بچی کے ذریعے والدہ کو مل گئی۔ ادھر فرعون بچے کو قتل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا (جو بنی اسرائیل میں سے تھیں اور نیک خاتون تھیں) نے اس کو سمجھایا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے، یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا، ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے، چنانچہ آپ اسے قتل نہ کریں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر آپ کے چہرے کو انتہائی پرکشش بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی صورت ایسی من موہنی تھی کہ ہر شخص دیکھتے ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي﴾ اور (اے موسیٰ علیہ السلام!) میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا، تاکہ تم کو پالا جائے میری آنکھوں کے سامنے۔“

لِصْنَعِ کے لفظی معنی ہیں: ”تاکہ تم کو بنایا جائے“۔ اسی مادہ سے لفظ مَصْنَع مشتق ہے جس کے معنی کارخانہ کے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ کی تربیت کا کارخانہ فرعون کا محل قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر آپ کی شکل میں ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ دشمن بھی دیکھتے تو گرویدہ ہو جاتے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ آپ کی پرورش کے انتظامات خصوصی طور پر شاہی محل میں کیے جانے منظور تھے۔

آیت ۲۰ ﴿إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ﴾ ”جب تمہاری بہن چلتی جا رہی تھی“

اور وہ چلتے چلتے فرعون کے محل تک پہنچ گئی جہاں بچے کو فوری طور پر دودھ پلانے کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی بھی عورت کا دودھ پینے سے منع کر دیا تھا۔ جب بہت سی عورتیں بلائی گئیں اور وہ سب کی سب آپ کو دودھ پلانے میں ناکام رہیں تو آپ کی بہن جو یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی بول پڑی:

﴿فَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنِ يَكْفُلُهُ﴾ ”تو اُس نے کہا: کیا میں تمہیں بتاؤں اس (خاندان) کے بارے میں جو اس کی کفالت کرے؟“

آپ کی بہن نے اپنی ہی والدہ کے بارے میں ان لوگوں کو مشورہ دیا۔ چنانچہ جب آپ کی والدہ کو بلایا گیا تو آپ نے ان کا دودھ فوراً پی لیا۔

﴿فَرَجَعْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾ ”تو یوں ہم نے لوٹا دیا تمہیں تمہاری والدہ کی طرف، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کھائے۔“

چنانچہ ماما کی تسلی و تسکین کے لیے بچے کو واپس والدہ کی گود میں پہنچا دیا گیا۔ مقام غور ہے! اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے جذبات و احساسات کا کس حد تک پاس ہے۔

﴿وَقَتَلْتَ نَفْسًا﴾ ”اور (پھر) تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا“  
 پھر جب آپ جوان ہوئے اور مصر میں آپ کے ہاتھوں ایک قبیلے کو قتل ہو گیا:  
 ﴿فَنَجَّيْنِكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا﴾ ”تو ہم نے تم کو اس غم سے بھی نجات دلائی اور پھر ہم نے تمہیں (مزید بہت سی) آزمائشوں سے گزارا۔“

﴿فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ﴾ ”پھر تم کئی سال اہل مدین میں رہے“  
 آپ کے مدین پہنچنے اور وہاں ٹھہرنے کے بارے میں تفصیل سورۃ القصص میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں صرف اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يُّمُوسَىٰ﴾ ”پھر تم یہاں آ گئے ایک طے شدہ فیصلے کے مطابق اے موسیٰ!“  
 یعنی اس وقت آپ کا یہاں پہنچنا کسی حسن اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طے شدہ پروگرام کا حصہ ہے۔ میں نے آپ کے سب معاملات کے متعلق باقاعدہ منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ آپ نے اس سے پہلے جو کچھ کیا، آپ جہاں جہاں رہے یہ سب اس منصوبہ بندی کا حصہ تھا اور اب اسی منصوبہ بندی اور ایک طے شدہ فیصلے کے مطابق آپ اس جگہ پہنچ گئے ہو۔

آیت ۲۱ ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ ”اور میں نے تم کو بنایا ہے خاص اپنے لیے۔“  
 اصْطَنَعْتُ، صَنَعْتُ سے باب افتعال ہے۔ ص کی مناسبت سے ت یہاں ط سے بدل گئی ہے۔ یعنی میں نے آپ کی شخصیت کو خصوصی طور پر تیار کیا ہے۔ شاہی محل کے اندر مخصوص ماحول میں آپ کی پرورش کرائی ہے اور بعض خصوصی صلاحیتیں آپ کی شخصیت میں پیدا کی ہیں۔ اس لیے کہ مجھے آپ سے ایک بڑا کام لینا ہے۔  
 آیت ۲۲ ﴿إِذْ هَبَّ أُنْتُ وَأَخُوكَ بِآيَتِنِي وَلَا تَنِيَّاءُ فِي ذِكْرِي﴾ ”جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری ان نشانیوں کے ساتھ اور میرے ذکر سے سستی نہ کرنا۔“

آیت ۲۳ ﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ ”جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس یقیناً وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔“

آیت ۲۴ ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ ”تو (دیکھو!) اس کے ساتھ نرم (انداز میں) بات کرنا شاید کہ اس طرح وہ سوچے یا ڈرے۔“

آیت ۲۵ ﴿قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ﴾ ”انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ (اچانک) ہمارے اوپر بھڑک اٹھے گا یا زیادتی کرے گا۔“

آیت ۲۶ ﴿قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ ”فرمایا: تم ڈرو نہیں یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں ہر بات سنتا اور دیکھتا ہوں گا۔“

آیت ۲۷ ﴿فَاتَّبَعْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ يُرْسِلُ إِلَيْنَا سَرَّائِيلَ وَلَا نُعَذِّبُهُمْ﴾ ”پس تم



دونوں جاؤ اُس (فرعون) کے پاس اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم دونوں رسول ہیں تیرے رب کی جانب سے، پس ہمارے ساتھ بھیج دے بنی اسرائیل کو اور انہیں عذاب میں مبتلا مت رکھ۔“

﴿قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی﴾ ﴿۴۷﴾ ”یقیناً ہم آئے ہیں ایک نشانی لے کر تیرے رب کی طرف سے۔ اور سلامتی اُن پر ہے جو ہدایت کا اتباع کریں۔“

آیت ۴۸ ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحٰی اِلَیْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی﴾ ﴿۴۸﴾ ”ہماری طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اُس پر عذاب آئے گا جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔“

چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہ السلام) نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اللہ کا پیغام پوری تفصیل کے ساتھ اُس تک پہنچا دیا۔

آیت ۴۹ ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمْ یٰمُوسٰی﴾ ﴿۴۹﴾ ”فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب ہے کون؟“ ہم تو کسی ایسے رب سے واقف نہیں ہیں جس کے بارے میں تم دونوں بات کر رہے ہو۔ تمہارا رب ہے کون؟ آیت ۵۰ ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ ﴿۵۰﴾ ”موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی، پھر ہدایت دی۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص شکل اور ہیئت کے مطابق تخلیق کیا ہے اور پھر ہر مخلوق کی خلقت کے عین مطابق اسے جبلی ہدایت بھی عطا کی ہے۔ مثلاً اس نے بکری کو جبلی ہدایت دی ہے کہ اس کی غذا گوشت نہیں ہے، گھاس وغیرہ ہے اور شیر کو جبلی ہدایت دی ہے کہ اس کی غذا گھاس نہیں، گوشت ہے، اسی طرح ہر چیز کو جبلی طور پر اس نے مخصوص عادات و اطوار اور خصوصیات کا پابند کر دیا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْاُولٰی﴾ ﴿۵۱﴾ ”فرعون نے کہا: تو پھر پہلی نسلوں کا کیا حال ہوگا؟“ یعنی اگر ہم تمہارا یہ دعویٰ تسلیم کر لیں کہ تم اللہ کے رسول ہو اور تمہاری پیروی میں ہی ہدایت ہے تو پھر ہمارے آباء و اجداد جو اس سے پہلے فوت ہو چکے ہیں، ہماری کئی نسلیں جو اس دنیا سے جا چکی ہیں، ان کے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا، ان تک ایسی کوئی دعوت نہیں پہنچی تھی اور وہ اسی طریقے پر فوت ہوئے جسے تم گمراہی قرار دے رہے ہو۔ تو ان سب لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے؟ اُن سب کا کیا بنے گا؟

یہ ایک ٹیڑھا سوال تھا جس کا جواب بڑے حکیمانہ انداز میں دینے کی ضرورت تھی۔ ہمارے جیسا کوئی داعی ہوتا تو کہہ دیتا کہ وہ سب جہنمی ہیں! ایسے جواب کے ردِ عمل کے طور پر مخاطبین کی اپنے اسلاف کے بارے میں عصبیت و حمیت کو ہوا ملتی اور صورتِ حال بگڑ جاتی۔ بہر حال حکمتِ تبلیغ کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت کے دوران مخاطبین کے جذبات اور مخصوص موقع محل کو مد نظر رکھا جائے تاکہ کسی بھی قسم کی منفی صورتِ حال پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمال حکمت سے جواب دیا:

آیت ۵۲ ﴿قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یُضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یُنْسِی﴾ ﴿۵۲﴾ ”موسیٰ نے کہا کہ ان کا

علم میرے رب کے پاس ایک کتاب کے اندر ہے۔ میرا رب نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔“  
میرا رب ہی جانتا ہے کہ ایسے لوگ جن کے پاس اللہ کی طرف سے دعوت لے کر کوئی رسول نہیں آیا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ میرا رب ان تمام لوگوں کے حالات سے خوب واقف ہے نہ تو اس سے غلطی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ بھولتا ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں وہ خود ہی مناسب فیصلہ کرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ مسکت جواب دینے کے بعد اپنی تقریر جاری رکھی:

**آیت ۵۳** ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَوَسَّلَكَ لَكُمُ فِيهَا سُبُلًا وَانْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ط﴾  
”وہی جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے (چلنے کے) لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔“

﴿فَاَخْرِجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ ثَبَاتٍ شَتَّى ۝۵۳﴾ ”پھر ہم نے اس (پانی) سے نکالے طرح طرح کے نباتات۔“

**آیت ۵۴** ﴿كُلُوا وَارْزَعُوا اَنْعَامَكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولٰٓئِی النُّہٰی ۝۵۴﴾ ”کھاؤ تم خود بھی اور چراؤ اپنے مویشیوں کو بھی۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔“

**آیت ۵۵** ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۝۵۵﴾ ”اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں ایک مرتبہ پھر نکالیں گے۔“

## آیات ۵۶ تا ۷۶

وَلَقَدْ اَرٰیْنٰہُ اٰیٰتِنَا کُلَّهَا فَلَکَذَّبَ وَاٰلِی ۝۵۶ قَالَ اَجِئْتُنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ یٰیٰوَسٰی ۝۵۷ فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرِ مِثْلِہٖ فَاَجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِدًا لَا تُخْلِفُہٗ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَکَانًا سُوٰی ۝۵۸ قَالَ مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزَّیْنَةِ وَاَنْ یُّجْشَرَ النَّاسُ ضُغْمٰی ۝۵۹ فَتَوَلٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ کَیْدَہٗ ثُمَّ اٰتٰی ۝۶۰ قَالَ لَہُمْ مُّوْسٰی وَیَلٰکُمْ لَا تَقْتَرُوْا عَلٰی اللّٰہِ کَذِبًا فِیْسَحِّتْکُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنۢ فِیْہِ ۝۶۱ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَہُمْ بَیْنَہُمْ وَاَسْرُوا النَّجْوٰی ۝۶۲ قَالُوْا اِنْ ہٰذَا سِیْحَرٌ یُّرِیْدُنَ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہِمَا وَیَذْہَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمَثَلٰی ۝۶۳ فَاجْمَعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ اٰتُوْا صَفًّا ۝۶۴ وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنۢ اسْتَعٰلٰی ۝۶۵ قَالُوْا یٰیٰوَسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقٰی وَاِمَّا اَنْ تَکُوْنَ اَوَّلَ مَنۢ اُلْقٰی ۝۶۶ قَالَ بَلٰۤی الْقُوٰۃُ اِذَا جَاہَلُہُمْ وَعَصِیُّہُمْ یُخِیِّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِہُمْ اَنّٰہَا تَسْعٰی ۝۶۷ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃٌ مُّوْسٰی ۝۶۸ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۝۶۹ وَاَلْقٰی مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوْا اِنّٰہَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ ۚ وَلَا یُفْلِحُ



السَّاحِرِ حَيْثُ أَتَى ۝ فَالْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ۝ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ ۚ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَيْكُمُ السَّحَرُ فَلَا تُقْطَعْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وُصِّلَتْكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلْتَعْلَمَنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى ۝ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۚ إِنَّا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِنَغْفِرَ لَكَ خَطِيئَتَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السَّحَرِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝ إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ۚ جَنَّاتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ۚ

**آیت ۵۶** ﴿وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ۝﴾ ”اور ہم نے اُس (فرعون) کو دکھا دیں اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔“

**آیت ۵۷** ﴿قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَمُوسَى ۝﴾ ”اُس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تا کہ اپنے اس جادو کے بل پر ہمیں ہماری سرزمین سے نکال باہر کرو؟“

**آیت ۵۸** ﴿فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهِ ۝﴾ ”تو ہم بھی ضرور لائیں گے تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو“

﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝﴾ ”تو معین کر لو ہمارے اور اپنے مابین وعدے کا ایک مقرر وقت نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا (یہ مقابلہ ہو) ایک کھلے میدان میں۔“

ایک کھلے میدان میں ہم سب جمع ہو جائیں۔ وہاں تم بھی اپنی یہ نشانیاں پیش کرو اور ہمارے جادوگر بھی اپنے جادو کے کمالات دکھائیں۔ فرعون کا خیال تھا کہ اس کے بلائے ہوئے جادوگر اس سے بہتر جادو دکھا دیں گے اور اس طرح موسیٰ کا دعویٰ باطل ثابت ہو جائے گا۔

**آیت ۵۹** ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ ۝﴾ ”موسیٰ نے کہا: تمہارے وعدے کا دن ہوگا جشن کا دن!“

ان کے ہاں یہ کوئی تہوار تھا جس کے سلسلے میں وہ لوگ بڑی تعداد میں کسی میدان میں جمع ہو کر جشن مناتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمت سے کام لیتے ہوئے اسی تہوار کے اجتماع کو مقابلے کے لیے مخصوص کر لیا۔

﴿وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝﴾ ”اور یہ کہ لوگ جمع کر لیے جائیں دن چڑھے۔“

یہ ضحیٰ کا وقت وہی ہے جس وقت ہم عیدین کے موقع پر نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی جب دھوپ ذرا سی اٹھ جائے اُس وقت لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔



آیت ۶۰ ﴿فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ﴾ ”تو اب فرعون نے رخ پھیرا“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ طے ہو گیا تو فرعون نے اپنی پوری توجہ اس کے لیے تیاری کرنے پر مرکوز کر دی۔

﴿فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ﴾ ”چنانچہ اُس نے اپنے سارے ہتھکنڈے جمع کر لیے پھر وہ (مقابلے میں) آ گیا۔“

اس نے اپنی پوری مملکت سے ماہر جادو گروں کو اکٹھا کیا اور یوں پوری تیاری کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے میدان میں اُتراتا کہ ثابت کر سکے کہ آپ کا دعویٰ باطل ہے۔

آیت ۶۱ ﴿قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ ”موسیٰ نے انہیں (خبردار کرتے ہوئے) کہا: تمہاری بدبختی! اللہ پر جھوٹ مت گھڑو کہ وہ تمہیں عارت کر دے کسی عذاب کے ذریعے سے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخری حجت کے طور پر انہیں خبردار کیا کہ دیکھو تم لوگ اللہ پر افترا بازی نہ کرو میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں یہ جادو نہیں ہے یہ اللہ کا عطا کردہ معجزہ ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ﴾ ”اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس کسی نے بھی (اللہ پر) افترا کیا۔“

آیت ۶۲ ﴿فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ﴾ ”تو وہ باہم جھگڑ پڑے اپنے اس معاملے میں اور پھر لگے چپکے چپکے مشورہ کرنے۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست جادو گروں سے خطاب کیا تو وہ مرعوب ہو گئے۔ نبوت کا رعب بھی تھا اور آپ کی شخصیت کی خداداد وجاہت بھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد قبل ازیں آیت ۳۹ میں وارد ہو چکا ہے: ﴿وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ کہ میں نے اپنی طرف سے تم پر اپنی خاص محبت ڈال دی تھی۔ چنانچہ جادو گر یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے۔ آپ کی تقریر سنتے ہی مقابلے کا معاملہ ان میں متنازعہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو قاتل کرنے کے لیے باہم سرگوشیوں میں مصروف ہو گئے۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سے فرعون کے درباریوں میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ آپس میں چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ مقابلہ نہ کرایا جائے۔ لیکن بالآخر وہ اتفاق رائے سے اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے:

آیت ۶۳ ﴿قَالُوا إِن هَٰذِهِ سُلْحُونٌ يُرِيدُنَا أَن نُّخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ﴾ ”انہوں نے کہا کہ یہ دونوں جادو گر ہی ہیں جو چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اپنے جادو (کے زور) سے اور تمہاری مثالی تہذیب کو برباد کر دیں۔“

مثلیٰ مونث ہے امثال کا جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ مثالی۔ حق کے مقابلے میں باطل ذہنیت کا باہمی اتفاق ملاحظہ ہو کہ جو دلیل اس وقت فرعون اور اس کے درباریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سوجھی تھی آج بھی شیطانی قوتیں مسلمانوں کے خلاف اسی دلیل کے تحت پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔ ابلیسی سوچ کے نقیبوں

نے آج بھی پوری دنیا میں شور برپا کر رکھا ہے کہ Muslim Fundamentalism ہماری مثالی تہذیب و ثقافت کے لیے خطرہ ہے۔ ہم نے بڑی محنت سے مختلف اداروں کو فروغ دیا ہے، دنیا میں انسانی حقوق کا تصور متعارف کرایا ہے، جان جوکھوں میں ڈال کر مرد و زن کی مساوات اور عورتوں کی آزادی کی جنگ لڑی ہے۔ مگر مسلمان بنیاد پرست ہماری تہذیب و ثقافت کی ان مثالی achievements کو ملیا میٹ کر دینا چاہتے ہیں۔

**آیت ۶۲** ﴿فَاجْمَعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اِنتُزُوا صَفًّا﴾ ”چنانچہ تم مجتمع کرو اپنی ساری تدبیریں (اور اپنے وسائل و ذرائع) پھر آؤ (مقابلہ میں) صف باندھ کر۔“

تم لوگ اپنے تمام دستیاب مادی و فنی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے موسیٰ کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی﴾ ”اور آج کامیاب وہی رہے گا جو غالب آئے گا۔“  
**آیت ۶۵** ﴿قَالُوا يُمُوْسٰی اِنَّمَا اَنْ تُلْقٰی وَ اِنَّمَا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی﴾ ”جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تم پہلے ڈالو اور یا پھر ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنتے ہیں۔“

**آیت ۶۶** ﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوا﴾ ”موسیٰ نے کہا: بلکہ تم ہی ڈالو!“  
تو یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہل کرنے کی دعوت دے دی۔

﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيَّهُمْ يَخِيْلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنّٰهَا تَسْعٰی﴾ ”تو دفعتاً ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے اثر سے اس کو ایسے نظر آنے لگیں گویا وہ دوڑ رہی ہیں۔“

حِبال جمع ہے حبل (رسی) کی اور عِصٰی جمع ہے عَصا (لاٹھی) کی۔ یعنی جادوگروں نے میدان میں رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں جو ان کے جادو کے اثر سے دیکھنے والوں کو سانپوں کی طرح بھاگتی دوڑتی نظر آنے لگیں۔

**آیت ۶۷** ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيفَةً مُّوْسٰی﴾ ”تو موسیٰ نے اپنے جی میں کچھ ڈر محسوس کیا۔“  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف لاحق ہوا کہ جو معجزہ میرے پاس ہے اسی نوعیت کی چیز تو جادوگروں نے بھی دکھا دی ہے۔ چنانچہ اب یہ سارے تماشائی تالیاں پیش گے کہ موسیٰ کو شکست ہوگئی اور وہ جو عظیم الشان مشن اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے اس کا کیا بنے گا؟

**آیت ۶۸** ﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی﴾ ”ہم نے فرمایا کہ ڈرو نہیں، یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔“

**آیت ۶۹** ﴿وَاَلْقٰی مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدٌ سٰحِرٌ﴾ ”اب تم ذرا پھینکو اس (عصا) کو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے یہ نکل جائے گا اس سب کو جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے یہ تو بس ایک فریب ہے جادو گر کا۔“

یعنی یہ جو کچھ میدان میں سانپوں کی صورت میں نظر آ رہا ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں، محض نظر کا دھوکا ہے۔ عرف عام میں اس کیفیت کو ”نظر بندی“ کہا جاتا ہے۔

﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾ ﴿۹۹﴾ ”اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتا چاہے کہیں سے بھی آئے۔“

آیت ۷۰ ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا﴾ ”پس گرا دیے گئے جادوگر سجدے میں“

اس نکتے کی وضاحت سورۃ الاعراف کے مطالعہ کے دوران کی جا چکی ہے کہ آخر کیا وجہ تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے بعد جادوگر تو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے، لیکن دوسری طرف نہ فرعون پر اس کا کچھ اثر ہوا اور نہ ہی اس کے درباریوں سمیت دوسرے لوگوں پر۔ دراصل فرعون اور اس کے درباریوں نے تو یہی سمجھا کہ یہ جادوگروں کا آپس میں مقابلہ تھا جس میں بڑے جادوگر نے چھوٹے جادوگروں کو مات دے دی۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر جو اپنے فن کے ماہر تھے وہ اپنے کمال فن کی انتہا سے بھی آگاہ تھے اور اس کی حدود (limits) سے بھی خوب واقف تھے۔ جیسے آج ایک طبیعیات دان (Physicist) خوب جانتا ہے کہ فزکس کے میدان میں اب تک کیا کیا ایجادات ہو چکی ہیں اور اس کے کمالات کی رسائی کہاں تک ہے۔ چنانچہ جادوگروں پر یہ حقیقت منکشف ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ نہ تو ان کے مد مقابل شخصیت کوئی جادوگر ہے اور نہ ہی یہ اڑدھا کسی جادوئی کرشمے کا کمال ہے! چنانچہ وہ بغیر حیل و حجت سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے اور:

﴿قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى﴾ ﴿۱۰۰﴾ ”وہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے

رب پر۔“

آیت ۱۰۱ ﴿قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ﴾ ”فرعون نے کہا: (تو کیا) تم اس پر ایمان لے آئے ہو

اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا!“

فرعون نے مخصوص شہنشاہانہ انداز میں جادوگروں کو ڈانٹ پلائی کہ تمہاری یہ جرأت! تم لوگوں نے مابدولت کی اجازت کے بغیر موسیٰ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان بھی کر دیا! حالانکہ میری اجازت کے بغیر تو اس کے بارے میں تمہیں زبان بھی نہیں کھولنا چاہیے تھی۔

﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ ”یقیناً یہی تمہارا گروہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔“

اب فرعون کو ایک اور چال سوچھی۔ جس طرح عزیز مصر کی بیوی نے اپنے خاوند کو سامنے دروازے پر دیکھ کر یکدم پینتر ابدلا تھا اور موقف اختیار کیا تھا کہ یوسف اس کی آبرو کے درپے ہوا تھا اسی طرح فرعون نے جادوگروں کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگوں نے جو مقابلہ کیا ہے یہ محض دکھاوا تھا۔ موسیٰ دراصل تمہارا استاد ہے تم لوگوں نے اسی سے جادو سیکھ رکھا ہے۔ اندر سے تم لوگ آپس میں ملے ہوئے ہو۔ تمہاری یہ شکست تم لوگوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے اور اس طرح تم لوگوں نے مل کر ہمارے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی ہے۔ چنانچہ اس نے گرجتے ہوئے جادوگروں کو دھمکی دی:

﴿فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا وَصْلَبَنَكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ ”تو میں

تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی (دے کر لٹکا)

دوں گا۔“



﴿وَلَتَعْلَمَنَّ آيُنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى﴾ ﴿۴۱﴾ ”اور یقیناً تمہیں (جلد) معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے اور کون زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“

تم لوگوں کو میرے اور موسیٰ کے اختیار و مرتبے کا فرق بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دے سکتا ہے اور کس کو بقاء و دوام حاصل ہے۔

**آیت ۴۲** ﴿قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا﴾ ”انہوں نے کہا: اب ہم تمہیں ہر گز ترجیح نہیں دے سکتے ان واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آچکے ہیں اور اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے“

اب ہمارے رب کی طرف سے ہم پر حق واضح کر دیا گیا ہے، حقیقت ہم پر منکشف ہو چکی ہے، ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں اب ہمارے لیے تیری مرضی و منشا کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔

﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ﴾ ”چنانچہ تو کر لے جو کچھ تجھے کرنا ہے۔“

اب تو ہمیں جو سزا دینا چاہے دے لے خواہ ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، مگر ہم جس حق پر ایمان لائے ہیں اب اس سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

﴿إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ ﴿۴۳﴾ ”تو تو صرف فیصلہ کر سکتا ہے اسی دنیا کی زندگی کا۔“

تو ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ کربھی کیا سکتا ہے؟ صرف ہماری اس دُنیوی زندگی ہی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہے نا! جو آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ویسے بھی ختم ہونے والی ہے۔ اگر تو اسے کل کے بجائے آج ختم کر دے گا تو اس میں ہمارے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں:

**آیت ۴۳** ﴿إِنَّا أَمْنَا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِئَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ ”ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں، تاکہ وہ بخش دے ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔“

تیرے مجبور کرنے پر ہم نے اپنے جادو کے بل پر اللہ کے پیغمبر ﷺ کا مقابلہ کرنے کی جو جسارت کی ہے ہم اپنے رب سے اس جرم کی معافی مانگتے ہیں۔ ان جادوگروں سے تو یہی کہا گیا ہو گا کہ تمہیں ایک بہت بڑے جادوگر کا مقابلہ کرنا ہے، لیکن جب یہ لوگ حضرت موسیٰ ﷺ کے مقابلے میں آئے تو آپ کی بارعب شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مقابلہ کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو گئے۔ قبل ازیں آیت ۶۲ میں ان کی اس کیفیت کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ اب جادوگروں کے اس اقراری بیان سے مزید واضح ہو گیا کہ وہ حضرت موسیٰ ﷺ کو دیکھ لینے اور آپ کی تقریر سن لینے کے بعد آپ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن بالآخر فرعون کے مجبور کرنے پر وہ اس پر آمادہ ہو گئے تھے۔

﴿وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾ ﴿۴۴﴾ ”اور اللہ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔“

حق کو قبول کر لینے اور اللہ پر ایمان لا چکنے کے بعد اب ہم پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ بقاء و دوام صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور اسی کا راستہ سب سے بہتر راستہ ہے۔

**آیت ۷۴** ﴿إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾ ﴿٧٤﴾ ”یقیناً جو کوئی آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم کی حیثیت سے تو اس کے لیے جہنم ہی ہے نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ ہی جیے گا۔“

**آیت ۷۵** ﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾ ﴿٧٥﴾ ”اور جو کوئی آئے گا اس کے پاس مؤمن کی حیثیت سے (اور اس حالت میں کہ) اس نے نیک اعمال بھی کیے ہوں، تو یہ لوگ ہیں جن کے لیے اعلیٰ درجات ہوں گے۔“  
یعنی ایسے لوگ جن کے پاس ایمان حقیقی کے ساتھ ساتھ نیک اعمال کی پونجی بھی ہوگی ان کے لیے بلند درجے ہوں گے۔

**آیت ۷۶** ﴿جَنَّتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔“  
﴿وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾ ﴿٧٦﴾ ”اور یہی بدلہ ہے اُس کا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔“

## آیات ۷۷ تا ۸۹

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمُ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۚ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۚ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۚ لَبِئْسَ إِسْرَءِيلَ قَدْ أَتَجَيْنَكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ ۚ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَنْ يَحِلِّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۖ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۖ وَمَا أَجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَٰمُوسَىٰ ۖ قَالَ هُمْ أَوْلَاءُ عَلَيَّ أَتَرَىٰ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۖ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۖ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَقَوْمِ الْكُمْ يَعِدُكُمْ رَبُّكُمْ وَعُدًّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۖ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حُبَلْنَا أَوزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۖ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَهُكُمُ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۖ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَدِجُ الْيَوْمِ قَوْلًا ۚ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ

**آیت ۷۷** ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو وحی کر دی تھی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ“

ان کے مصر سے نکلنے کے لیے ایک رات کا مخصوص وقت طے کر دیا گیا تھا کہ اس رات جب قبلی لوگ اپنے اپنے گھروں میں نیند کے مزے لے رہے ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام اسرائیلیوں کو لے کر چپکے سے صحرائے سینا کی طرف نکل کھڑے ہوں۔

﴿فَاضْرِبْ لَهُم مَّحْطًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا﴾ ”پس ان کے لیے سمندر کے اندر ایک خشک راستہ بنا لو“  
 ﴿لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَى﴾ ”(اس کیفیت میں کہ) نہ پکڑے جانے کا خوف ہو اور نہ (ڈوبنے کا) کوئی اندیشہ۔“

**آیت ۷۸** ﴿فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ اللَّيْلِ مَا عَشِيَهُمْ﴾ ”تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں کے ساتھ تو ڈھانپ لیا انہیں سمندر میں سے جس چیز نے بھی ڈھانپ لیا۔“  
 اس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر موجود ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سمندر پر عصا مارا۔ اس سے سمندر پھٹ گیا، دونوں طرف کا پانی بڑی بڑی چٹانوں کی طرح [كَالطُّودِ الْعَظِيمِ ۝۳ (الشعراء)] کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خشک راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس راستے سے اپنی قوم کو لے کر نکل گئے۔ لیکن جب فرعون اپنے لشکروں سمیت اس میں داخل ہوا تو دونوں طرف کا پانی مل گیا اور اس طرح سے وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

**آیت ۷۹** ﴿وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ﴾ ”اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ دی۔“  
**آیت ۸۰** ﴿يَبْنِيٰٓ اِسْرَآءِٓلَ قَدْ اَنْجَيْنَاكَ مِنْ عَدُوِّكَ ۖ وَوَعَدْنٰكَ جَانِبَ الطُّورِ الْاَيْمَنِ﴾ ”اے بنی اسرائیل! ہم نے تم لوگوں کو نجات دی تمہارے دشمن سے، پھر ہم نے تم لوگوں کو بلایا کوہ طور کی داہنی جانب“

یہ اسی مقام کا ذکر ہے جہاں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔  
 ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلٰوٰی﴾ ”اور (صحرا میں تمہاری غذا کے لیے) تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔“

**آیت ۸۱** ﴿كُلُوا مِّنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ ”کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اس میں زیادتی نہ کرنا“

لیکن منع کرنے کے باوجود بنی اسرائیل نے اس معاملے میں زیادتی کی۔ زیادتی کی ایک صورت تو یہ تھی کہ وہ اسے سینت سینت کر رکھتے تھے اس خدشے سے کہ شاید کل یہ نازل نہ ہو اور یوں تو کل علی اللہ کی نفی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس میں اس طرح بھی زیادتی کی کہ کچھ ہی عرصہ بعد اس کی ناقدری کرتے ہوئے



اس کے مقابلے میں دوسری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔

﴿فَيَحِلُّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوَىٰ ۖ﴾ ”تو (ایسی صورت میں)

تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے تو وہ (گویا) پٹخ دیا گیا۔“

**آیت ۸۲** ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۖ﴾ ”اور میں تو یقیناً بہت ہی

معاف فرمانے والا ہوں ہر اُس شخص کے لیے جس نے توبہ کی، ایمان لایا، نیک اعمال کیے اور پھر سیدھی راہ پر چلتا رہا۔“

**آیت ۸۳** ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْلِكَ يٰمُوسَىٰ ۖ﴾ ”اور اے موسیٰ! یہ تمہیں کس چیز نے جلدی پر

آمادہ کیا اپنی قوم کو چھوڑ کر؟“

اس سے پہلے سورہ مریم کی آیت ۶۴ اور آیت ۸۲ میں عجلت سے منع کیا جا چکا ہے۔ آیت ۶۴ میں حضور ﷺ

کو بالواسطہ انداز میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ وحی کے جلد آنے کے بارے میں خواہش نہ کیا کریں، کیونکہ یہ تو اللہ

کی مشیت کے مطابق ہی نازل ہوگی۔ چنانچہ فرشتے کی زبان سے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہلوا یا گیا: ﴿وَمَا

نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ﴾ کہ ہم تو آپ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ جبکہ آیت ۸۲ میں آپ کو

مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ ”تو آپ ان پر (عذاب کے بارے میں) جلدی نہ کریں۔“

اب آیت زیر نظر میں جلدی کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جواب طلبی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو

تورات دینے کے لیے ایک معین وقت پر کوہ طور پر بلایا تو آپ فرط اشتیاق سے قبل از وقت وہاں پہنچ گئے۔ اس پر

آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر وقت سے پہلے یہاں کیوں آ گئے ہیں؟

**آیت ۸۴** ﴿قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي ۖ﴾ ”موسیٰ نے عرض کیا کہ بس وہ میرے پیچھے پیچھے ہی

(آ رہے) ہیں۔“

آپ کی قوم کا قافلہ تو معمول کی رفتار سے آرہا ہوگا اور آپ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مکالمے کے شوق میں

تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے وقت مقررہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی:

﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۖ﴾ ”اور اے میرے پروردگار! میں نے تو تیری طرف (آنے

میں اس لیے) جلدی کی تاکہ تُو راضی ہو جائے۔“

گویا اللہ تعالیٰ کے حضور آپ فرط جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ اقبال کے مصرع میں ذرا تصرف کے

ساتھ ”تُو میرا شوق دیکھ مرا اشتیاق دیکھ!“ والی کیفیت تھی۔ آپ کا خیال تھا اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور

شباباش ملے گی، مگر یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے، الٹی explanation ہو گئی۔

**آیت ۸۵** ﴿قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ ۖ﴾ ”اللہ نے فرمایا: تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو

فتنے میں ڈال دیا ہے۔“

اگرچہ یہاں صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی اس عجلت پسندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔

﴿وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝۸۵﴾ ”اور انہیں گمراہ کر دیا ہے سامری نے۔“

اس اندازِ مخاطب میں یہ تفصیل بھی مضمر ہے کہ اگر آپؐ اپنی قوم کے ساتھ ساتھ رہتے، ان کا تزکیہ کرتے رہتے، وہ لوگ آپؐ کی تعلیم و تربیت سے مسلسل بہرہ مند ہوتے رہتے تو یقیناً ان کی عقل و فہم مزید پختہ ہوتی اور اس طرح اس فتنے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جب آپؐ انہیں چھوڑ کر آگئے تو اس کے نتیجے میں ایک فتنہ گر شخص کو اپنا شیطانی کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

سامری کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا تعلق قبیلۂ قوم سے تھا اور کسی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مل چکا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں معتبر رائے یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہی تھا مگر منافق تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسے خاص کد تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ابو عامر راہب کو حضور ﷺ سے کد تھی۔ ابو عامر راہب کا ذکر سورۃ التوبہ کے مطالعے کے دوران آیا تھا۔ بنیادی طور پر وہ خزرجی تھا۔ ابتدائی عمر میں بہت نیک اور عبادت گزار تھا، بعد میں اس نے عیسائیت قبول کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ حضور ﷺ سے اسے خصوصی طور پر بغض تھا اور اس کا یہ بغض اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی ساری زندگی آپؐ کے خلاف جدوجہد اور سازشوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ جیسا کردار ابو عامر راہب کا اُمت محمد ﷺ میں رہا، اس سے ملتا جلتا کردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سامری کا تھا۔

**آیت ۸۶** ﴿فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا﴾ ”تو لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بہت غضبناک اور سخت رنجیدہ حالت میں۔“

﴿قَالَ يَقَوْمُ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا﴾ ”انہوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟“

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تم لوگوں کو اپنی کتاب کی صورت میں جامع ہدایت عطا فرمائے گا۔ میں تو اللہ کے اس وعدے کے مطابق طور پر گیا تھا کہ تمہارے لیے اس کی کتاب اور ہدایت لے کر آؤں:

﴿اَفْطَالَ عَلَیْكُمْ الْعَهْدُ﴾ ”تو کیا یہ مدت تم پر بہت طویل ہو گئی تھی؟“

﴿اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِی ۝۸۶﴾ ”یا تم لوگوں نے یہ

چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، تو تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کر ڈالی۔“

گویا تمہاری یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿قَالُوا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپؐ کے وعدے کی

خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی“

﴿وَلٰكِنَّا حَمَلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَهَا فَاَكْذَلِكَ اَلْقٰی السَّامِرِيُّ ۝۸۷﴾ ”بلکہ ہم پر

بوجھ تھا اس قوم کے زیورات کا، تو ہم نے وہ پھینک دیئے اور اسی طرح سامری نے بھی کچھ پھینکا۔“  
**آیت ۸۸** ﴿فَاُخْرِجْ لَهُمْ عِجْلًا جَاسِدًا لَّهُ خُورًا﴾ ”پھر اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا برآمد کر دیا“  
 ایک دھڑ جس سے ڈکرانے کی آواز آتی تھی۔“

اس سلسلے میں جو مختلف روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر میں اگرچہ اسرائیلی قوم کی حیثیت غلامانہ تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق کی وجہ سے ان کی دیانت داری مسلم تھی۔ چنانچہ قبطی قوم کے لوگ اپنے زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں اکثر ان کے پاس امانت رکھوایا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مصر سے نکلے تو قبطی قوم کے بہت سے زیورات بھی وہ اپنے ساتھ لے آئے جو ان میں سے اکثر لوگوں کے پاس بطور امانت پڑے تھے۔ البتہ اس کا ان کے ذہن پر ایک بوجھ تھا کہ یہ ہمارے لیے جائز بھی ہیں یا نہیں؟ اس حوالے سے سامری نے بھی انہیں قائل کر لیا کہ اس بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو یہ زیورات پھینک دینے چاہئیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے وہ زیورات پھینک دیئے تو سامری نے انہیں پگھلا کر گائے کے بچھڑے کی شکل کا ایک مجسمہ بنا ڈالا اور اس میں خاص مہارت سے کچھ ایسے سوراخ رکھے کہ جب ان میں سے ہوا کا گزر ہوتا تو بیل کے ڈکرانے کی سی آواز پیدا ہوتی۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے جو سامری نے خود بیان کی اور اس کا ذکر آئندہ آیات میں آئے گا۔

﴿فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ﴾ ”تو انہوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود مگر وہ (موسیٰ) بھول گیا ہے۔“

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مغالطہ ہوا ہے جو وہ اپنے رب سے ملاقات کے لیے کوہ طور پر چلے گئے ہیں حالانکہ ہمارا اور ان کا رب تو یہاں موجود ہے۔

**آیت ۸۹** ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ ”تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ وہ (بچھڑا) ان کی طرف کوئی بات لوٹاتا نہیں تھا“

کیا انہیں نظر نہیں آتا تھا کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس میں سے تو ایک بے معنی بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی اور بس!

﴿وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرْعًا وَلَا نَفْعًا﴾ ”اور نہ ہی اسے ان کے لیے کسی نقصان کا اختیار تھا اور نہ نفع کا۔“

## آیات ۹۰ تا ۹۸

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ اللَّهِ إِنِّي نَاصِرٌ بِكُمْ وَاللَّهُ نَاصِرٌ لِلْغَالِبِينَ ۚ وَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ مَا مَنَعَكُمْ إِذْ رَأَيْتُمْ ضَرُّوًا ۖ أَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَافِيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۖ قَالَ يَهُودُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوًا ۖ أَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۚ قَالَ يَبْنَؤُمْ لَا



تَأْخُذُ بِحَيَاتِي وَلَا يَأْسِيْ ۚ إِنِّيْ خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۚ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَٰمِرِيْ ۚ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۚ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۚ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۚ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ

**آیت ۹۰** ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ہارون انہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا“

حضرت ہارون علیہ السلام ان لوگوں کو پہلے ہی ان الفاظ میں سمجھانے کی پوری کوشش کر چکے تھے:

﴿يَقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ۚ﴾ ”اے میری قوم کے لوگو! تمہیں تو اس (بچھڑے) کے ذریعے سے فتنے

میں ڈالا گیا ہے۔“

﴿وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۙ﴾ ”اور یقیناً تمہارا رب (یہ بچھڑا نہیں

بلکہ) رحمن ہے چنانچہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔“

**آیت ۹۱** ﴿قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسٰى ۙ﴾ ”انہوں نے کہا: ہم تو اسی پر

اعتکاف کرتے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ خود ہمارے پاس واپس آ جائیں۔“

یہ جواب پوری بنی اسرائیل قوم کی طرف سے نہیں تھا بلکہ صرف ان لوگوں کی طرف سے تھا جو ان میں سے

بچھڑا پرستی کے مشرکانہ عقیدے میں مبتلا ہوئے تھے اور پھر اس پراڑ گئے تھے۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو

جواب دیا کہ ہم تو اب اسی کی پرستش کرتے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ خود آ کر اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ یہ

لوگ اس سے پہلے بھی ایک بت پرست قوم کی دیکھا دیکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر چکے تھے (الاعراف: ۱۳۸)

کہ ان لوگوں کے بتوں جیسا ہمیں بھی کوئی معبود بنا دیں جس کے سامنے بیٹھ کر ہم پوجا پاٹ کر سکیں۔

**آیت ۹۲** ﴿قَالَ يٰٓهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۙ﴾ ”موسیٰ نے کہا: اے ہارون! آپ کو کس چیز

نے روکا تھا جب آپ نے انہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔“

**آیت ۹۳** ﴿اَلَا تَتَّبِعَنِ ۙ﴾ ”کہ آپ نے میری پیروی نہ کی؟“

اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے ”جو آپ میرے پیچھے نہ آ گئے۔“ یعنی آپ میرے پیچھے کوہ طور پر کیوں

نہ آ گئے اور آ کر کیوں نہ مجھے بتایا کہ وہ لوگ یوں گمراہ ہو گئے ہیں۔

﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۙ﴾ ”یا پھر آپ نے نافرمانی کی میرے حکم کی؟“

اگرچہ عمر میں حضرت ہارون علیہ السلام بڑے تھے مگر منصب نبوت کے اعتبار سے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رتبہ ان سے

بڑا تھا اس لیے آپ نے اس انداز میں حضرت ہارونؑ سے جواب طلبی کی۔

**آیت ۹۴** ﴿قَالَ يَنْتَظِرُونَ لَكَ فَأَنْزَلْنَاهُ فَيَا هَارُونَ﴾ ”ہارونؑ نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے!

آپؑ (اس طرح) میری ڈاڑھی اور میرے سر (کے بالوں) کو مت کھینچیں!“

﴿رَأَيْتُ خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِ يَلُ﴾ ”مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ آپؑ یہ نہ کہیں کہ تم

نے بنی اسرائیل میں تفریق پیدا کر دی“

کہ تم نے ان کو تقسیم کر کے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

﴿وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي﴾ ”اور میری بات یاد نہ رکھی۔“

حضرت ہارونؑ سے باز پرس کرنے کے بعد اب حضرت موسیٰؑ نے سامری سے جواب طلب کیا۔

**آیت ۹۵** ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ﴾ ”موسیٰؑ نے کہا: اے سامری! تمہارا کیا معاملہ ہے؟“

**آیت ۹۶** ﴿قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ﴾ ”اُس نے کہا کہ میں نے (ایک ایسی چیز) دیکھی تھی جو

انہوں نے نہیں دیکھی“

﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا﴾ ”تو میں نے لے لی ایک مٹھی (مٹی کی) رسول

کے نقشِ پا سے‘ تو وہ میں نے (اس میں) پھینک دی“

﴿وَكَذَلِكَ سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي﴾ ”اور اسی طرح میرے نفس نے یہ راستہ مجھے بتایا۔“

رسول سے مراد یہاں حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ کہیں حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے تو

سامری نے انہیں دیکھ لیا۔ سامری چونکہ راہب تھا‘ وہ روحانی اور نفسیاتی نوعیت کے مجاہدے بھی کرتا رہتا تھا۔ اس

لیے حضرت جبرائیلؑ کسی اور کو تو نظر نہ آئے مگر اسے نظر آ گئے۔ زمین پر جہاں آپؑ کا قدم پڑ رہا تھا وہاں سے اس

نے کچھ مٹی اٹھالی۔ یہی مٹی اس نے اس بھٹی میں ڈال دی جس میں وہ بچھڑا تیار کرنے کے لیے زیورات کو پگھلا

رہا تھا۔ یوں حضرت روح الامیںؑ کے قدموں کی مٹی کی تاثیر سے اس بچھڑے سے وہ آواز آنے لگی۔ یہ گویا اس

معاملے کے بارے میں سامری کی وضاحت ہے۔

**آیت ۹۷** ﴿قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ﴾ ”موسیٰؑ نے کہا: دفع ہو جاؤ!

اب تمہارے لیے زندگی میں یہی (سزا) ہے کہ تم کہتے رہو گے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔“

سامری بطور سزا جس بیماری میں مبتلا کیا گیا تھا اس کی تفصیل تو نہیں ملتی مگر ان الفاظ سے یوں معلوم ہوتا

ہے کہ عملاً وہ اچھوت بن کر رہ گیا تھا۔ نہ وہ کسی کے قریب جاسکتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص اس کے پاس آسکتا

تھا۔ بعض روایات میں اس طرح کی تفصیلات ملتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کے قریب جاتا تو دونوں سخت بخار میں

مبتلا ہو جاتے تھے اور یوں باقی تمام زندگی اسے معاشرتی مقاطعہ کی سزا بھگتنا پڑی۔

﴿وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ﴾ ”اور تمہارے لیے ایک وعدہ ہے جس کی ہرگز خلاف ورزی

نہیں کی جائے گی۔“

﴿وَانْظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ”اور دیکھو اپنے اس معبود کو جس کا تم اعتکاف

کرتے رہے ہو (ہم اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں!)“

﴿لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ”ہم اسے جلا (کر رکھ کر) دیں گے پھر اس (کی

راکھ) کو سمندر میں بکھیر دیں گے۔“

**آیت ۹۸** ﴿إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”حقیقت میں تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جس

کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں۔“

﴿وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ ”اُسے ہر چیز کا علم حاصل ہے۔“

اسرائیلی قوم کے بگڑے ہوئے عقائد اور ان کی عمومی ذہنیت کی جو تفصیلات ہمیں قرآن سے ملتی ہیں اگر ان

کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہندو برہمن کی سوچ، ذہنیت اور عقائد کی اس سے بہت قریبی مشابہت نظر آتی ہے۔ اس

سلسلے میں میری ذاتی رائے ہے کہ آج سے ساڑھے تین ہزار سال قبل (چودہ سو سال قبل مسیح) کے لگ بھگ جب آریا

نسل کے لوگ ہندوستان کی طرف محو سفر تھے تو ان کے ساتھ کسی مقام پر کچھ اسرائیلی قبائل بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ

تقریباً وہی زمانہ تھا جب مصر سے بنی اسرائیل کا خروج (Exodus) ہوا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں ان کے کچھ

ایسے قبائل کا ذکر ملتا ہے جنہیں وہ اپنے گم شدہ قبائل (The lost tribes of the house of Israel)

کہتے ہیں۔ یہ وہ قبائل ہیں جو صحرا میں گم ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلے

گئے۔ میرے خیال کے مطابق بنی اسرائیل کے وہ گم شدہ قبائل کسی نہ کسی طرح آریاؤں (آریا لوگ حضرت

نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت حام کی نسل سے تھے) کے ان گروہوں سے آملے تھے جو اس زمانے میں ہندوستان کی

طرف کوچ کر رہے تھے اور اس طرح آریاؤں کے ساتھ وہ لوگ بھی ہندوستان میں آ بسے تھے۔ اس سلسلے میں

میرا گمان یہ ہے کہ ہندو برہمن انہی اسرائیلیوں کی نسل سے ہیں۔

میرے اس گمان کی بنیاد ہندوؤں اور اسرائیلیوں کے رسم و رواج اور عقائد میں پائی جانے والی گہری

مشابہت ہے۔ مثلاً جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں بہایا تھا

بالکل اسی طرح ہندو اپنے مردوں کو جلا کر ان کی راکھ کو گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں۔ اسرائیلیوں نے بچھڑے کو اپنا

معبود بنایا تھا، ہندو بھی مذہبی طور پر گائے کو مقدس مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندو روایتی طور پر اپنے لیے وہی شوخ

زرد یا گیرا رنگ پسند کرتے ہیں جو قرآن میں بنی اسرائیل کے لیے مخصوص گائے کا رنگ بتایا گیا ہے

(البقرہ: ۶۹)۔ پھر سامری کے اچھوت ہو جانے کے تصور کو بھی ہندوؤں نے بعینہ اپنایا اور اس کے تحت اپنے

معاشرے کے ایک طبقے کو اچھوت قرار دے ڈالا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کے اٹھائے جانے

سے متعلق قرآنی بیان (الاعراف: ۱۷۱) سے مماثل ہندوؤں میں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہنومان جی پہاڑ کو اٹھا

لائے تھے۔ الغرض اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے باہم مشترک عقائد اور رسم و رواج میرے اس خیال کو تقویت



دیتے ہیں کہ ہندوستان کے برہمن اسرائیلیوں ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں میرا خیال یہ بھی ہے کہ اپنشدز کی تحریروں میں صحفِ ابراہیم کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ میں نے ایک زمانے میں ان کا مطالعہ کیا تھا تو معلوم ہوا کہ ان کی تحریروں میں توحید کا عنصر بہت زیادہ نمایاں ہے۔ قرآن حکیم میں صحفِ ابراہیم اور صحفِ موسیٰ کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے (الاعلیٰ: ۱۹)۔ ”صحفِ موسیٰ“ تو عہدِ نامہ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابوں کی صورت میں آج بھی موجود ہیں اگرچہ تحریف شدہ ہیں، لیکن صحفِ ابراہیم کا بظاہر کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ دوسری طرف اپنشدز کی تحریروں میں توحید کی تعلیمات کا پایا جانا ان میں الہامی اثرات کی موجودگی کا واضح ثبوت ہے۔ اسی بنا پر میں اس نظریے کا قائل ہوں کہ اپنشدز یا تو صحفِ ابراہیم ہی کی تحریف شدہ شکلیں ہیں یا کم از کم صحفِ ابراہیم کی تعلیمات کے اثرات کسی نہ کسی طرح ان تک ضرور پہنچے ہیں۔

## آیات ۹۹ تا ۱۰۴

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۚ مَنْ  
اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۚ خٰلِدٍ فِيْهِ ۚ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
حِمْلًا ۚ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚ يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُمْ  
اِلَّا عَشْرًا ۚ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۚ

آیت ۹۹ ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ﴾ ”(تو اے نبی ﷺ!) اس طرح ہم سنا رہے ہیں آپ کو حالات اُس (زمانے) کے جو گزر چکا ہے۔“

اس طرح بذریعہ وحی پچھلی اقوام کے تفصیلی حالات حضور ﷺ کو فراہم کیے جا رہے ہیں۔

﴿وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا﴾ ”اور ہم نے آپ کو خاص اپنے پاس سے ذکر عطا کیا ہے۔“  
ہم نے اپنے فضل خاص سے آپ ﷺ کو یہ قرآن عطا کیا ہے۔ اس میں پچھلے زمانے کی خبریں بھی ہیں اور یاد دہانی اور تذکیر و نصیحت بھی۔

آیت ۱۰۰ ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا﴾ ”جس کسی نے اس (قرآن) سے اعراض کیا تو وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اٹھائے گا۔“

آیت ۱۰۱ ﴿خٰلِدٍ فِيْهِ ۚ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا﴾ ”یہ لوگ اس (کیفیت) میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے بہت برا ہوگا قیامت کے دن کا وہ بوجھ۔“

آیت ۱۰۲ ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ ”جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن اکٹھا کریں گے (اس حالت میں) کہ ان کی آنکھیں نیلی پڑی ہوں گی۔“

انتہائی خوف کی کیفیت میں انسان کی آنکھوں میں نیلا ہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دن خوف اور دہشت سے مجرموں کی آنکھیں نیلی پڑ چکی ہوں گی۔

**آیت ۱۰۳** ﴿يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝﴾ ”چپکے چپکے وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں گے کہ تم نہیں رہے ہو (دنیا میں) مگر صرف دس دن۔“

**آیت ۱۰۴** ﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان میں سے بہترین سمجھ بوجھ والا شخص کہے گا کہ تم نہیں رہے ہو مگر (زیادہ سے زیادہ) ایک دن۔“

امثل کے معنی مثالی کے ہیں، یعنی ان میں سے بہترین طریقے والا انتہائی شائستہ مہذب (cultured) اور سب سے زیادہ پڑھا لکھا شخص۔ یہ گویا ان کا لال بچھکڑ ہوگا جو دنیا میں بزم خود مثالی شخصیت کا مالک اور دانشور تھا۔ یہی ترکیب قبل ازیں آیت ۶۳ میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہاں فرعون کا وہ بیان نقل ہوا تھا جس میں اس نے اپنے ملک کے آئین و تمدن کو ”طَرِيقَتِكُمُ الْمُثَلٰی“ قرار دیا تھا۔

یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل پانچ رکوع اختتام پذیر ہوئے۔ اس سے آگے سورۃ کے اختتام تک وہی مضامین ہیں جو عام طور پر مکی سورتوں میں ملتے ہیں۔

## آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۖ يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ ۖ عَلَمًا ۖ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۖ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۖ فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْبَلَكُ الْحَقُّ ۖ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۖ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۖ

**آیت ۱۰۵** ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں“

واقعات قیامت کے سلسلے میں جب آپ ﷺ ان کو بتاتے ہیں کہ روزِ محشر روئے زمین ایک صاف اور

ہموار میدان کا نقشہ پیش کرے گی تو یہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کا کیا بنے گا؟ وہ کہاں چلے جائیں گے؟

﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دے گا۔“

آیت ۱۰۶ ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝﴾ ”اور چھوڑ دے گا اس (زمین) کو صاف چٹیل میدان بنا کر۔“

آیت ۱۰۷ ﴿لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝﴾ ”آپ نہ تو اس میں کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلا۔“

تب زمین ایک ہموار چٹیل میدان کی صورت اختیار کر جائے گی اور دیکھنے والا اس میں کوئی نشیب و فراز محسوس نہیں کرے گا۔

آیت ۱۰۸ ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۝﴾ ”جس دن پیچھے چل پڑیں گے سب لوگ ایک

پکارنے والے کے ممکن نہیں کہ اس سے ذرا کج ہو سکیں۔“

تمام انسانوں کو اس دن جب اکٹھے ہونے کے لیے پکارا جائے گا تو ہر کوئی اس پکار پر لبیک کہے گا۔ کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ اس حکم کو نظر انداز کر کے ادھر ادھر ہو سکے۔

﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝﴾ ”اور تمام آوازیں رحمٰن کے

سامنے پست ہو جائیں گی چنانچہ تم نہیں سن سکو گے مگر ایک بھنبھناہٹ سی۔“

آیت ۱۰۹ ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝﴾ ”اس دن کوئی

شفاعت ہرگز مفید نہیں ہوگی مگر جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے لیے اس نے بات پسند کی ہو۔“

آیت ۱۱۰ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ ۝﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان

کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم کا۔“

یہی بات سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) میں الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس

طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۝﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے

اس کے علم کا کچھ بھی مگر یہ کہ جو وہ خود چاہے۔“

اس کے علم کا کچھ بھی مگر یہ کہ جو وہ خود چاہے۔“

آیت ۱۱۱ ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۝﴾ ”اور سب کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے اُس ہستی کے

حضور جوالحی القیوم ہے۔“

قرآن مجید کا یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام الحی اور القیوم ایک ساتھ آئے ہیں۔ اس سے

پہلے سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) اور سورۃ آل عمران، آیت ۲ میں یہ دونوں نام اکٹھے آچکے ہیں۔

الحی القیوم کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ”اسم اللہ الاعظم“ یعنی اللہ کا عظیم ترین نام (اسم



اعظم) ہے جس کے حوالے سے جو دعا کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ اور یقیناً خائب و خاسر ہوا وہ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔“

یعنی کسی طرح کے شرک کا مرتکب ہوا۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ ”اور جس کسی

نے نیک اعمال کیے ہوں گے اور وہ مؤمن ہوگا تو اسے نہ کسی بے انصافی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی زیادتی کا۔“

آیت ۱۱۳ ﴿وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے نازل کیا

ہے اس (کلام) کو عربی قرآن بنا کر اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے اس میں تمام وعیدیں“

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ ”شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا (شاید) وہ پیدا

کرے ان (کے دلوں) میں کچھ یاد دہانی۔“

ہو سکتا ہے قرآن کی تاثیر سے ان کے اندر کوئی مثبت سوچ یا ایمان کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ ”تو بہت بلند و بالا ہے اللہ بادشاہ حقیقی۔“

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾ ”اور آپ جلدی نہ کیجیے اس قرآن

کے ساتھ اس سے پہلے کہ آپ پر اس کی وحی مکمل ہو جائے“

”عجلت“ کا مضمون یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہے۔ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو آیت نمبر ۸۳ کی تشریح)۔

آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ قرآن کے معاملے میں جلدی نہ کریں۔ آپ کا شوق بجا مگر وحی سے متعلق

تمام معاملات (وقت، مقدار، مضمون وغیرہ) اللہ کی حکمت اور مشیت کے مطابق طے پائیں تو اسی میں خیر اور

بہتری ہے۔

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ”اور آپ یہ کہتے رہا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں

اضافہ فرما۔“

جیسے جیسے قرآن نازل ہو رہا ہے آپ اس کے اسرار و رموز سے متعلق اپنے فہم و تدبر اور بصیرت باطنی میں

اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے رہیں۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے ایک عہد لیا تھا“

یعنی مخصوص درخت کے پاس نہ جانے کا عہد جس کا ذکر قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔

﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ ”تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی

نہیں پائی۔“

آیت زیر نظر میں ”عزم“ کے دو ترجمے کیے گئے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک ارادے کی پختگی۔ اس لحاظ

سے وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آدمؑ کے اندر ارادے کی پختگی، ہمت اور عزیمت نہیں پائی۔ وہ

اللہ سے کیے گئے اپنے عہد کو نبھانہ سکے اور اس اعتبار سے انہوں نے کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ یہ دراصل انسانی خلقت کے اندر موجود اس کمزوری کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ النساء میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَالْإِنْسَانُ ضَعِيفٌ﴾ کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اس کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اس کے اندر (سرکشی کا) ارادہ نہیں پایا۔ یعنی آدمؑ نے جان بوجھ کر اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ ہم نے ان کی نیت میں سرکشی، بغاوت اور نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھول گئے تھے ان پر نسیان طاری ہو گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں وقتی طور پر اللہ کا وہ عہد یاد نہیں رہا تھا۔ نسیان دراصل انسان کی ایک فطری کمزوری ہے اور اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عظیم دعا سکھائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرہ: ۲۸۶) کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے۔

## آیات ۱۱۶ تا ۱۲۸

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۖ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۖ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۖ فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَىٰ ۖ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۖ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۖ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۖ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۖ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۖ وَكَذَلِكَ نُجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَيسُرُونَ فِي مَسْكَينِهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۖ

ع ۱۴

اب یہاں قصہ آدم و ابلیس پانچویں مرتبہ بیان ہونے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرہ (رکوع: ۴) سورۃ الاعراف (رکوع: ۲) سورۃ بنی اسرائیل (رکوع: ۷) اور سورۃ الحجر (رکوع: ۳) میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

**آیت ۱۱۶** ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۖ﴾ ”اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اُس نے انکار کر دیا۔“

**آیت ۱۱۷** ﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوُّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ ”تو ہم نے کہا: اے آدم! یقیناً یہ دشمن ہے تمہارا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی تو (دیکھو!) یہ تم دونوں کو کہیں جنت سے نکلوانہ دے کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“

**آیت ۱۱۸** ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى﴾ ”یقیناً اس میں نہ تو تمہیں بھوک ستاتی ہے اور نہ عریانی (کا خدشہ) ہے۔“

**آیت ۱۱۹** ﴿وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَى﴾ ”اور یہ کہ نہ تمہیں اس میں پیاس (پریشان کرتی) ہے اور نہ دھوپ (کی کوئی تکلیف)۔“

**آیت ۱۲۰** ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ﴾ ”تو وسوسہ ڈالا اس کے ذہن میں شیطان نے۔“  
 ﴿قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى﴾ ”اس نے کہا: اے آدم! کیا میں بتاؤں تجھے ہمیشہ رہنے والے درخت اور ایسی بادشاہی کے بارے میں جو کبھی پرانی نہ ہو؟“  
 کہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد آپ کو دوام حاصل ہو جائے گا اور زندگی کے لیے کبھی فنا کا خدشہ نہیں ہوگا۔ گویا شیطان نے اپنی پہلی سازش کا جال انسان کی اسی کمزوری کو بنیاد بنا کر بٹا تھا جس کا ذکر سورہ مریم کی آیت ۹۲ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ یہاں اہرام مصر کے حوالے سے درج ذیل الفاظ ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے:

*They defined cry of man's will*

*To survive and conquer the storms of time*

یعنی انسان وقت کے طوفانوں کو فتح کر لینا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کی ہستی کو اس دنیا میں دوام اور تسلسل نصیب ہو۔ چنانچہ شیطان نے انسانِ اوّل کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر فانی زندگی اور ہمیشہ کی بادشاہی مل جانے کا جھانسہ دے کر اسے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا۔

**آیت ۱۲۱** ﴿فَاْكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا﴾ ”تو ان دونوں نے کھا لیا اس میں سے تو ان پر واضح ہو گئیں ان کی شرمگاہیں“

چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا (ؑ) دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس پھل کے چکھتے ہی وہ دونوں بے لباس ہو گئے اور ان کی شرمگاہیں نظر آنے لگیں (اس مضمون کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے)۔  
 ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرْقِ الْجَنَّةِ﴾ ”اور وہ لگے گانٹھنے اپنے اوپر جنت (کے درختوں) کے پتوں کو۔“

﴿وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى﴾ ”اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔“  
**آیت ۱۲۲** ﴿ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى﴾ ”پھر اس کے رب نے اسے پسند کر لیا، اس کی توبہ قبول فرمائی اور اسے ہدایت بخشی۔“



**آیت ۱۲۳** ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ”(اس کے بعد) اللہ نے فرمایا کہ تم سب کے سب اس (جنت) سے اتر جاؤ اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔“

﴿فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى﴾ ”تو جب بھی تمہارے پاس آئے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بہکے گا اور نہ ناکام ہوگا۔“

**آیت ۱۲۴** ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ ”اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو یقیناً اس کے لیے ہوگی (دنیا کی) زندگی بہت تنگی والی“

ایسا شخص دنیوی زندگی میں اطمینان اور راحت سے محروم کر دیا جائے گا۔ پیاس کے مریض کی طرح (کہ وہ جتنا چاہے پانی پی لے اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی) ایسے شخص کی ہوس کبھی ختم نہ ہوگی۔ کروڑوں حاصل کر کے بھی مزید کروڑوں کی خواہش اس کا چین اور اطمینان غارت کیے رکھے گی۔

﴿وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمًى﴾ ”اور ہم اٹھائیں گے اسے قیامت کے دن اندھا (کر کے)۔“

**آیت ۱۲۵** ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمًى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا﴾ ”وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے جبکہ میں (دنیا میں) تو بینائی والا تھا۔“

**آیت ۱۲۶** ﴿قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى﴾ ”اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تم نے انہیں نظر انداز کر دیا، اور اسی طرح آج تمہیں بھی نظر انداز کر دیا جائے گا۔“

**آیت ۱۲۷** ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ﴾ ”اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اُس کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا۔“

﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى﴾ ”اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔“

**آیت ۱۲۸** ﴿أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ﴾ ”تو کیا انہیں اس بات سے کوئی راہنمائی نہیں ملی کہ ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو“

﴿يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ﴾ ”وہ بھی چلتے پھرتے تھے (اسی طرح) اپنی آبادیوں میں۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔“

## آیات ۱۲۹ تا ۱۳۵

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ  
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ

وَاطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۖ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ ۖ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۖ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَكُنَّهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتِّعَ آيَتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ ۖ قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۚ

**آیت ۱۲۹** ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاجِلٌ مِّسْمًى﴾ ”اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت معین مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو یہ (عذاب) چمٹ چکا ہوتا۔“

اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مہلت کی مدت پہلے سے طے نہ فرمادی ہوتی تو ان پر کب کا عذاب آچکا ہوتا۔ ترتیب عبارت اصل میں یوں ہے: ”وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ وَّاجِلٌ مِّسْمًى لَكَانَ لِزَامًا“ لیکن یہاں پر عبارت کے مخصوص آہنگ (rhythm) کے پیش نظر الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ اگلی آیات کی سورۃ الحجر کی آخری پندرہ آیات کے ساتھ گہری مشابہت ہے۔

**آیت ۱۳۰** ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں“ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ ”اور تسبیح بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے“ یہ نماز فجر اور نماز مغرب کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَمِنْ آتَائِ الْيَلِّ فَسَبِّحْ﴾ ”اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کیجیے“ اس سے نماز مغرب اور عشاء مراد ہیں۔

﴿وَاطْرَافَ النَّهَارِ﴾ ”اور دن کے اطراف میں بھی“

دن کے دونوں اطراف سے دن کے آغاز اور سورج ڈھلنے کے بعد کے اوقات مراد ہیں۔ دن کے آغاز میں صلوٰۃ الضحیٰ یا نماز چاشت کا وقت ہے جبکہ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر کا۔ یعنی نصف النہار کے بعد جتنے وقفے پر نماز ظہر کا وقت ہے تقریباً اتنے ہی وقفے پر نصف النہار سے پہلے نماز چاشت کا وقت ہے۔ نمازوں کی تعداد اصل میں آٹھ ہے۔ (ان میں سے تین کو فرض نہیں رکھا گیا) جن کے اوقات چوبیس گھنٹوں میں بڑی خوبصورتی سے برابر تقسیم پر رکھے گئے ہیں اس طرح کہ تقریباً ہر تین گھنٹے بعد نماز کا وقت ہے۔ لیکن ان میں سے صرف پانچ نمازوں کو فرض کیا گیا ہے باقی تین (اشراق، چاشت اور تہجد) کو نفلی قرار دے دیا گیا تا کہ عام لوگوں کو فجر سے ظہر

تک اپنی معاشی سرگرمیوں کے لیے اور رات کو آرام کے لیے تسلسل کے ساتھ مناسب وقت مل سکے۔

﴿لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝۳۰﴾ ”تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔“

اگر آپ اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کر دیں گے۔ ان احکام کی تعمیل کا ایسا اجر ملے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

**آیت ۱۳۱** ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ﴾ ”اور آپ کی نگاہیں نہ اٹھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے کئی لوگوں کو دی ہوئی ہیں“

ہو بہو یہی الفاظ سورۃ الحجر آیت ۸۸ میں بھی آئے ہیں کہ اے نبی ﷺ! آپ! ان کے مال و اسباب اور دنیوی آسائش و آرائش کے سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، مبادا کسی کو گمان ہو کہ آپ ﷺ کی نظروں میں بھی ان چیزوں کی کوئی وقعت اور اہمیت ہے۔

﴿زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْسِهِمْ فِيهِ﴾ ”یہ چمک دمک ہے دنیوی زندگی کی، تا کہ ہم ان کو اس میں آزمائیں۔“

آپ تو حقیقت آشنا ہیں، آپ تو جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب کچھ فانی ہے اور مقصود اس سے صرف لوگوں کی آزمائش ہے۔ سورۃ الکہف میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”ہم نے تو جو کچھ بھی زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار بنایا ہے تا کہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔“

﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝۳۱﴾ ”اور آپ کے رب کا (عطا کردہ) رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔“ اور وہ رزق کون سا ہے؟ سورۃ الحجر کی آخری آیات سے موازنہ کریں (جن آیات سے ان آیات کی مشابہت کا ذکر کیا گیا ہے) تو اس سوال کا جواب ان الفاظ میں ملتا ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ ”اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔“ یعنی سورۃ الفاتحہ کی سات آیات! یہ سورت ایک مومن کے لیے زندگی بھر کا وظیفہ ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں وہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔ گویا یہ روحانی غذا اور روحانی دولت جو ایک مومن کو اپنے نبی ﷺ کی وساطت سے عطا ہوئی ہے، دنیوی مال و متاع سے کہیں زیادہ عمدہ اور کہیں زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

**آیت ۱۳۲** ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ”اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔“

﴿لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ”ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں۔“

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝۳۲﴾ ”اور عاقبت انہی کے لیے (بہتر) ہے جو پرہیز گاری کی روش اختیار کریں۔“



**آیت ۱۳۳** ﴿وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اس کے رب کی طرف سے؟“

ہر بات ہر دلیل کے جواب میں مشرکین مکہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ اگر آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہمیں کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟

**﴿أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ﴾** ”کیا ان کے پاس نہیں آئیں روشن نشانیاں جو پچھلے صحیفوں میں تھیں؟“

پہلے آسمانی صحیفوں کی تعلیمات کا قرآن مجید میں موجود ہونا اور خود قرآن کا ان صحیفوں میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آجانا کیا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ معجزہ ان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟

**آیت ۱۳۴** ﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا﴾ ”اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لازماً کہتے کہ (اے پروردگار!) تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا“

**﴿فَتَبَعَ إِلَيْكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنُخْزَىٰ﴾** ”کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!“

یہ وہی اصول ہے جو ہم سورہ بنی اسرائیل میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ کہ ہم کسی قوم پر عذاب ہلاکت اُس وقت تک نہیں بھیجتے جب تک اللہ کی طرف سے کوئی رسول آکر واضح طور پر حق کا احقاق اور باطل کا ابطال نہ کر دے۔ لیکن رسول کے اتمام حجت کے بعد بھی اگر قوم انکار پر اڑی رہے تو پھر اس کو عذاب استیصال کے ذریعے سے ہلاک کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔

**آیت ۱۳۵** ﴿قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبِّصُوا﴾ ”آپ فرمادیجیے کہ ہر ایک انتظار میں ہے پس تم لوگ بھی انتظار کرو۔“

**﴿فَسَتَعْلَمُونَ مَنِ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ﴾** ”تو عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھی راہ پر ہیں اور کون ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں!“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰

# سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ

## تمہیدی کلمات

سورہ مریم کے آغاز میں تمہیدی کلمات کے تحت تین سورتوں پر مشتمل اس ذیلی گروپ کا تعارف ہو چکا ہے جس کی آخری سورت سورہ الانبیاء ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۱۰

الجزء السابع عشر (۱۷)

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَّاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۝ وَاسْرَوْا النَّجْوٰى ۝ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۝ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ اَفَتَأْتُوْنَ السَّحَرٰ وَانْتُمْ تَبْصُرُوْنَ ۝ قُلْ رَبِّیْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۝ بَلْ اَفْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝ فَلْيَاْتِنَا بِآیَةٍ ۝ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَا اَمْنَتْ قُبُلُهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۝ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَيْهِمْ فَاَسْأَلُوْا اَهْلَ الدِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا ۝ لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْبُسْرِیْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ۝ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

آیت ۱ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝﴾ ”لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آچکا ہے، لیکن وہ غفلت میں پڑے اعراض کیے جا رہے ہیں۔“

آیت ۲ ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝﴾ ”نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ اس کو سنتے ہیں کھیلتے ہوئے۔“

جب بھی ان کی طرف کوئی نئی وحی آتی ہے، کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے مخصوص لاابالیانہ انداز میں ہی سنتے ہیں۔ وہ اللہ کے کلام کی طرف کبھی بھی سنجیدگی سے متوجہ نہیں ہوتے۔

**آیت ۳** ﴿لَا هِيَ قُلُوبُهُمْ﴾ ”ان کے دل کھیل کے خوگر ہو چکے ہیں۔“

ان کا غیر سنجیدہ رویہ اس حد تک ان کے دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ انہوں نے زندگی کو بھی ایک کھیل ہی سمجھ رکھا ہے۔

﴿وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ ”اور یہ ظالم خفیہ طور پر سرگوشیاں کرتے ہیں“  
 ﴿هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”کہ نہیں ہیں یہ (محمد ﷺ) مگر تمہاری ہی طرح کے ایک انسان۔“  
 رسول اللہ ﷺ سے کلام اللہ سن کر اگر ان کا کوئی ساتھی متاثر ہوتا تو اسے الگ لے جا کر بڑے ناصحانہ انداز میں سمجھاتے کہ ارے تم خواہ مخواہ اپنے جیسے ایک انسان کو اللہ کا رسول اور اس کی باتوں کو اللہ کا کلام سمجھ رہے ہو۔ اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ﴾ ”تو کیا تم جانتے بوجھتے جادو میں پڑنے جا رہے ہو؟“  
 تم جانتے بھی ہو کہ یہ کلام وغیرہ سب جادو کا کمال ہے۔ تو کیا تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کا شکار ہونے جا رہے ہو؟ ان کی اس طرح کی سرگرمیوں کی خبریں حضور ﷺ تک بھی پہنچتی تھیں۔ آپ کو یقیناً اس سے بہت صدمہ پہنچتا ہوگا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو اس کو پھر ورغلا کر بھٹکا دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے آپس کے شیطانی مشوروں کا سنتے تو یوں فرماتے:

**آیت ۴** ﴿قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”رسولؐ نے کہا کہ میرا رب جانتا ہے ہر اس بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

**آیت ۵** ﴿بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ﴾ ”بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (کلام) پریشان خیالات ہیں“  
 کبھی وہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام تو ہرگز نہیں ہے بلکہ محمد (ﷺ) سوتے میں خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں کے پراگندہ خیالات پر مبنی باتیں لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔

﴿بَلِ افْتَرَاهُ﴾ ”بلکہ اس نے خود گھڑ لیا ہے“  
 کبھی کہتے کہ یہ کلام تو خود ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے مگر یہ غلط طور پر اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔  
 ﴿بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ ”بلکہ یہ تو شاعر ہے۔“

کبھی کہتے کہ خداداد شاعرانہ صلاحیت کی بنا پر ان پر آمد ہوتی ہے اور یوں یہ کلام ترتیب پاتا ہے۔  
 ﴿فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْآوَلُونَ﴾ ”تو اسے چاہیے کہ وہ لائے ہمارے پاس کوئی معجزہ جیسے (معجزات کے ساتھ) پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔“

اور کبھی کہتے کہ اگر یہ واقعاً اللہ کے رسول ہیں تو پھر پہلے رسولوں کی طرح ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔  
**آیت ۶** ﴿مَا آمَنْتُ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا﴾ ”نہیں ایمان لائی کوئی بستی ان سے پہلے جس کو ہم



نے ہلاک کیا۔“

ان سے پہلے بہت سے رسولوں کو حسی معجزات دیے گئے تھے جو انہوں نے اپنی قوموں کو دکھائے، مگر ان میں سے کوئی ایک قوم یا کوئی ایک بستی بھی ایسی نہیں تھی جو ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لائی ہو۔ چنانچہ وہ لوگ واضح معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور آخر کار ہلاکت ہی ان کا مقدر بنی۔

﴿اَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝۶﴾ ”تو کیا یہ لوگ (کوئی معجزہ دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے؟“

**آیت ۷** ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ اِلَيْهِمْ فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (بطور رسول) ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو (اے قریش مکہ!) تم اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تمہیں معلوم نہیں۔“

آیت کے پہلے حصے میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے، مگر بعد میں خطاب کا رخ ان لوگوں کی طرف ہو گیا ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کے انسان ہیں، ہم ان کی بات کیسے مان لیں؟ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کوئی پہلے رسول نہیں ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول آئے، وہ سب بھی انسان ہی تھے۔ وہ انسانوں ہی کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے)۔ وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے اور دوسری ضروریات زندگی پوری کرتے تھے۔ یہ بات اگر تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے تو تمہارے ارد گرد اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ موجود ہیں۔ تم لوگ ان سے پوچھ لو کہ پہلے رسول انسان تھے یا وہ کسی مافوق الفطرت مخلوق سے تعلق رکھتے تھے؟

**آیت ۸** ﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ ۝۸﴾ ”ہم نے ان (رسولوں) کے لیے ایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ (زندہ) رہنے والے ہوتے تھے۔“

پہلے جو انبیاء آئے تھے وہ سب عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ابدی زندگی لے کر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک پر موت کا مرحلہ بھی آیا۔

**آیت ۹** ﴿ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنَاهُمْ وَمِنْ نَّشَاءِ﴾ ”پھر ہم نے ان کے ساتھ کیا گیا وعدہ سچ کر دکھایا، پھر انہیں اور (ان کے ساتھ) جسے چاہا اسے نجات دی“

ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو سیلاب کی آفت سے محفوظ رکھا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو امان بخشی۔ صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان والوں کو نجات دی۔ شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچایا۔ لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو مغضوب و معتوب بستیوں سے بحفاظت نکالا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو سمندر میں سے بچ نکالنے کا راستہ دیا۔ یوں ہم نے ہر مرتبہ اپنے رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ کیے گئے وعدے کو نبھایا۔

﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹﴾ ”اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔“

**آیت ۱۰** ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰﴾ ”(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری

طرف یہ کتاب نازل کر دی ہے اس میں تمہارا ذکر ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“  
یہاں ”ذِکْرُکُمْ“ کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں تمہارے حصے کی نصیحت اور تعلیم ہے (یعنی ذِکْرُ لَکُمْ) اور دوسرا یہ کہ ”اس میں تمہارا اپنا ذکر بھی موجود ہے“۔ اس دوسرے مفہوم کی وضاحت ایک حدیث سے ملتی ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةً)) ”آگاہ ہو جاؤ! عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہوگا“ فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ ”تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اُس سے نکلنے کا راستہ کون سا ہوگا؟“ یعنی اس فتنے سے بچنے کی سبیل کیا ہوگی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللَّهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا يَنْبَغُكُمْ)) (۱) ”اللہ کی کتاب! اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں تمہارے بعد آنے والوں کے احوال بھی ہیں اور تمہارے باہمی مسائل و اختلافات کا حل بھی ہے“۔ ان معانی میں یہاں ذِکْرُکُمْ سے مراد یہی ہے کہ تمہارے ہر دور کے تمام مسائل کا حل اس کتاب کے اندر موجود ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ہمیں ہر قسم کی صورت حال میں قرآن مجید سے راہنمائی مل سکتی ہے۔

## آیات ۱۱ تا ۱۵

وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً ۖ وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۖ فَلَمَّا أَحْسُوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۖ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ۖ قَالُوا يُؤْتِنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ فَمَا زِلْتُ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا لِّمُحْدِمِينَ ۝

**آیت ۱۱** ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ ”اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے پس ڈالا جو ظالم تھیں“

ان کے باسی گنہگار سرکش اور نافرمان تھے۔ چنانچہ انہیں سزا کے طور پر نیست و نابود کر دیا گیا۔

﴿وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ﴾ ”اور پھر ان کے بعد ہم نے اٹھا کھڑا کیا دوسری قوموں کو۔“

جیسے قوم نوح کے بعد قوم عاد کو موقع ملا اور قوم عاد کے بعد قوم ثمود نے عروج پایا اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے

چلتا رہا۔

**آیت ۱۲** ﴿فَلَمَّا أَحْسُوا بَأْسَنَا﴾ ”پھر جب انہیں محسوس ہوا ہمارا عذاب“

جب عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ اب واقعی عذاب آنے والا ہے تو:

﴿إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ﴾ ”تو اس سے بھاگنے لگے۔“

**آیت ۱۳** ﴿لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ﴾ ”(اس

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل القرآن۔ و سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن،

باب فضل من قرأ القرآن۔

وقت انہیں کہا گیا: اب بھاگو مت اور واپس جاؤ اپنے سامانِ تغیش اور محلات کی طرف شاید کہ وہاں تمہیں پوچھا جائے۔“

شاید وہاں تمہیں اپنا کوئی پُرساں حال یا خبر گیری کرنے والا مل جائے۔

**آیت ۱۴** ﴿قَالُوا يُونُسُ اَنَا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: ہائے ہماری شامت! ہم تو خود ہی ظالم تھے۔“ چونکہ اس وقت تک حقیقت ان پر منکشف ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے بڑی حسرت سے اعتراف کیا کہ حق کو جھٹلا کر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ستم ڈھایا تھا۔

**آیت ۱۵** ﴿فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ﴾ ”پھر وہ بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کر دیا انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور راہ کی مانند۔“

حَصِيد کے معنی کٹی ہوئی کھیتی کے ہیں جبکہ خَامِدِينَ سے مراد یہ ہے کہ وہ بجھی ہوئی آگ کی طرح ہو گئے۔ یعنی ان کی آبادیاں ایسی ویران ہوئیں کہ زندگی کی کوئی رمق وہاں نظر نہ آتی تھی۔

## آیات ۱۶ تا ۲۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ۖ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا تَتَّخِذُهُ مِنْ دُونِنَا ۖ لَإِنْ كُنَّا فَعِلِينَ ۖ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۖ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۖ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۖ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۖ أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۖ لَوْ كَانَ فِيهَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۖ فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۖ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۖ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَذَا ذِكْرٌ مِّن مَّعِيَ وَذِكْرٌ مِّن قَبْلِي ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۖ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۖ سُبْحَنَهُ ۖ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۖ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ ۖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۖ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكْ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۖ

ع

**آیت ۱۶** ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ﴾ ”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے مابین ہے کھیل کے لیے نہیں بنایا ہے۔“



یعنی ہم نے یہ دنیا کھیل تماشے اور شغل کے لیے نہیں بنائی ہے۔ ہماری ہر تخلیق بامقصد اور اٹل قوانین پر مبنی ہے۔ اسی طرح دنیا میں قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں بھی ”سُنَّتِ اللہ“ اور قواعد و ضوابط بالکل غیر مبدل اور ناقابلِ تغیر ہیں۔

**آیت ۱۷** ﴿لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُوَ لَا تَتَّخِذُهُ مِنْ لَدُنَّا إِنَّ كُنَّا فَعِلِينَ ۝﴾ ”اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھیل بنائیں تو وہ ضرور ہم اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے۔“

**آیت ۱۸** ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۝﴾ ”بلکہ ہم حق کو دے مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، تو جی بھی وہ نابود ہو جاتا ہے۔“

یہ تاریخ انسانی کا قرآنی فلسفہ ہے۔ دوسری طرف ایک نظریہ سپننگر کا بھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قوموں کی زندگی ایک فرد کی زندگی سے مشابہ ہے۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، بچپن گزارتا ہے، جوانی کو پہنچتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے، ایسے ہی دنیا میں قومیں اور ان کی تہذیبیں پیدا ہوتی ہیں، ترقی کرتی ہیں، بام عروج پر پہنچتی ہیں، اور پھر کمزوریوں اور خرابیوں کے باعث زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں کارل مارکس نے جو Dialectical Materialism کا نظریہ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو الرعد: ۷۱ کی تشریح) پیش کیا ہے، وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔

بہر حال آیت زیر نظر میں جو فلسفہ دیا گیا ہے اس کے مطابق دنیا میں حق و باطل کی کشمکش مسلسل جاری ہے۔ ایک طرف ابلیس، اس کی نسل اور اس کے ایجنٹ ہیں، جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، انبیاء و رسل، صدیقین، شہداء اور مومنین صادقین ہیں۔ قرآن کے اس فلسفہ کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

مشیتِ الہی سے کبھی کبھی یہ کشمکش دھماکہ خیز ہو کر باقاعدہ ایک معرکے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ طالبانِ حق کی مدد کرتا ہے اور ان کی طاقت کے ذریعے باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔

حق و باطل کا ایسا ہی ایک بہت خوفناک معرکہ قربِ قیامت کے زمانے میں ہونے والا ہے۔ یہ جنگوں کا ایک طویل سلسلہ ہوگا جس کو عیسائی روایات میں Armageddon جبکہ احادیث میں ”الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى“ کا نام دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے مستقبل کے اس معرکے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

دنیا کو ہے پھر معرکہٴ روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسہ

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یہاں علامہ اقبال نے لفظ ”تہذیب“ کے ذریعے اسی مخصوص ذہنیت اور سوچ کی طرف اشارہ کیا ہے جس

کے تحت فرعون نے اپنے عوام کو ”طَرِيقَتُکُمُ الْمُثَلٰی“ کے نام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی تھی کہ اس وقت تمہارے مثالی تہذیب و تمدن کو بڑا خطرہ درپیش ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو جب بھی منظور ہوتا ہے کوئی تحریک یا کوئی جمعیت حق کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور باطل اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ایسی ہی قوم یا جماعت اللہ کے دست قدرت کی وہ تلوار ہے جس سے وہ باطل کا قلع قمع کرتا ہے۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

لیکن یہ مقام رفیع صرف وہی قوم حاصل کر سکتی ہے جو قدم قدم پر خود اپنا احتساب کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو۔ ﴿وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝۱۸﴾ ”اور تمہارے لیے تباہی ہے اس کی وجہ سے جو تم لوگ بیان کر رہے ہو۔“

آیت ۱۹ ﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝۱۹﴾ ”اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔“ ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝۱۹﴾ ”اور جو (ملائکہ مقررین) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر (کی بنا پر گریز) نہیں کرتے اور نہ ہی وہ سستی کرتے ہیں۔“ آیت ۲۰ ﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝۲۰﴾ ”وہ رات دن (اس طرح اس کی) تسبیح میں لگے ہوئے ہیں کہ تھکتے نہیں ہیں۔“

آیت ۲۱ ﴿اَمْ اتَّخَذُواْ اِلٰهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۝۲۱﴾ ”کیا انہوں نے زمین میں کچھ ایسے معبود بنا لیے ہیں جو نشوونما دیتے ہیں؟“ کیا ان کا خیال ہے کہ وہ ان باطل معبودوں کی نظر کرم سے دنیا میں خوب پھلیں پھولیں گے اور ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر لیں گے؟

آیت ۲۲ ﴿اَوْ كَانْ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۝۲۲﴾ ”اگر ان دونوں (زمین و آسمان) کے اندر اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو لازماً یہ دونوں فساد سے بھر جاتے۔“

اس کائنات کا نظم و ضبط زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے کہ یہ ایک وحدت (Unitary System) ہے۔ اس کا مدبر و منتظم ایک ہی ہے اور اس کے انتظام میں ایک سے زیادہ آراء کی تعمیل و تنفیذ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَّوْ كَانْ مَعَہٗ اِلٰهَةٌ كَمَا يَقُولُوْنَ اِذَا لَابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝۳۱﴾ ”آپ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ۔“ اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ کوئی بھی ادارہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے اور اگر کسی ادارے کے ایک سے زیادہ سربراہ ہوں گے تو اس کا نظم

ونسق تباہ ہو جائے گا۔ یہی مثال مرد کی قوامیت کی دلیل بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ خاندان جیسا اہم اور حساس ادارہ ایک جیسے اختیارات کے حامل دوسرے براہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے تو پھر اس کا زیادہ حق دار مرد ہی ہے کیونکہ قرآن کے فرمان کے مطابق مرد ہی ”قوام“ ہے: ﴿الْكَوْجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۳۴) ”مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں“۔ ہمارے ہاں ملکی سطح پر زیادہ تر انتظامی مسائل پارلیمانی نظام حکومت میں اختیارات کی ثنویت (duality) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس نظام میں سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کے عہدے الگ الگ ہیں۔ ان دو عہدوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اصولی طور پر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اگر وزیر اعظم بااختیار ہوگا تو صدر کے عہدے کی حیثیت لازمی طور پر نمائشی ہوگی اور اگر صدر فعال ہوگا تو وزیر اعظم کھپتی بن کر رہ جائے گا۔ اس کے مقابلے میں صدارتی نظام منطقی اور توحیدی نظام ہے جس میں ایک ہی شخصیت سربراہ مملکت بھی ہے اور سربراہ حکومت بھی۔

﴿فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ ”تو اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔“

**آیت ۲۳** ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ ”وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے جوابدہی نہیں ہو سکتی اور ان سب کی جوابدہی ہوگی۔“

**آیت ۲۴** ﴿أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً﴾ ”کیا انہوں نے اُس کے سوا دوسرے معبود بنالئے ہیں؟“

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ ”آپ کہیے کہ لاؤ اپنی دلیل!“

﴿هَذَا ذِكْرٌ مِنْ مَعِيَ وَذِكْرٌ مِنْ قَبْلِي﴾ ”یہ (قرآن) ذکر ہے ان لوگوں کا بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان کا بھی جو مجھ سے پہلے تھے۔“

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ”بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں پہچانتے اس لیے وہ اعراض کر رہے ہیں۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ ”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف یہی وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو۔“

**آیت ۲۶** ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ رحمن نے (کسی کو اپنا) بیٹا بنا لیا۔ وہ پاک ہے (اس سے) بلکہ وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔“

جس کسی کو بھی یہ لوگ اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں وہ فرشتے ہوں، انبیاء ہوں یا اولیاء اللہ سب اس کے



مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کی حیثیت سے اپنے ہاں باعزت مقام عطا کیا ہے: ﴿أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط﴾ (یونس: ۲) ”یقیناً ان کے لیے ہے سچائی کا مرتبہ ان کے رب کے پاس۔“

**آیت ۲۷** ﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝۲۷﴾ ”وہ سبقت نہیں کرتے اس سے بات میں اور وہ اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔“

فرشتے اللہ تعالیٰ کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے احکام کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔

**آیت ۲۸** ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۝۲۸﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے“

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝۲۹﴾ ”اور وہ شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کے لیے وہ راضی ہوگا اور وہ تو خود اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔“

**آیت ۲۹** ﴿وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَلِذَاكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ط﴾ ”اور جو کوئی بھی (بالفرض) ان میں سے کہے کہ میں الہ ہوں اللہ کے سوا تو اسے ہم بدلہ دیں گے جہنم کا۔“

﴿كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝۳۰﴾ ”اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔“

## آیات ۳۰ تا ۴۱

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝۳۱ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ ۝۳۲ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝۳۳ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۝۳۴ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝۳۵ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝۳۶ وَمَا جَعَلْنَا لِشَرٍّ مِّنْ قَبْلِكَ خُلْدًا ط أَفَأَبْصَارُ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ۝۳۷ كُلُّ نَفْسٍ ذَٰئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَالْبَاطِلُ يُرْجَعُونَ ۝۳۸ وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ أَن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوءًا ط أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۝۳۹ وَهُمْ يَذْكُرُ الرَّحْمَنَ هُمْ كَافِرُونَ ۝۴۰ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ط سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُون ۝۴۱ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۴۲ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُونُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارُ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝۴۳ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً

فَتَبَهَّتْهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۳۰﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ  
فَخَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۱﴾

آیت ۳۰ ﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا﴾ ”کیا دیکھا نہیں ان کافروں نے کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا!“  
یعنی شدید گرمی اور جس کی صورت حال جس میں لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازے بھی بند ہیں زمین کے سوتے بھی خشک ہیں بارش کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہر طرف خشک سالی کا راج ہے اور پھر یکا یک اللہ کی رحمت سے یہ صورت حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دہانے کھل جاتے ہیں اور بارش کے پانی سے زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ Big Bang کے بعد مادے کا جو ایک بہت بڑا گولا وجود میں آیا تو وہ ایک ایک جاد وجود (Homogenous mass) کی صورت میں تھا۔ پھر مادے کے اس گولے میں تقسیم ہوئی مختلف ستاروں اور سیاروں کے گچھے بنے کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں سورج اور اس کے سیاروں کی تخلیق ہوئی اور یوں ہماری زمین بھی پیدا ہوئی۔ گویا اس سارے تخلیقی عمل کا اظہار اس ایک فقرے میں ہو گیا کہ آسمان اور زمین بند تھے یعنی باہم ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا جدا کر دیا۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ ”اور ہم نے پانی سے ہر جاندار شے کو بنایا!“

یہاں پر خَلَقْنَا کے بجائے جَعَلْنَا فرمایا۔ زمین کے اوپر زندگی جس کسی شکل میں بھی ہے چاہے وہ نباتاتی حیات ہو یا حیوانی ہر جاندار چیز کا مادہ تخلیق مٹی اور مبداء حیات پانی ہے۔ مٹی (تُرَاب) اور پانی مل کر گارا (طین) بنا۔ پھر یہ طین لازب میں تبدیل ہوا۔ پھر اس نے حملاً مسنون کی شکل اختیار کی۔ اس کے بعد صلصال مِّنْ حَمَلٍ مَّسْنُونٍ کا مرحلہ آیا۔ پھر صلصال کا لفخار بنا۔ (اس سلسلے میں سورۃ الحجر آیت ۲۶ کی تشریح بھی مد نظر رہے)۔ گویا مٹی سے ہر جاندار چیز کی تخلیق ہوئی اور ان سب کی زندگی کا دار و مدار پانی پر رکھا گیا۔ چنانچہ ہر جاندار کے لیے مبداء حیات پانی ہے۔

﴿اَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”تو کیا (یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے؟“

آیت ۳۱ ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيًّۢاۤ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ﴾ ”اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر (ایک طرف) جھک نہ جائے“

﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ ”اور ہم نے اس کے اندر بڑے کشادہ راستے

بنائے تاکہ یہ لوگ راہ یاب ہوں۔“

میدانی راستوں کے علاوہ بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کے اندر بھی قدرتی راستے رکھے اور وادیاں

بنائیں تاکہ ایسے علاقوں میں بھی لوگوں کے لیے سفر کرنا ممکن ہو سکے۔

**آیت ۳۲** ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ﴾ ”اور ہم نے آسمان کو

ایک محفوظ چھت بنا دیا، لیکن یہ لوگ اس (آسمان) کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے۔“

اس سے پہلے یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ﴾ ”اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اسے مزین کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطان مردود سے۔“ یعنی آسمان دنیا پر جو ستارے ہیں وہ باعث زینت بھی ہیں، لیکن دوسری طرف یہ شیطین جن کے لیے میزائل سنٹر بھی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی بھی اپنی حدود سے تجاوز کر کے غیب کی خبروں کی ٹوہ میں عالم بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے اس پر شہابِ ثاقب کی شکل میں میزائل داغا جاتا ہے اور یوں ان شیطین کی پہنچ کے حوالے سے آسمان کو سَقْفًا مَّحْفُوظًا کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

اب تک کی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے سَقْفًا مَّحْفُوظًا کے دو پہلو اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو O-Zone Layer کی فراہم کردہ حفاظتی چھتری ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو ڈھانپ رکھا ہے اور یوں سورج سے نکلنے والی تمام مضر شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکنے کے لیے یہ فلٹر کا کام کرتی ہے (ماحولیاتی سائنس کے ماہرین آج کل اس کے بارے میں بہت فکر مند ہیں کہ مختلف انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ بتدریج کمزور ہوتی جا رہی ہے)۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری فضا (زمین کے اوپر کرۂ ہوائی) بھی حفاظتی چھت کا کام دیتی ہے۔ خلا میں تیرنے والے چھوٹی بڑی جسامتوں کے بے شمار پتھر (یہ پتھر یا پتھر نما ٹھوس اجسام مختلف ستاروں یا سیاروں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں ہر وقت خلا میں بکھرے رہتے ہیں) جب کرۂ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی تیز رفتاری کے سبب ہوا کی رگڑ سے جل کر فضا میں ہی تحلیل ہو جاتے ہیں اور یوں زمین ان کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہے۔

**آیت ۳۳** ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ ”اور وہی ہے جس نے پیدا کیا

رات، دن، سورج اور چاند کو۔“

﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ ”یہ سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔“

**آیت ۳۴** ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے ہم نے کسی

انسان کے لیے دوام نہیں رکھا۔“

﴿أَفَإِنَّ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ﴾ ”تو اگر آپ فوت ہو گئے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے؟“

آپ ﷺ کے یہ مخالفین ابو جہل، ابولہب وغیرہ ہمیشہ کی زندگیاں لے کر تو نہیں آئے۔ ان سب کو ایک دن مرنا ہے اور ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔

**آیت ۳۵** ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ”ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“



﴿وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ”اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے۔“ اس دنیا میں تمہاری آزمائش کے لیے تم لوگوں کو ہم مختلف قسم کی کیفیات سے دوچار کرتے رہتے ہیں۔ خیر و شر اور خوشی و غم کے بارے میں تم لوگوں کے اپنے پیمانے اور اپنے معیارات ہیں اور اسی مناسبت سے ان کیفیات کے بارے میں تمہارے منفی یا مثبت تاثرات ہوتے ہیں، مگر ضروری نہیں کہ حقیقت بھی تمہارے ہی تاثرات کے مطابق ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ جسے شر سمجھتے ہو وہ حقیقت میں خیر ہو اور جو چیز تمہارے نقطہ نظر سے خیر ہے وہ اصل میں شر ہو۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور آںحالیکہ وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“ — بہر حال دنیا میں پیش آنے والے اچھے برے یہ حالات تمہاری آزمائش کے لیے ہیں۔

﴿وَالَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ ”اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔“

**آیت ۳۶** ﴿وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَیَسْتَهْزِئُونَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ کافر لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔“

یہ مشرکین مختلف انداز میں آپ پر استہزاء یہ فقرے کستے ہیں، آپ کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر اس طرح آپ کا تمسخر اڑاتے ہیں:

﴿أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُكُمْ﴾ ”کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟“

یعنی کہتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اس طرح ان کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے!

﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ ”اور وہ خود رحمن کے ذکر سے منکر ہیں۔“

انہیں تو اپنے معبودوں کا ذکر اچھا لگتا ہے۔ لات و عزریٰ کا ذکر ہو تو یہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جاتے ہیں۔

**آیت ۳۷** ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ ”انسان بنایا گیا ہے عجلت سے۔“

یعنی انسان کی خلقت میں عجلت پسندی رکھی گئی ہے۔ عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اس حوالے سے یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کی ذات یا شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ مادی جسمانی یا حیوانی ہے جس کی تخلیق زمین یعنی مٹی سے ہوئی ہے۔ اس مادی وجود میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں رکھی گئی ہیں۔ سورۃ النساء کے یہ الفاظ اس حقیقت پر شاہد ہیں: ﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ کہ بنیادی طور پر انسان کمزور اور ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی ذات کا دوسرا پہلو روحانی ہے۔ انسانی روح چونکہ نور سے پیدا کی گئی ہے اس لیے اس کا یہ پہلو بہت بلند اور ارفع ہے۔ اسی پہلو کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ ”ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔“ گویا اصل انسان تو وہ روح ہی ہے جو انسانی تخلیق کے مرحلہ اول (وضاحت کے لیے الانعام: ۹۴ کی تشریح ملاحظہ ہو) میں أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کی کیفیت

میں پیدا کی گئی۔ اس ”نور“ کو پھر اس انسانی جسم کے اندر رکھا گیا جو مٹی سے بنا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ فطری اور جبلی طور پر عجلت پسند ہے۔ ﴿سَاوِرِیْکُمْ اِیْتِیْ فَلَآ تَسْتَعْجِلُوْا ۝۳۷﴾ ”جلد ہی میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا“ پس تم لوگ مجھ سے جلدی نہ مچاؤ۔“

کیا عجب کہ تمہارے عذاب کے بارے میں وعیدوں کے پورا ہونے کا وقت قریب ہی آ لگا ہو۔ آیت ۳۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۳۸﴾ ”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر آپ سچے ہیں؟“ اس سے مراد عذاب آنے یا معجزہ دکھانے کا وعدہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكْفُوْنَ عَنْ وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝۳۹﴾ ”کاش! ان کافروں کو معلوم ہوتا (اس وقت کے بارے میں) جب وہ آگ کو ہٹانہ سکیں گے اپنے چہروں سے اور نہ ہی اپنی پیٹھوں سے اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔“ آیت ۴۰ ﴿بَلْ تَأْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَيَبْهَتُهُمْ﴾ ”بلکہ وہ (قیامت) ان پر اچانک آئے گی اور انہیں مبہوت کر دے گی“

یعنی ان کے ہوش کھودے گی۔ یہ وہی لفظ (بہت) ہے جو البقرہ: ۲۵۸ میں نمرود کے بارے میں آیا ہے: ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ﴾ ”تو (یہ سن کر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔“ ﴿فَلَآ یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝۴۰﴾ ”تو نہ ان کی استطاعت ہوگی اس (قیامت یا عذاب) کو ٹالنے کی اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت ملے گی۔“ آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدْ اَسْتَهْزِیْ بِرُسُلِ مِّنْ قَبْلِکَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے جو رسول آئے تھے ان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا“

لہذا آپ اس صورت حال کو برداشت کیجیے اور صبر کا دامن تھام کر اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ ﴿فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۱﴾ ”تو پھر گھیر لیا ان میں سے مذاق اڑانے والوں کو اسی (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“ پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عذاب موعود آیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو نیست و نابود کر کے نَسِیًا مَّنْسِیًا کر دیا گیا۔

## آیات ۴۲ تا ۵۰

قُلْ مَنْ یَّکْفُرْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۖ بَلْ هُمْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲ اَمْ

لَهُمُ الْإِلَهَةُ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٢٢﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَكِنَّ مَسْئَلَهُمْ نَفْعَةً مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لِيَقُولُوا يَوْمَئِذٍ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٤﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَرِّكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٢٨﴾

**آیت ۲۲** ﴿قُلْ مَنْ يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ﴾ ”آپ ان سے پوچھئے کہ کون تمہاری حفاظت کرتا ہے رات دن رحمن کی طرف سے؟“

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لیے محافظ (Body guards) مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ مضمون دو مرتبہ اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ سورۃ الانعام: ۶۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ کہ وہ فرشتوں کی صورت میں تمہارے لیے محافظ مقرر کرتا ہے۔ سورۃ الرعد: ۱۱ میں ارشاد ہوا: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ”اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار) ہیں وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے“۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ موت سے یا مصائب و حادثات سے خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ”بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔“

**آیت ۲۳** ﴿أَمْ لَهُمُ الْإِلَهَةُ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا﴾ ”کیا ان کے ایسے معبود ہیں ہمارے سوا جو ان کو بچاتے ہیں؟“  
﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ﴾ ”وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ ہمارے مقابلے میں ان کی مصاحبت کر سکتے ہیں۔“

یعنی ہمارے مقابلے میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی دوستی ان کے کسی کام نہیں آسکتی۔

**آیت ۲۴** ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ ”لیکن ہم نے (دنوی) نعمتیں عطا کیں ان کو بھی اور ان کے آباء و اجداد کو بھی یہاں تک کہ ان پر ایک مدت گزر گئی۔“

ہم انہیں مسلسل دنیوی نعمتوں سے نوازتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے عادی ہو گئے انہیں اپنی ملکیت سمجھنے لگے اور ان پر خوب اترا نہ لگے۔



﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟“

کیا مشرکین مکہ کو یہ ٹھوس حقیقت نظر نہیں آ رہی کہ اس سرزمین میں ان کا اثر و رسوخ روز بروز کم ہو رہا ہے۔ اسلام کا پیغام مسلسل پھیل رہا ہے۔ مکہ کے اندر سے بھی اس روشنی کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور باہر کے قبائل میں بھی دعوتِ اسلام کا تعارف رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گویا مشرکین مکہ کے لیے زمین مسلسل سکڑتی چلی جا رہی ہے اور ہر آنے والے دن کے ساتھ اہل ایمان کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان سے ملتے جلتے الفاظ میں یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد میں بھی آچکا ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟ اور اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے، کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

﴿أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ ”تو کیا (اب بھی وہ سمجھتے ہیں کہ) وہی غالب آنے والے ہیں؟“  
یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کیا ان کا خیال ہے کہ اس کش مکش میں وہی جیتیں گے:  
**آیت ۲۵** ﴿قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ میں تم لوگوں کو خبردار کرتا ہوں وحی کے ذریعے سے“

﴿وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ۝﴾ ”اور بہرے نہیں سنتے کسی پکار کو جب انہیں خبردار کیا جاتا ہے۔“

اگر آپ ایک بہرے کو چلا چلا کر خبردار کر رہے ہوں کہ تمہارے پیچھے سے ایک شیر تم پر حملہ آور ہونے جا رہا ہے تو وہ کہاں خود کو اس خطرے سے بچائے گا۔ یہی مثال ان منکرین کی ہے جو دعوتِ حق کی آواز سننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

**آیت ۲۶** ﴿وَلَكِنَّ مَسْتَهْتَمَ نَفْحَةٍ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝﴾ ”اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک بھبکا بھی لگ جائے تو فوراً چیخ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری شامت، ہم ہی ظالم تھے۔“

یہی لوگ جواب اکڑا کر باتیں کرتے ہیں اور آپ پر طنز و استہزاء کے تیر برساتے ہیں، عذابِ الہی کا ایک جھٹکا بھی نہیں سہہ سکیں گے اور دہائی مچانا شروع کر دیں گے کہ قصور وار ہم خود ہی تھے۔

**آیت ۲۷** ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ ”اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کی میزانیں لا کر رکھ دیں گے، پھر کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

﴿وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا﴾ ”اگر ہوگا کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر

بھی تو اسے ہم لے آئیں گے۔“

﴿وَكَفَىٰ بِنَا حَسِبِينَ﴾ ﴿۴۷﴾ ”اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔“  
اس سلسلے میں ہمیں کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہوگی۔

آیت ۴۸ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ﴿۴۸﴾ ”اور ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو عطا کی تھی فرقان (کتاب) روشنی اور نصیحت متقین کے لیے۔“

آیت ۴۹ ﴿الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ﴾ ﴿۴۹﴾ ”جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے غیب میں (ہونے کے باوجود) اور وہ قیامت (کے تصور) سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔“

آیت ۵۰ ﴿وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَرِّكٌ أَنزَلْنَاهُ﴾ ﴿۵۰﴾ ”اور اب یہ بابرکت ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے۔“  
اس سے پہلے ہم نے تورات نازل کی جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی تھی اس میں مومنین متقین کے لیے روشنی اور نصیحت بھی تھی اور اب ہم نے اپنا بابرکت کلام قرآن کی صورت میں نازل کیا ہے۔

﴿أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ﴿۵۱﴾ ”تو کیا تم اس کا انکار کر رہے ہو؟“

## آیات ۵۱ تا ۷۵

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۵۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَٰكِفُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ مِنَ الشَّٰهِدِينَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا فَاتُّوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿۶۵﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۶۹﴾ وَارَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِسِرِينَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي



بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝  
 وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهْدُونَ بَأْمَرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ  
 الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ۖ وَلَوْ طَآئِفَةٌ لَّمْ يَأْتِيَنَّكَ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرِيَةِ الَّتِي كَانَتْ  
 تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسَقِينَ ۖ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنَ  
 الصَّالِحِينَ ۝

ع

آیت ۵۱ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۝﴾ ”اور (موسیٰ سے بھی) پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی سعادت کی راہ بخشی تھی اور ہم ہر طرح سے اس کی خبر رکھتے تھے۔“  
 ان آیات میں بڑی عمدگی سے حضرت ابراہیمؑ اور آپؐ کی قوم کے درمیان ہونے والی کش مکش کی تفصیل بیان ہو رہی ہے:

آیت ۵۲ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عِكِفُونَ ۝﴾ ”جب ابراہیمؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے لیے تم لوگ اعتکاف کیے رہتے ہو!“  
 ذرا ان پتھر کی خود تراشیدہ مورتیوں کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور جن کے گیان دھیان میں لگے رہتے ہو!

آیت ۵۳ ﴿قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبْدِينَ ۝﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو (اسی طرح سے) ان کی عبادت کرتے پایا تھا۔“

آیت ۵۴ ﴿قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝﴾ ”ابراہیمؑ نے کہا: پھر تو تم بھی اور تمہارے آباء و اجداد بھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“  
 آپؐ نے علی الاعلان حق بات سب کے سامنے کہہ دی۔

آیت ۵۵ ﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ۝﴾ ”وہ کہنے لگے کہ کیا آپؐ واقعی ہمارے پاس حق لائے ہیں یا محض شغل کر رہے ہیں؟“

یعنی کیا آپؐ اس بات میں واقعی سنجیدہ ہیں اور آپؐ کا یہ دعویٰ ٹھوس علمی حقائق پر مبنی ہے یا ویسے ہی تفریح طبع کے لیے باتیں بنا رہے ہیں؟

آیت ۵۶ ﴿قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۚ﴾ ”ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے“

﴿وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝﴾ ”اور میں خود بھی اس پر گواہ ہوں!“

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میں علی وجہ البصیرت یہ بات کہہ رہا ہوں مجھے اس میں ذرا بھی شک



نہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اپنی دعوت کے سلسلے میں بالکل اسی طرح قطعی الفاظ میں اعلان کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ (یوسف: ۱۰۸) ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ، میں خود بھی اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَتَاللَّهِ لَا كَيْدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ﴾ ”اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ضرور کوئی چال چل کے رہوں گا، جبکہ تم چلے جاؤ گے پیٹھ موڑ کر۔“

جیسے ہندوؤں کے ہاں جنم اشٹمی کا میلہ ہوتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کا بھی کوئی تہوار تھا جس میں وہ سب کسی کھلے میدان میں جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جب وہ دن آیا تو ان کے چھوٹے بڑے، مرد عورتیں سب مقررہ مقام پر چلے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کے ساتھ نہیں گئے: ﴿فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ (الصفت) ”انہوں نے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔“ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ چنانچہ جب شہر خالی ہو گیا تو آپ ایک تیشہ ہاتھ میں لے کر ان کے بت خانے میں گھس گئے:

**آیت ۵۸** ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذَا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ﴾ ”تو آپ نے ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ان کے بڑے کے شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔“

آپ نے سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو تھس تھس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا تیشہ بھی اس بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ وہ آکر دیکھیں تو سب سے بڑا بت صحیح سالم کھڑا ہو باقی سب کے سب تیشے کا شکار ہوئے پڑے ہوں، آلہ واردات بھی اسی بڑے کے پاس سے برآمد ہو اور یوں واقعاتی شہادت (circumstantial evidence) کی حد تک اس کے خلاف اتمام حجت بھی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آکر اپنے بتوں کا حال دیکھا تو:

**آیت ۵۹** ﴿قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتَةِ إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”وہ چلا اٹھے: کس نے کیا ہے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ؟ وہ تو یقیناً کوئی بہت ہی ظالم ہے!“

ذرا تصور کریں، آج اگر بنارس یا متھرا (بھارت) میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہو جائے تو کیسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ ایسے ہی اس واقعہ سے شہر اُپر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔

**آیت ۶۰** ﴿قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ﴾ ”کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں (غلط) باتیں کرتے سنا تھا، جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔“

ابراہیمؑ ہی ان کے بارے میں زبان درازی کرتا ہوا سنا گیا تھا کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے، انہیں خواہ مخواہ معبود بنا لیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ شاید اسی نے یہ حرکت کی ہو!

**آیت ۶۱** ﴿قَالُوا فَاتُّوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ﴾ ”لوگوں نے کہا کہ پھر لاؤ اس کو سب کے سامنے تا کہ وہ گواہی دیں۔“

تا کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے گستاخانہ گفتگو کی تھی وہ اسے پہچان کر گواہی دے سکیں کہ ہاں یہی ہے وہ شخص جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کرتا تھا اور جس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں ضرور ان کے ساتھ کچھ چال چلوں گا۔ چنانچہ جب آپ کو سامنے لا کر تصدیق کر لی گئی تو:

**آیت ۶۲** ﴿قَالُوا ءَ أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْمَنِ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ ”انہوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے؟“

**آیت ۶۳** ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ ”آپ نے جواب دیا: بلکہ یہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے تم پوچھ دیکھو ان سے اگر یہ بولتے ہوں۔“

یہ جھوٹ نہیں بلکہ ”تورہ“ کا ایک انداز ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میری اس بات کو وہ لوگ سچ سمجھ لیں گے اور وہ لوگ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ ان سے ایسے کیوں کہا جا رہا ہے۔ بہر حال آپ کا مقصد انہیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے اور سوچنے پر مجبور کرنا تھا۔

**آیت ۶۴** ﴿فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اس پر انہوں نے اپنے اندر ہی اندر سوچا اور (خود کلامی کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ یقیناً تم خود ہی ظالم ہو۔“

یہ گویا ان کے ضمیر کی آواز تھی کہ ابراہیم کی بات ہے تو درست! ظالم تو تم خود ہو جو ان بے جان مجسموں کو معبود سمجھتے ہو جو خود اپنا دفاع بھی نہ کر سکے اور اب یہ بتانے سے بھی معذور ہیں کہ ان کی یہ حالت کس نے کی ہے؟

**آیت ۶۵** ﴿ثُمَّ نَكْسُوْا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ﴾ ”پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے کر دیے گئے“

ایک لمحے کے لیے دلوں میں یہ خیال تو آیا کہ ابراہیم کی بات درست ہے اور ہم غلط ہیں مگر جاہلانہ حمیت و عصبيت کے ہاتھوں ان کی عقلیں پھر سے اوندھی ہو گئیں اور پھر سے وہ ان بے جان بتوں کا دفاع کرنے کی ٹھان کر بولے کہ ان سے ہم کیا پوچھیں:

﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ﴾ ”تم تو جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے!“

**آیت ۶۶** ﴿قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ﴾ ”ابراہیم نے کہا: تو کیا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تو تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی تمہارا کچھ نقصان کر سکتی ہیں؟“

**آیت ۶۷** ﴿أَفِ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

**آیت ۶۸** ﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا إِلَٰهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: جلاؤ الواسے اور مدد کرو اپنے معبودوں کی! اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔“

چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا لاؤ تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا۔

**آیت ۶۹** ﴿قُلْنَا يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝﴾ ”ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔“

یہاں یہ نکتہ ذہنوں میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ فطرت کے قوانین اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ جب چاہے انہیں تبدیل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت ان قوانین سے بالاتر ہے ان کی پابند نہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ قوانین بہت محکم ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں روز بروز تبدیل نہیں کرتا۔ اگر یہ محکم اور مستقل نہ ہوتے تو نہ سائنس کا کوئی تصور ہوتا نہ کوئی ٹیکنالوجی وجود میں آ سکتی۔ تمام سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجیز طبعی اور کیمیائی تبدیلیوں (Physical and Chemical Changes) کے قوانین کے محکم اور مستقل ہونے کے باعث ہی وجود میں آئی ہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ اللہ خود بھی ان قوانین کو نہیں توڑ سکتا ایک کھلی حماقت ہے اور پچھلی صدی میں ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اسی حماقت کا شکار ہوا۔ سرسید احمد خان نے اسی سوچ کے تحت ہر معجزے کی کوئی نہ کوئی سائنٹفک توجیہ کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ معجزے کے بجائے فطری عمل کا حصہ (natural phenomenon) نظر آئے۔ مثلاً انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کے پھٹنے کا انکار کرتے ہوئے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ یہ سب کچھ مد و جزر کے عمل کے سبب ہوا تھا۔ ’جزر‘ کے سبب جب سمندر کا پانی پیچھے ہٹا ہوا تھا تو حضرت موسیٰ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل گئے، مگر جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ گزر رہا تھا تو اس وقت سمندر ’مد‘ پر آ گیا جس کی وجہ سے وہ سب غرق ہو گئے۔ اس سوچ کے پس منظر میں بہر حال یہ غلط عقیدہ کارفرما ہے کہ قوانین فطرت اٹل ہیں اور وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابلے میں درست عقیدہ یہ ہے کہ قوانین فطرت محکم، مستقل اور مضبوط ہیں مگر اٹل نہیں ہیں۔ اللہ جب چاہے کسی قانون کو ختم کر دے یا تبدیل کر دے — اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

**آیت ۷۰** ﴿وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا ۝﴾ ”اور انہوں نے ارادہ کیا اُس کے ساتھ ایک چال چلنے کا“  
ان الفاظ پر میں ایک طویل عرصے تک غور کرتا رہا کہ اس سارے منصوبے میں ان کی ”چال“ آخر کون سی تھی مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ پھر یکایک ذہن اس خیال کی طرف منتقل ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ لوگ درحقیقت ڈرانا چاہتے تھے جلا نا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو آپ کے موقف سے ہٹانے کے لیے انتہائی خوفناک دھمکی دی تھی (حَرِّ قُوْهُ) کہ اسے جلا ڈالو! ان کا خیال تھا کہ ابھی تو یہ بڑے بہادر بنے ہوئے ہیں بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں، مگر جب انہیں آگ کے ہیبت ناک الاؤ کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور آپ جان بچانے کے لیے توبہ پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یوں انہوں نے آپ کے خلاف چال چلی مگر یہ چال انہیں الٹی پڑ گئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشا لے لبِ بامِ ابھی!

﴿فَجَعَلْنَاهُمْ الْآخِصِرِينَ ۝﴾ ”لیکن ہم نے انہی کو کر دیا خسار اٹھانے والے۔“

وہ اپنی چال میں ناکام ہو گئے۔



**آیت ۱۷** ﴿وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ ”اور ہم ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں سب جہان والوں کے لیے۔“  
حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ وہ آپؑ پر ایمان لے آئے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تو حضرت لوطؑ بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ آپؑ لوگ عراق کے مشرقی علاقے کے راستے سے ہوتے ہوئے شام پہنچے۔ درمیان میں چونکہ شرقِ اردن وغیرہ کا علاقہ ناقابلِ عبور صحرا پر مشتمل تھا اس لیے شام کے شمالی علاقے سے ہوتے ہوئے اور پھر نیچے کی طرف سفر کرتے ہوئے فلسطین پہنچے اور وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔

**آیت ۲۲** ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً﴾ ”اور ہم نے اس کو اسحاقؑ عطا فرمایا اور یعقوبؑ اس پر مزید۔“

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسحاقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عطا فرمایا۔  
﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ﴾ ”اور ان سب کو ہم نے صالح بنایا۔“

**آیت ۲۳** ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ ”اور ہم نے انہیں امام بنا دیا جو ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم سے“

یعنی لوگوں کی راہنمائی اور راہبری کرتے تھے۔

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ﴾ ”اور ہم نے ان کی طرف وحی کی نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔“

﴿وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ﴾ ”اور وہ سب کے سب ہماری بندگی کرنے والے تھے۔“

یہاں آپؑ کو کچھ انبیاء کا تذکرہ اور ان کے اوصاف پر مشتمل آیات کا گلدستہ دیکھنے کو ملے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی مد نظر رہے کہ اس سورۃ میں تمام انبیاء کا ذکر انباء الرسل کی بجائے قصص النبیین کے انداز میں ہوا ہے۔

**آیت ۲۴** ﴿وَلُوطًا إِتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ ”اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا“

حکم سے حکمت، فہم اور قوت فیصلہ مراد ہے۔

﴿وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ﴾ ”اور ہم نے اسے نجات دی اس بستی سے جو گندے کام کرتی تھی۔“

یعنی اس بستی کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسَقِينَ﴾ ”یقیناً وہ نہایت برے اور نافرمان لوگوں کی قوم تھی۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور لوطؑ کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ (ہمارے) صالح بندوں میں سے تھا۔“

## آیات ۶ تا ۹۴

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَنَصْرَانًا  
 مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سُوءٍ فَآغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۚ وَدَاوُدَ  
 وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفِثَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۖ  
 فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ  
 وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۚ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِيُخْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ  
 شَاكِرُونَ ۚ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا  
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۚ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغْوُصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ  
 وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ۚ وَيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۚ  
 فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ ۚ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا  
 وَذَكَرَىٰ لِلْعَبِيدِينَ ۚ وَاسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۚ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۚ وَأَدْخَلْنَاهُمْ  
 فِي رَحْمَتِنَا ۚ إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۚ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ  
 عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ۚ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۚ  
 فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَلِكَ نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا  
 تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ  
 إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۚ وَكَانُوا لَنَا خَشِعِينَ ۚ وَالَّتِي  
 أَحْصَيْتُ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۚ إِنَّ هَذِهِ  
 أَمْتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۚ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ إِلَيْنَا  
 رَاجِعُونَ ۚ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدٍ ۚ وَإِلَىٰ آلِهِ كَتَبُونِ ۚ

آیت ۷۶ ﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ﴾ ”اور نوح کو بھی (ہم نے اپنی ہدایت بخشی) جب  
 اُس نے دعا کی تھی اس سے پہلے تو ہم نے اس کی دعا قبول کی“

یہ اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ القمر میں نقل ہوئی ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرُ﴾ ۱۰  
 کہ پروردگار میں تو مغلوب ہو گیا ہوں اب تو میری مدد فرما اور تو ہی ان کافروں سے انتقام لے۔ آپ کی یہ دعا  
 قبول فرمائی گئی اور اس نافرمان قوم کو غرق کر دیا گیا۔

﴿فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ﴾ ”تو ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بہت بڑے کرب سے۔“

**آیت ۷۷** ﴿وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِالْآيَاتِ﴾ ”اور ہم نے اُس کی مدد کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔“

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ”یقیناً وہ بہت بُرے لوگ تھے تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔“

**آیت ۷۸** ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ﴾ ”اور داؤد اور سلیمان کو (بھی یہی نعمت عطا فرمائی) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جب اس میں گھس گئی تھیں کچھ لوگوں کی بکریاں۔“

کسی شخص نے اپنی کھیتی میں بڑی محنت سے فصل تیار کی تھی مگر کسی دوسرے قبیلے کی بکریوں کے ریوڑ نے کھیت میں گھس کر تمام فصل تباہ کر دی۔ اب یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔

﴿وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ﴾ ”اور ہم ان کے فیصلے کے وقت وہاں موجود تھے۔“

**آیت ۷۹** ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾ ”تو ہم نے فہم عطا کر دیا اس (فیصلے) کا سلیمان کو۔“

فیصلے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شہزادے کی حیثیت سے دربار میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے کا ایک حکیمانہ حل ان کے ذہن میں ڈال دیا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مسئلے کا حل یہ بتایا کہ بکریاں عارضی طور پر کھیتی والے کو دے دی جائیں وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے۔ دوسری طرف بکریوں کے مالک کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کھیتی کو دوبارہ تیار کرے۔ اس میں ہل چلائے، بیج ڈالے، آبپاشی وغیرہ کا بندوبست کرے۔ پھر جب فصل پہلے کی طرح تیار ہو جائے تو اسے اس کے مالک کے سپرد کر کے وہ اپنی بکریاں واپس لے لے۔

﴿وَكُنَّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ ”اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا تھا۔“

﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرُ﴾ ”اور ہم نے مسخر کر دیا تھا داؤد کے ساتھ

پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (مسخر کر دیا تھا)۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز بہت اچھی تھی۔ اسی لیے لجن داؤدی کا تذکرہ آج بھی ضرب المثل کے انداز میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش آواز میں زبور کے مزامیر (اللہ کی حمد کے نغمے) الاپتے تو پہاڑ بھی وجد میں آکر آپ کی آواز میں آواز ملاتے تھے اور اڑتے ہوئے پرندے بھی ایسے مواقع پر ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔

﴿وَكُنَّا فَاعِلِينَ﴾ ”اور یہ سب کچھ کرنے والے ہم ہی تھے۔“



ظاہر ہے یہ سب اللہ ہی کی قدرت کے عجائبات تھے۔

**آیت ۸۰** ﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤْسٍ لِّكُمۡ﴾ ”اور ہم نے انہیں تمہارے لیے لباس کی صنعت سکھائی“  
یہاں لباس سے مراد جنگی لباس یعنی زرہ بکتر ہے۔ گویا زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور انہیں یہ ہنر براہ راست سکھایا تھا۔  
﴿لَتُحْصِنَكُمْ مِّنۡ بَأْسِكُمۡ فَهَلۡ اَنْتُمْ شَاكِرُونَ﴾ ”تاکہ وہ تمہیں بچائے تمہاری جنگ سے“  
تو کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟“

جنگ کے دوران زرہ بکتر تلوار نیزے اور تیروں سے ایک سپاہی کی حفاظت کرتی ہے۔  
**آیت ۸۱** ﴿وَلَسُلَيۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِیۡ اِلَیۡ الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بَرَكْنَا فِیۡهَا﴾ ”اور (ہم نے مسخر کر دیا تھا) سلیمان کے لیے تیز چلنے والی ہوا کو جو اُس کے حکم سے چلتی تھی اس سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت عطا کی تھی۔“

﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمِیۡنَ﴾ ”اور ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے ہیں۔“  
**آیت ۸۲** ﴿وَمِنَ الشَّیۡطٰنِیۡنَ مَنۡ یَّغۡوِصُّوۡنَ لَہٗ﴾ ”اور شیاطین میں سے (بھی ہم نے بہت سوں کو مسخر کر دیا تھا) جو اس کے لیے (سمندروں میں) غوطہ خوری کرتے تھے“  
یعنی جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور ان کی تہوں سے موتی اور دوسری مفید چیزیں نکال کر لاتے تھے۔

﴿وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ﴾ ”اور وہ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے کام بھی کرتے تھے۔“  
﴿وَكُنَّا لَہُمۡ حَفِیۡطِیۡنَ﴾ ”اور ہم ہی ان پر نگران تھے۔“  
گویا وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے تو یہ بھی ہماری ہی قدرت کا کمال تھا۔

**آیت ۸۳** ﴿وَاٰیُوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ﴾ ”اور ایوب (پر بھی ہمارا فضل ہوا) جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا“

حضرت ایوب علیہ السلام بھی جلیل القدر نبی ہیں اور قرآن میں آپ کو صابر کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شدید بیماریوں کے ذریعے آپ کی آزمائش کی مگر آپ ہر حال میں صابر اور شاکر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ”صبر ایوب“ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ واضح رہے کہ شکوہ و شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے جس کا اظہار آپ نے کبھی نہیں کیا البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔

﴿اِنِّیۡ مَسْنِیۡ الضُّرَّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیۡمِیۡنَ﴾ ”کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

**آیت ۸۴** ﴿فَاَسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنَ الضُّرِّ﴾ ”تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی اور اُس کو جو تکلیف

تھی اسے دور کر دیا۔“

آپؐ ایک ایسی بیماری میں مبتلا تھے جس سے آپؐ کی جلد میں تعفن پیدا ہو جاتا تھا۔ زخموں اور پھوڑوں سے بد بو آتی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے اہل خانہ تک آپؐ کو چھوڑ گئے تھے۔

﴿وَاتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ﴾ ”اور ہم نے اسے عطا کیے اُس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔“

یعنی آپؐ کے اہل خانہ بھی آپؐ کے پاس واپس آ گئے اور آپؐ کو اتنی ہی مزید اولاد بھی عطا فرمائی۔  
﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِّلْعَبِيدِينَ﴾ ”اپنی طرف سے خاص رحمت کے طور پر اور تاکہ نصیحت (یاد دہانی) ہو عبادت کرنے والوں کے لیے۔“

**آیت ۸۵** ﴿وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور (اسی طرح) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (پر بھی ہم نے فضل کیا)۔ وہ سب صابریں میں سے تھے۔“

حضرت ادریسؑ کا ذکر سورہ مریم کی آیت ۵۶ کے ضمن میں بھی آچکا ہے کہ آپؑ حضرت آدمؑ کے بعد اور حضرت نوحؑ سے پہلے مبعوث ہوئے تھے۔ ان سے قبل حضرت شیثؑ کی بعثت بھی ہو چکی تھی۔ حضرت ذوالکفلؑ کے بارے میں کہیں سے کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں کہ آپؑ کب اور کس علاقے میں مبعوث ہوئے۔ احادیث میں بھی آپؑ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ موجودہ دور کے ایک عالم اور محقق مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا خیال ہے کہ ذوالکفلؑ سے مراد گوتم بدھ ہیں اور یہ کہ گوتم بدھ اللہ کے نبی تھے۔ ان کے اس دعویٰ کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس سلسلے میں مولانا کے دلائل میں بہر حال بہت وزن ہے۔ گوتم بدھ کے بارے میں تاریخی اعتبار سے ہمیں اس قدر معلومات ملتی ہیں کہ وہ ریاست ”کپل وستو“ کے شہزادے تھے۔ مولانا کے مطابق ”کپل“ ہی دراصل ”کفل“ ہے یعنی ہندی کی ”پ“ عربی کی ”ف“ سے بدل گئی ہے۔ اس طرح ذوالکفل کا مطلب ہے: ”کفل (کپل) والا“۔ یعنی کپل ریاست کا والی (سدھار کا بدھ یا گوتم بدھ)۔

آج جو عقائد گوتم بدھ سے منسوب کیے جاتے ہیں ان میں یقیناً بہت کچھ تحریف بھی شامل ہو چکی ہوگی۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں بھی آپؑ کے پیروکاروں نے بہت سے من گھڑت عقائد شامل کر لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ گوتم بدھ کی اصل تعلیمات الہامی ہی ہوں اور بعد کے زمانے میں ان میں تحریف کر دی گئی ہو۔ بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے دلائل کافی معقول اور ٹھوس ہیں۔

**آیت ۸۶** ﴿وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ سب صالحین میں سے تھے۔“

**آیت ۸۷** ﴿وَإِذَا النُّونُ إِذْ ذُكِّرَ مُغَاضِبًا﴾ ”اور مچھلی والے کو بھی (ہم نے نوازا) جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا“

یعنی حضرت یونسؑ۔ آپؑ کو ”مچھلی والا“ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ آپؑ کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ آپؑ کو شہر

نینوا کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ آپؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا۔ آپؑ نے بار بار دعوت دی، ہر طرح سے تبلیغ و تذکیر کا حق ادا کیا، مگر اس قوم نے آپؑ کی کسی بات کو نہ مانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپؑ حمیت حق کے جوش میں قوم سے برہم ہو کر ان کو عذاب کی خبر سنا کر وہاں سے نکل آئے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر آپؑ سے ایک ”سہو“ سرزد ہو گیا کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت آنے سے پہلے ہی اپنے مقام بعثت سے ہجرت کر لی، جبکہ اللہ کی باقاعدہ اجازت کے بغیر کوئی رسول اپنے مقام بعثت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اسی اصول اور قانون کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی، مگر آپؑ نے خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اس کی اجازت نہیں مل گئی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے قوانین بہت سخت ہیں اور اللہ کے مقرب بندوں کا معاملہ تو اللہ کے ہاں خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ اور ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ معاملہ اللہ عز و جل اور اس کے ایک جلیل القدر رسولؐ کے مابین ہے۔ اسے ہم الفاظ کے بظاہر مفہوم پر محمول نہیں کر سکتے۔ حضرت یونسؑ وہ رسول ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”مجھے یونس ابن مثنیٰ پر بھی فضیلت نہ دو“۔ بہر حال حضرت یونسؑ حمیت حق کے باعث اپنی قوم پر غضبناک ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

﴿فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ ”اور اُس نے گمان کیا کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکیں گے“

واللہ اعلم! یہ الفاظ بہت سخت ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونسؑ فی الواقع ایسا سمجھتے تھے کہ وہ بستی سے نکل کر گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی نکل گئے، بلکہ آپؑ کے طرز عمل سے یوں لگتا تھا۔ یعنی صورت حال ایسی تھی کہ دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا تھا کہ شاید آپؑ نے ایسا سمجھا تھا کہ اللہ ان کو پکڑ نہیں سکے گا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ حضرت یونسؑ کے دل میں ایسا کوئی خیال گزرا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کی ادنیٰ ترین لغزش کا ذکر بھی بہت سخت پیرایہ میں کرتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے کالمین کی تنقیص نہیں ہوتی، بلکہ جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگزاشت بھی کیوں کرتے ہیں! ”جن کے رُتبے ہیں سوا“ اُن کی سوا مشکل ہے!“

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ﴾ ”پس اُس نے (اللہ تعالیٰ کو) تاریکیوں کے اندر پکارا“

آپؑ اپنے علاقے سے نکلنے کے بعد ایک کشتی میں سوار ہوئے اور وہاں ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ آپؑ کو دریا میں چھلانگ لگانا پڑی اور ایک بڑی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ اور قعر دریا کی تاریکیوں میں آپؑ تسبیح کرتے اور اللہ کو پکارتے رہے:

﴿أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو

پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔“



اے اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، میں خطا کار ہوں، تو مجھے معاف کر دے! یہ آیت ”آیت کریمہ“ کہلاتی ہے۔ روایات میں اس آیت کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں۔ کسی مصیبت یا پریشانی کے وقت یہ دعا صدقِ دل سے مانگی جائے تو کبھی قبولیت سے محروم نہیں رہتی۔

**آیت ۸۸** ﴿فَاسْتَجِبْنَا لَهُ ۖ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۖ﴾ ”تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اُسے غم سے نجات دی۔“

﴿وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ ”اور اسی طرح ہم نجات دیا کرتے ہیں اہل ایمان کو۔“  
یعنی یہ معاملہ حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو اہل ایمان بھی ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو مصائب سے نجات دیں گے۔

**آیت ۸۹** ﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ ۖ﴾ ”اور زکریا کو جب اُس نے پکارا اپنے رب کو“  
اس بارے میں تفصیل سورہ مریم میں گزر چکی ہے۔  
﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝﴾ ”پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور یقیناً تو ہی بہترین وارث ہے۔“

اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسا وارث عطا فرما جو میرے اس مشن کو زندہ رکھ سکے۔  
**آیت ۹۰** ﴿فَاسْتَجِبْنَا لَهُ ۖ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ ۖ وَأَصْلَحْنَاهُ ۖ ذُو جَهَنَّمَ ۖ﴾ ”تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اسے یحییٰ علیہ السلام (جیسا بیٹا) عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اُس کے لیے صحت مند بنا دیا۔“  
﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ﴾ ”یقیناً یہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں میں بہت جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے رغبت اور خوف سے۔“  
اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ بین الخوف والرجاء (خوف اور امید کے درمیان) والا ہوتا تھا۔ اللہ کے مواخذے سے ڈرتے بھی تھے اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے تھے۔

﴿وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ۝﴾ ”اور وہ سب ہمارے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔“  
اوصافِ انبیاء کے اس خوبصورت گلدستے کے آخر میں اب حضرت مریم (سلام علیہا) کا ذکر آ رہا ہے۔  
**آیت ۹۱** ﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ۖ﴾ ”اور وہ خاتون جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی“  
یعنی پوری طرح سے پاک دامن رہیں۔

﴿فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا ۖ﴾ ”تو ہم نے اس میں پھونک دیا اپنی روح سے“  
یعنی حرف ”مکن“ بیٹے کی پیدائش کا ذریعہ بن گیا۔  
﴿وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾ ”اور ہم نے اُسے اور اُس کے بیٹے کو ایک نشانی بنا دیا تمام جہان والوں کے لیے۔“

**آیت ۹۲** ﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے“

اُمّتِ ابراہیم، اُمّتِ اسماعیل، اُمّتِ موسیٰ، اُمّتِ عیسیٰ، اُمّتِ محمد ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کی اُمّتیں بنیادی طور پر ایک ہی دین کی پیروکار تھیں اور یوں تمام انبیاء اور ان کے پیروکار گویا ایک ہی امت کے افراد تھے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۳ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ یعنی شروع میں تمام انسان ایک ہی امت تھے اور ایک ہی دین کے ماننے والے تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور اپنے اپنے مفادات کے مطابق صراطِ مستقیم میں سے پگڈنڈیاں نکال لیں، مختلف گروہوں نے نئے نئے راستے بنا لیے اور ان غلط راستوں پر وہ اتنی دور چلے گئے کہ اصل دین مسخ ہو کر رہ گیا اور اب ان مختلف گروہوں کے نظریات کی یہ مغایرت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ”پچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!“

یعنی آج بہت سے مذاہب کی اصلی شکل کو پہچاننا بھی ممکن نہیں رہا۔ ان کے بگڑے ہوئے عقائد کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کبھی ان کا تعلق بھی دین حق سے تھا۔ بہر حال حقیقت یہی ہے کہ تمام انبیاء و رسل ﷺ کا تعلق ایک ہی امت سے تھا۔ وہ سب ایک ہی اللہ کو ماننے والے تھے اور سب ایک ہی دین لے کر آئے تھے البتہ مختلف انبیاء کی شریعتوں کے تفصیلی احکامات میں باہم فرق پایا جاتا رہا ہے۔ یہ مضمون مزید وضاحت کے تحت سورۃ الشوریٰ میں آئے گا۔

﴿وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾ (۹۲) ”اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، لہذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو!“

**آیت ۹۳** ﴿وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ﴾ ”اور انہوں نے اپنے معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔“

بقول اقبال: ۔

اُڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ زگس نے، کچھ گل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ (۹۰) الَّذِينَ جَعَلُوا

الْقُرْآنَ عِصِينَ (۹۱) فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلَنَّهٗمْ أَجْمَعِينَ (۹۲) ”(یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے) جس طرح ہم نے ان تفرقہ بازوں کی طرف بھیجی تھی۔ جنہوں نے اپنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تو (اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے۔“ اس کیفیت کی عملی تصویر آج اُمّتِ مسلمہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ آج ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ ہر جماعت، گروہ یا مسلک کے پیروکاروں نے قرآن کا کوئی ایک موضوع اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بس اسی کی اہمیت ہے اور وہی کل دین ہے۔ مثلاً ایک گروہ قرآن میں سے چُن چُن کر صرف ان آیات کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بناتا ہے جن میں حضور ﷺ کی رفعتِ شان اور محبت کا تذکرہ ہے۔ گویا انہوں نے قرآن کا صرف وہ حصہ اپنے لیے الاٹ کر لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکہف: ۱۱۰) اور اس سے ملتے جلتے مضامین کی آیات پر ڈیرہ ڈال کر حضور ﷺ کی بشریت کو نمایاں کرنے اور مشرکانہ اوہام کی نفی کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اگر کوئی

گروہ اولیاء اللہ اور صوفیاء سے عقیدت کا دعوے دار ہے تو ان کی ہر گفتگو اور تقریر کا محور ﴿الَاِِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس) ہی ہوتا ہے۔ الغرض ہر گروہ کے ہاں کتاب اللہ کی چند آیات پر زور ہے اور باقی تعلیمات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں قرآن کو ایک وحدت کی حیثیت سے پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے جس کے لیے ہر صاحب علم کو استطاعت بھر کوشش کرنی چاہیے۔

﴿كُلُّ الْاِيْتِنَا رَاجِعُونَ﴾ ”یہ سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔“  
**آیت ۹۲** ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِۦ﴾ ”تو جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا اور وہ مؤمن بھی ہوگا تو اس کی سعی و کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ ”الشکور“ (قدردان) ہے۔ اگر کسی کے دل میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت موجود ہے تو اس کے اخلاص اور ایثار کے مطابق اس کے ہر نیک عمل کی جزادی جائے گی۔ ایسے کسی شخص کے چھوٹے سے عمل کی بھی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

رہے وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے لیکن نیکی اور بھلائی کے مختلف کام بھی کرتے ہیں تو اللہ کو ان کے ایسے کسی عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ بہر حال جو کوئی بھی نیکی کا کوئی کام اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی نیت کے بجائے محض دکھاوے یا کسی اور غرض کی بنا پر کرے گا تو اسے اس کا کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص الیکشن لڑنا چاہتا ہے اور اس کے لیے گھر گھر جا کر خیرات بانٹ رہا ہے تو اس کے اس عمل کے پیچھے اس کا خاص مقصد اور مفاد ہے نہ کہ اللہ کی رضا۔ لہذا اللہ کے ہاں ایسا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

﴿وَإِنَّا لَهُ كٰثِبُونَ﴾ ”اور ہم اُس کے لیے (اس کے اعمال کو) لکھ رہے ہیں۔“  
 خالص ہماری رضا کے حصول کے لیے یا ہمارے دین کی سربلندی کے لیے جو جہاں اور جب کوئی عمل انجام پا رہا ہے ہم اسے اپنے ہاں لکھ رہے ہیں تاکہ ایسے ہر ایک عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے۔

## آیات ۹۵ تا ۱۱۲

وَحَرَّمَ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجُ وَمَا جُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقِّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُوَيْلِنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنْكُم مِّنْهُمْ وَرَدُّوْنَ ۝ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَرَدُّوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ اِلٰهَةً مَّا وَرَدُّوْهَا ۝ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَافِرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۝ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ اَنْفُسَهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۝ هٰذَا



يَوْمَ كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۝ كَمَا بَدَأْنَا  
 أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۝ وَعُدَّا عَلَيْنَا ۝ إِنَّا كُنَّا فَعِلِينَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ  
 الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عٰبِدِينَ ۝ وَمَا  
 أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِإِلَهِكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ  
 مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ أَذْنُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَذِرِيَّ أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ مَّا  
 تُوعَدُونَ ۝ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ وَإِنْ أَذِرِيَّ لَعَلَّهُ فَتْنَةٌ  
 لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۖ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا  
 تَصِفُونَ ۝

**آیت ۹۵** ﴿وَحَرَّمَ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝﴾ ”اور حرام ہے ہر اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا کہ (وہ لوٹ آئیں) اب وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔“

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن بستیوں پر اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ نبی یا رسول کے آنے کے بعد بھی کفر و شرک سے لوٹنے والے نہیں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اتمامِ حجت کے لیے رسول تو بھیج دیتا تھا، لیکن اس کو خوب معلوم تھا کہ کفر و شرک سے ان لوگوں کے رجوع کرنے اور ایمان لانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ کے عذاب سے جو بستی ایک دفعہ برباد ہو گئی پھر اس کے دوبارہ آباد ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

**آیت ۹۶** ﴿حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝﴾ ”یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یا جوج اور ماجوج، اور وہ ہر اونچائی کے اوپر سے پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے۔“  
 قرآن میں یا جوج اور ماجوج کا ذکر اس آیت کے علاوہ سورۃ الکہف میں بھی آیا ہے۔ سورۃ الکہف کے مطالعے کے دوران اس موضوع پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ یا جوج اور ماجوج کی یلغار سے بچاؤ کے لیے ذوالقرنین کی تعمیر شدہ دیوار سے متعلق بہت واضح معلومات دنیا کے سامنے آ چکی ہیں۔ دنیا کے نقشے میں ”در بند“ وہ جگہ ہے جہاں پر وہ دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ دیوار اب وہاں بالفعل تو قائم نہیں، مگر اس کے واضح آثار اس جگہ پر موجود ہیں۔ ان آثار سے دیوار کی dimensions کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

آیت زیر نظر سے واضح ہوتا ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں یا جوج اور ماجوج کا سیلاب ایک بار پھر آنے والا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران یورپی اقوام کی یلغار (colonization) بھی اس آیت کا مصداق ہے جس کے نتیجے میں انہوں نے پورے ایشیا اور افریقہ پر بتدریج قبضہ جما لیا تھا۔ یعنی ایک ہی وقت میں فرانسیسی، ولندیزی اور برطانوی اقوام نے ملایا، انڈونیشیا، ہندوستان سمیت پورے ایشیا اور افریقہ کو غلام بنا لیا تھا۔ یہ تمام لوگ سکندے نیوین ممالک سے اتری ہوئی اقوام

کی نسل سے تھے جن کو Nordic Races کہتے ہیں اور یورپ کے White Anglo Saxons لوگ بھی انہیں کی اولاد سے ہیں۔ دراصل یہی وہ اقوام ہیں جو مختلف ادوار میں مہذب دنیا پر حملہ آور ہو کر ظلم و ستم اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتی رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں یورپی اقوام کے اس نوآبادیاتی استعمار (colonization) کو یا جوج اور ماجوج کے تسلط سے تعبیر کیا ہے:

کھل گئے یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام  
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنَسِلُون!

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بظاہر ان اقوام کی افواج کو ان مقبوضہ ممالک سے نکلنا پڑا، لیکن بالواسطہ طور پر وہ اپنے کٹھ پتلی اداروں اور افراد کے ذریعے ان ممالک پر مسلسل اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور بہت سے دیگر ملٹی نیشنل ادارے ان کے آلہ کار ہیں۔

البتہ احادیث میں قربِ قیامت کے زمانے کے حالات و واقعات کی جو تفصیل ملتی ہے اس کے مطابق قیامت سے قبل ایک دفعہ پھر یا جوج اور ماجوج کا سیلاب آئے گا۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں ایک بہت خوفناک جنگ (احادیث میں اس کا نام المَلْحَمَةُ الْعُظْمَىٰ جبکہ عیسائی روایات میں Armageddon بتایا گیا ہے) ہوگی جس میں یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے مقابل ہوں گے۔ فلسطین، شام اور مشرق وسطیٰ کا علاقہ بنیادی طور پر میدانِ جنگ بنے گا جس کی وجہ سے اس علاقے میں بہت بڑی تباہی پھیلے گی۔ اسی زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ امام مہدی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نسل اور حضرت حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور مشرقی ممالک میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور ان علاقوں سے مسلمان افواج مشرق وسطیٰ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جائیں گی۔ اس جنگ میں بالآخر فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید ہوگی جس سے آپ یہودیوں کو ختم کر دیں گے۔ آپ کی آنکھوں میں ایک خاص تاثیر (آج کی لیزر ٹیکنالوجی سے بھی مؤثر) ہوگی جس کی وجہ سے آپ کی نگاہ پڑتے ہی یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ پھر آپ دجال (جوج) ہونے کا جھوٹا دعوے دار ہوگا) کو قتل کریں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دجال بھاگنے کی کوشش میں ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس کو مقامِ لُد پر جالیں گے اور قتل کر دیں گے۔ (واضح رہے کہ Lydda اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے۔)

ان سب واقعات کے بعد یا جوج اور ماجوج کے سیلاب کی شکل میں ایک دفعہ پھر دنیا پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔ آیت زیرِ نظر میں یا جوج اور ماجوج کی یلغار کے راستوں (routes) کے لیے لفظ ”حَدَب“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اونچائی کے ہیں۔ مندرجہ بالا آراء کے مطابق جن اقوام پر یا جوج اور ماجوج کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کے علاقے ہمالیہ اور وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلوں کے شمال میں واقع ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ لوگ ان پہاڑی سلسلوں کو عبور کرتے ہوئے جنوبی علاقوں پر یلغار کریں اور یوں ”مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ“ کے الفاظ کی عملی تعبیر کا نقشہ دنیا کے سامنے آجائے۔

آیت ۹۷ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”اور قریب آگے گا

وہ سچا وعدہ تو اُس وقت کافروں کی نگاہیں پتھرا جائیں گی۔“  
انتہائی خوف کی وجہ سے انسان کی آنکھ حرکت کرنا بھول جاتی ہے۔ کفار و مشرکین قیامت کے دن اسی کیفیت سے دوچار ہوں گے۔

﴿يُولِنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ (وہ کہیں گے) ہائے ہماری شامت!  
ہم تو اس کی طرف سے غفلت میں ہی رہے بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔“  
ہم آخرت کا انکار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے تمام خبریں مل چکی تھیں لیکن ہم نے غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا اور اس طرف کبھی توجہ ہی نہ کی۔

آیت ۹۸ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاِرْدُوْنَ﴾ ”یقیناً تم لوگ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن بنو گے۔ تمہیں اس میں پہنچ کر رہنا ہے۔“  
آیت ۹۹ ﴿لَوْ كَانَ هُوَ لَآءِ الْهٰٓءِ مَا وَّرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ”اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں داخل نہ ہوتے۔ اور وہ سب کے سب اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ ”انہیں اس میں چیخنا چلانا ہوگا اور وہ اس میں کچھ سن نہیں سکیں گے۔“

ان کے معبود جو ان کے ساتھ ہی جل رہے ہوں گے وہ ان کی اس چیخ و پکار کو سن نہیں پائیں گے۔  
آیت ۱۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى﴾ ”یقیناً وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے“

﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ ”وہ اس سے دُور رکھے جائیں گے۔“  
آیت ۱۰۲ ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ ”وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔“  
سورہ مریم کی آیت ۷۱ ﴿وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاِرْدُهَا﴾ کے مطابق ایک دفعہ جہنم کا مشاہدہ تو سب کو کرایا جائے گا، لیکن پھر اس کے بعد اس کو اہل جنت سے بہت دور کر دیا جائے گا۔  
﴿وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ ”اور وہ اپنی دل پسند خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔“

تمام مرغوباتِ نفس اہل جنت کو فراہم کر دی جائیں گی اور وہ اس کیفیت میں ہمیشہ رہیں گے۔  
آیت ۱۰۳ ﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ”وہ بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی“  
قیامت کی صورت حال بہت ہی بھیا تک ہوگی۔ اگلی سورت (سورۃ الحج) کے آغاز میں قیامت کی ہولناک کیفیت کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ﴿يَآٰيُهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۚ اِنَّ زَلٰٓزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱﴾  
”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ قیامت کا زلزلہ یقیناً بہت بڑی چیز ہے۔“ لیکن آیت زیر نظر میں یہ



خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو اس سے کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی۔  
 ”فزع اکبر“ سے مراد یہاں صرف قیامت کے دن کی سختیاں ہی نہیں بلکہ زمانہ قرب قیامت کی سختیاں بھی ہیں۔ اس صورت حال کا ذکر احادیث میں کافی تفصیل سے ملتا ہے۔ ان تفصیلات کے مطابق قرب قیامت کے زمانہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف ایک بہت خوفناک جنگ لڑنا ہوگی۔ اس جنگ کے کئی مراحل ہوں گے۔ مسلمانوں کو اس میں بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن اللہ کی خصوصی مدد مسلمانوں کے شامل حال ہوگی۔ اللہ کی یہ مدد ظاہری اور مادی اسباب کی صورت میں بھی سامنے آئے گی۔ انہی اسباب میں سے ایک سبب سرزمین عرب میں ایک مجدد امام مہدی کا ظہور بھی ہوگا۔ پھر جب حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو مسلمان حضرت مسیح اور امام مہدی کی قیادت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اتحاد کا مقابلہ کریں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور افغانستان کے علاقوں میں (میرے اندازے کے مطابق اس میں پاکستان کا علاقہ بھی شامل ہوگا) اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور اس حکومت کی طرف سے مذکورہ جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے افواج بھیجی جائیں گی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آزمائش کا آخری مرحلہ یا جوج اور ماجوج کی یلغار کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اس کے بعد اسلام کا غلبہ ہوگا اور پوری دنیا میں خلافت علی منہاج النبوة قائم ہو جائے گی، جو لگ بھگ چالیس سال (مختلف روایات میں مختلف مدت مذکور ہے) تک رہے گی۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کا پانچواں دور ہوگا، جس کی خبر احادیث میں دی گئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَكُونُ النَّبُوءَةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوءَةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاصًا، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوءَةِ)) ثُمَّ سَكَتَ (۱)

”دور نبوت تم میں اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دور ہوگا، پھر وہ دور رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔ وہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی، وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا۔ پھر نبوت کے طرز پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی۔“ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

اس حدیث کی رو سے پہلا دور دور نبوت، دوسرا دور دور خلافت علی منہاج النبوة، تیسرا دور ظالم ملوکیت کا

(۱) مسند احمد، کتاب اول مسند الکوفیین، باب حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ، ح ۱۷۶۸۰۔

دور چوتھا غلامی والی ملوکیت کا دور جبکہ پانچواں اور آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوة کا ہے۔ اس خلافت کی خبر آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی دی ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ زَوَىٰ لِيَ الْأَرْضِ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيَ مِنْهَا)) (۱)

”اللہ تعالیٰ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی۔ اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔“

اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَبْقَىٰ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ بَيْتٌ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ ذُلِّ ذَلِيلٍ — إِمَّا يُعْزُهُمُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَذِلُّهُمْ لَهَا)) — قُلْتُ: ”فَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ“ (۲)

”روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھرباتی رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں — (یعنی) یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی فرماں برداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“ میں (راوی) نے کہا: تب تو سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے گا۔“

بہر حال قرآن میں موجود ”بین السطور“ اشاروں اور احادیث میں وارد صریح پیشین گوئیوں کے مطابق قیامت سے پہلے ان واقعات کا رونما ہونا طے ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعات کے اس سلسلے کا آغاز کب ہوگا۔

اس کے بعد قیامت کا مرحلہ ہوگا، لیکن قیام قیامت سے قبل ایک خوشگوار ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس مرحلے کے بعد صرف فُتاق و فُجاری دنیا میں باقی رہ جائیں گے اور انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ)) (۳)

”قیامت صرف شریروں پر ہی آئے گی۔“

”الفرع الاکبر“ اور ”زلزلة الساعة“ کی سختیوں کا سامنا بھی انہی لوگوں کو کرنا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو قیامت سے پہلے سکون و اطمینان کی موت دے کر اس دن کی سختیوں اور ہولناکیوں سے بچالے گا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض۔

(۲) مسند احمد، کتاب باقی مسند الانصار، باب حديث المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ، ح ۲۲۶۹۷۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب قرب الساعة۔

﴿وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ اور فرشتے ان سے ملاقاتیں کریں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔  
 آج آپ لوگوں کو انعامات سے نوازا جائے گا، آپ کی قدر افزائی ہوگی، خلعتیں پہنائی جائیں گی اور اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی ہوگی۔

**آیت ۱۰۴** ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے لپیٹا جاتا ہے کاغذوں کا طومار۔

یہاں پر ”السَّمَوَاتُ“ (جمع) کے بجائے صرف السَّمَاءُ (واحد) استعمال ہوا ہے جس سے اس رائے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ یہ صرف آسمان دنیا کے لپیٹے جانے کی خبر ہے اور یہ کہ قیامت کے زلزلے کا عظیم واقعہ: ﴿إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ (الحج) صرف ہمارے نظام شمسی کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگا۔ اسی نظام کے اندر موجود کُڑے آپس میں ٹکرائیں گے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (القیامہ) اور یوں یہ پورا نظام تہہ وبالا ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اُس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے طومار (scrolls) لپیٹے جاتے ہیں۔

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ جیسے ہم نے پہلی مرتبہ ابتدا کی تھی (ویسے ہی) ہم اس کا اعادہ کریں گے۔

اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے Theory of the Expanding Universe کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ اس نظریہ (Theory) کے مطابق یہ کائنات مسلسل وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہے۔ اس میں موجود ہر کہکشاں مسلسل چکر لگا رہی ہے اور یوں ہر کہکشاں کا دائرہ ہر لمحہ پھیلتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے آیت زیر نظر کے الفاظ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے لیے کائنات کے پھیلنے کے اس عمل کو الٹا دیا جائے گا اور اس طرح یہ پھر سے اسی حالت میں آجائے گی جہاں سے اس کے پھیلنے کے عمل کا آغاز ہوا تھا۔ اس تصور کو سمجھنے کے لیے گھڑی کے ”قنر“ کی مثال سامنے رکھی جاسکتی ہے جس کا دائرہ اپنے نقطہ ارتکاز کے گرد مسلسل پھیلتا رہتا ہے، لیکن جب اس میں چابی بھری جاتی ہے تو یہ پھر سے اسی نقطہ ارتکاز کے گرد لپٹ کر اپنی پہلی حالت پر واپس آ جاتا ہے۔

﴿وَعَدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔ ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔  
**آیت ۱۰۵** ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ اور ہم نے لکھ دیا تھا زبور میں نصیحت کے بعد کہ اس زمین کے وارث ہوں گے ہمارے نیک بندے۔  
 الفاظ کے مفہوم کے مطابق اس وراثت کی دو امکانی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت سے پہلے اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آجائے گا، اللہ کے نیک بندوں کی حکومت تمام روئے زمین پر قائم ہو جائے گی اور یوں وہ پوری زمین کے مالک یا وارث بن جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ قیامت کے بعد اسی زمین کو جنت



میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) یہیں پر ہوگی (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو تشریح سورہ ابراہیم: ۲۸)۔ اور یوں اللہ کے نیک بندے جنت کے وارث بنا دیے جائیں گے۔ اس مفہوم کے مطابق یہاں زمین سے مراد جنت کی زمین ہوگی۔

**آیت ۱۰۶** ﴿إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی خبر ہے (اللہ کی) بندگی کرنے والوں کے لیے۔“

**آیت ۱۰۷** ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔“

یعنی آپ کی بعثت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے عملی طور پر غلبے کے بعد آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا ہوتا، مگر آپ ﷺ تو تمام اہل عالم کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی بعثت کا مقصد قرآن میں تین مقامات (التوبہ: ۳۳، الفتح: ۲۸ اور الصف: ۹) پر ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيۡۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗۙ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗۙ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ ”وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کر دے تمام ادیان پر۔“ گویا آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تب پورا ہوگا جب دین اسلام کل روئے زمین پر غالب ہو جائے گا۔ اسی مضمون کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے:۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

نورِ توحید کا اتمام یعنی اسلام کا بطور دین کلی غلبہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تو حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں دین اسلام کے اس اقتدار کو مزید وسعت دینے کا سلسلہ بڑی شد و مد سے شروع ہوا مگر دور عثمانی میں ایک یہودی عبد اللہ بن سبائے سازش کے ذریعے عالم اسلام میں ”الفتنة الكبرى“ کھڑا کر دیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور پھر مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے نتیجے میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے ہلاک ہو گئے۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ نہ صرف غلبہ اسلام کی مزید تصدیق و توسیع کا عمل رک گیا، بلکہ بعض علاقوں سے مسلمانوں کو پسپائی بھی اختیار کرنا پڑی۔ حضور ﷺ کی بعثت چونکہ قیام قیامت کل روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ”اظہار دین الحق“ (دین حق کا غلبہ) ہے، اس لیے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک آپ ﷺ کی بعثت کا یہ مقصد بہ تمام و کمال پورا نہ ہو اور دین اسلام کل عالم انسانی پر غالب نہ ہو جائے۔ اس کا صغریٰ و کبریٰ قرآن سے ثابت ہے اور اس کی تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

**آیت ۱۰۸** ﴿قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا الْهُكْمُ لِلّٰهِ وَاحِدٌۢ ۖ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ”اے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان کو بتائیے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، تو کیا تم (اس کی) فرمانبرداری اختیار کرتے ہو؟“

**آیت ۱۰۹ ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اذْهَبْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ط﴾** ”پھر اگر یہ لوگ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تو تم سب کو یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔“

میں نے تم سب لوگوں تک برابر اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہارے سرداروں پر بھی اتمامِ حجت کر دیا ہے اور عوام کے سامنے بھی حق واضح انداز میں پیش کر دیا ہے۔ الغرض تمہارے معاشرے کا کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، کوئی امیر اور کوئی غریب فرد ایسا نہیں جس تک میری یہ دعوت نہ پہنچی ہو۔ لہذا جو کام اللہ نے میرے ذمے لگایا تھا میں نے اپنی طرف سے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

**﴿وَإِنْ أَدْرِيْٓ أَقَرِیْبٌ أَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوعَدُونَ ۝۱۰۹﴾** ”اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔“

تم لوگوں کو جو وعید سنائی جا رہی ہے، جس عذاب یا قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق تم لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے، اس کے بارے میں کوئی ”ٹائم ٹیبل“ میں تم لوگوں کو نہیں دے سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ کا وہ وعدہ کب پورا ہوگا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اپنے کرتوتوں کے نتائج و عواقب بہر حال تم لوگوں کو بھگتنے ہوں گے۔

قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں قطعی علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، البتہ قرآن میں جا بجا قیامت اور آثارِ قیامت کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ احادیثِ نبویہ کی کتاب الملاحم، کتاب اشراط الساعة اور کتاب الفتن کے اندر بھی قرب قیامت کے زمانہ کے حالات و واقعات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں سابقہ الہامی کتب کے اندر بھی بہت سی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کتب میں بڑی حد تک رد و بدل کر دیا گیا ہے، لیکن ان کی بعض عبارات اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کے حوالے سے بائبل کی آخری کتاب Book of Revelation بھی بہت اہم ہے جو حضرت یوحنا (John) کے مکاشفات پر مشتمل ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پیغمبر (یوحنا: John the Baptist) کے ہم نام تھے۔ ماضی قریب کی شخصیات میں Nostradamous، نعمت شاہ ولی، گاندھی جی (ان کی ذاتی ڈائری کی دریافت کے بعد یہ پیشین گوئیاں سامنے آئی ہیں) اور وائن برگر کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ اس سب کچھ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا پر بہت مشکل حالات آنے والے ہیں۔ آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں، لیکن اس کے وقوع کے بارے میں قطعی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

**آیت ۱۱۰ ﴿إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝۱۱۰﴾** ”یقیناً وہی جانتا ہے بلند آواز سے کہی گئی بات کو بھی اور اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔“

**آیت ۱۱۱ ﴿وَإِنْ أَدْرِيْٓ لَعَلَّہٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝۱۱۱﴾** ”اور میں نہیں جانتا، شاید کہ (اس تاخیر

میں) تمہارے لیے کوئی آزمائش ہو اور کچھ مدت تک تمہیں فائدہ (اٹھانے کی مہلت) دینا مقصود ہو۔“  
 شاید اس عذابِ موعود کے واقع ہونے میں تاخیر کی وجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کچھ عرصہ اور رہنے  
 بسنے کی مہلت دے کر تم لوگوں کو مزید آزمانا چاہتا ہو اور اس کے لیے وہ تم لوگوں کو مزید Fresh lease of  
 existence عطا کر دے۔ لیکن بالآخر ہوگا وہی جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عذاب کا  
 آنا ایک شدنی امر ہے اور وہ آکر رہے گا۔

**آیت ۱۱۲ ﴿قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ﴾** ”رسولؐ نے کہا: پروردگار! اب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔“  
 چونکہ کفار کے ساتھ کش مکش اور رد و کدح کا سلسلہ بہت طوالت اختیار کر گیا تھا، اس لیے خود حضور ﷺ بھی  
 چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب آخری فیصلہ آ جانا چاہیے۔

﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝۱۱۳﴾ ”اور ہمارا رب رحمن ہے جس سے مدد طلب  
 کی جاتی ہے اُن باتوں کے خلاف جو تم بنا رہے ہو۔“

اس فرمان کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں۔ گویا حضور ﷺ مشرکین کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ اے گروہ  
 منکرین! تم لوگوں کی مخالفت، ہٹ دھرمی اور سازشوں کے خلاف میں اپنے پروردگار سے مدد کا طلب گار ہوں جو  
 مجھ پر بہت مہربان ہے۔ چنانچہ پچھلے کئی برس سے جو رویہ تم لوگ میرے خلاف، میری دعوت کے خلاف اور میرے  
 پیروکاروں کے خلاف اپنائے بیٹھے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ یقیناً ہماری مدد فرمائے گا اور تم لوگوں کو  
 تمہارے کرتوتوں کی قرار واقعی سزا دے گا۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۝۰



# سُورَةُ الْحَجِّ

## تمہیدی کلمات

سورة الحج کو بعض مفسرین مدنی سورت مانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں منافقین کا ذکر بھی ہے اور جہاد و قتال کے احکام بھی ہیں اور یہ دونوں موضوعات مدنی سورتوں میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورت کی بعض آیات کی سورة البقرة (مدنی) کی آیات کے ساتھ بہت گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس ضمن میں مجھے ان مفسرین سے اتفاق ہے جو اسے مکی سورت قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس کی کچھ آیات یا تو سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں یا حضور ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد (مطالعہ کے دوران متعلقہ آیات کی نشان دہی کی جائے گی)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آیات مکی آیات سے مختلف نظر آتی ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۱۰

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهِلُ كُلُّ مَرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَٰنٍ مَّرِيدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُّخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّ لَكُمْ وَنَقَرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلِّغُوا أَشَدَّكُمْ ۝ وَمِنْكُمْ مَّن يَتُوفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۝ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأُتْبِتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخَيِّبُ الْبَاطِلَ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۝ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٌ مُنِيرٌ ۚ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ  
وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَلِكُمْ بِمَا قَدَّمْتُ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْبَاطِلِينَ

لِّلْعَبِيدِ

**آیت ۱** ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝﴾ ”اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے رب کا یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہوگا۔“

سورۃ الانبیاء کا اختتام ”الفرع الاکبر“ (قیامت کی عظیم پریشانی) کے تذکرے پر ہوا تھا۔ اب سورۃ الحج کا آغاز بھی اسی کیفیت کے ذکر سے ہو رہا ہے۔

**آیت ۲** ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ﴾ ”جس دن تم اُس کو دیکھو گے اس دن (حال یہ ہوگا کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جسے وہ دودھ پلاتی تھی“

ماں کی مامتا کا جذبہ ضرب المثل ہے۔ ایک ماں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے اور اس پر کسی صورت آنچ نہیں آنے دیتی۔ اپنے بچے سے محبت کا یہ جذبہ حیوانوں میں بھی اسی شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ البتہ قیامت کا دن ایسا سخت ہوگا کہ اس کے خوف و ہراس کے باعث دودھ پلانے والی مائیں چاہے وہ انسان ہوں یا حیوان اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔

﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمَلٍ حَمْلَهَا﴾ ”اور (دہشت کا عالم یہ ہوگا کہ) ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا“  
﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝﴾ ”اور تم دیکھو گے لوگوں کو جیسے وہ نشے میں ہوں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہے۔“  
وہ گھڑی ایسی خوف ناک ہوگی کہ اس کی دہشت سے لوگ بے سدھ پڑے نظر آئیں گے۔ بہر حال حدیث میں واضح طور پر یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومنین صادقین بندوں کو اس دن کی سختیوں سے دور رکھیں گے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

**آیت ۳** ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝﴾ ”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی علم کے اور وہ پیروی کر رہے ہوتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔“

آج کے نام نہاد مذہبی سکالرز اور دانشور بھی اس آیت کا مصداق ہیں جو عملی طور پر غیر مسلم مغربی تہذیب کی نقالی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ ذہنی طور پر مغربی افکار و نظریات سے مرعوب ہیں اور ان نظریات کا ہر طریقے سے پرچار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حدیث کی ضرورت و اہمیت کے سرے سے منکر ہیں۔ ان کی روشن خیالی انہیں باور کراتی ہے کہ قرآنی احکام صرف ایک زمانے تک قابل قبول تھے اور انسان کے لیے ہمیشہ ان کا پابند رہنا ممکن نہیں۔ لہذا نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق قرآنی آیات کو (معاذ اللہ!) over rule

کر کے اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک ایسے ہی پاکستانی سکالر تھے جو McGill یونیورسٹی (مانٹریال، کینیڈا) سے فارغ التحصیل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن آنحضور ﷺ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کا بھی۔ اسی قبیل کے ایک ایرانی سکالر سید حسین نصر بھی ہیں۔ ایسے لوگ یہودی اداروں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتے ہیں اور پھر ساری عمر یہودیوں سے حق و فاداری نبھانے میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وائٹ ہاؤس سے بھی خصوصی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

**آیت ۴** ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ﴾ ”اس (شیطان) کے بارے میں تو لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اس کی دوستی اختیار کرے گا وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا“

﴿وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ ”اور اس کو پہنچا کر رہے گا دوزخ کے عذاب تک۔“

**آیت ۵** ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبُعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّن تَرَابٍ﴾ ”اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں شک ہے تو (ذرا غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا“

انسانی جسم کی اصل مٹی ہے۔ اس کی غذا بھی نباتات اور معدنیات کی شکل میں مٹی ہی سے آتی ہے۔ اگر وہ کسی جانور کا گوشت کھاتا ہے تو اس کی پرورش بھی مٹی سے حاصل ہونے والی غذا سے ہی ہوتی ہے۔

﴿ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ﴾ ”پھر نطفے سے“

اور یہ مادہ بھی اسی جسم کی پیدوار ہے جو مٹی سے بنا اور مٹی سے فراہم ہونے والی غذا پر پلا بڑھا۔

﴿ثُمَّ مِّن عَلَقَةٍ﴾ ”پھر علقہ سے“

عام طور پر ”علقہ“ کا ترجمہ ”جما ہوا خون“ کیا جاتا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس لفظ کی وضاحت سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ کے ضمن میں آئے گی۔

﴿ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُّخَلَّقَةٍ﴾ ”پھر گوشت کے لوتھڑے سے“ واضح شکل والا اور غیر واضح شکل والا“

پہلے مرحلے میں اس لوتھڑے پر کسی قسم کے کوئی نشانات نہیں تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مختلف مقامات پر نشانات بننے لگے۔ بازوؤں اور ٹانگوں کی جگہوں پر دو دو نشانات بنے اور اسی طرح دوسرے اعضاء کے نشانات بھی ابھرنا شروع ہوئے۔

﴿لِّنُبَيِّنَ لَّكُمْ﴾ ”تا کہ ہم کھول کھول کر بیان کر دیں تمہارے لیے“

تا کہ رحم مادر میں انسانی جنین پر گزرنے والے مختلف مراحل کے بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ تم لوگوں کو بتا دیا جائے۔ تعارف قرآن (بیان القرآن جلد اول) کے باب پنجم میں علم جنین (Embryology) کے ماہر سائنسدان کیتھ ایل مور (کینیڈا) کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس مضمون پر اس شخص کی ٹیکسٹ بکس دنیا بھر میں مستند مانی جاتی ہیں اور یونیورسٹی کی سطح تک پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قرآن نے رحم مادر میں جنین کے مختلف مراحل کو جس طرح بیان کیا ہے اس موضوع پر دستیاب معلومات کی اس سے بہتر تعبیر ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں وہ



اس امر پر حیرت کا اظہار بھی کرتا ہے کہ صدیوں پہلے قرآن میں ان مراحل کا درست ترین تذکرہ کیونکر ممکن ہوا۔  
 ﴿وَنُقْرِئُكَ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں رحموں کے اندر جو ہم چاہتے ہیں ایک وقت معین تک“

یعنی رحم کے اندر حمل ویسا ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ صرف وہی کرتا ہے کہ وہ بچہ مذکر ہوگا یا مؤنث، ذہین و فطین ہوگا یا کند ذہن، خوبصورت ہوگا یا بد صورت، تندرست و سالم ہوگا یا بیمار و معذور۔ اس معاملے میں کسی کی خواہش یا کوشش کا سرے سے کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس مضمون کے بارے میں سورۃ المؤمنون کے پہلے رکوع میں مزید تفصیل بیان ہوگی۔

﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ﴾ ”پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں چھوٹے سے بچے کی صورت میں، پھر تم پہنچتے ہو اپنی جوانی کو۔“

﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ ”اور تم میں وہ بھی ہیں جو پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو نکمٹی عمر تک لوٹائے جاتے ہیں کہ اُسے کچھ بھی علم نہ رہے سب کچھ جاننے کے بعد۔“

”أَرْذَلِ الْعُمُرِ“ کی کیفیت سے حضور ﷺ نے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ بڑھاپے میں بعض اوقات ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ انسان demencia کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اس کی ذہنی صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں یا دداشت زائل ہو جاتی ہے اور وہی انسان جو اپنے آپ کو کبھی سقراط اور بقراط کے برابر سمجھتا تھا، بچوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے۔ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھالے۔ میں نے ذاتی طور پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مرحوم کو بڑھاپے کی اس کیفیت میں دیکھا ہے۔ آخری عمر میں ان کی کیفیت ایسی تھی کہ نہ زندوں میں تھے نہ مردوں میں۔ دیکھنے والے کے لیے مقام عبرت تھا کہ ایک ایسا شخص جو اعلیٰ درجے کا خطیب تھا اور اس کے قلم میں بلا کا زور تھا، عمر کے اس حصے میں بے چارگی و بے بسی کی تصویر بن کر رہ گیا تھا اور اپنے پاس بیٹھے لوگوں کو پہچاننے سے بھی عاجز تھا۔ میں اس زمانے میں انہیں ملنے کے لیے ان کے پاس جاتا تھا مگر ایک حسرت لے کر واپس آ جاتا تھا۔

مولانا صاحب کی تفسیر ”تذکر قرآن“ بلاشبہ بہت اعلیٰ پائے کی تفسیر ہے۔ اس میں انہوں نے ”نظام القرآن“ کے حوالے سے اپنے استاد حمید الدین فراہی کی فکر اور ان کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ میں نے ذاتی طور پر اس تفسیر سے بہت استفادہ کیا ہے، لیکن مجھے مولانا سے بہت سی باتوں میں اختلاف بھی تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ رحم کی سزا سے متعلق رائے دینے میں ان سے بہت بڑی خطا ہوئی ہے۔ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النور، تشریح آیت ۲) اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ مولانا کا ذکر ہوا ہے تو ان کے لیے دعا بھی کیجیے: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَأَدْخِلْهُ فِي رَحْمَتِكَ وَحَسَبُهُ حِسَابًا يَسِيرًا۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَهُ وَآكْرِمْ مَنْزِلَهُ وَالْحَقُّهُ بِعِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔ آمین یا ربّ العالمین!

زیر نظر آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کریں۔ یہاں انسانی زندگی کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر بعث بعد الموت کے منکرین کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ ہماری قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہو تو تم اپنی زندگی اور اس کے مختلف مراحل پر غور کرو۔ دیکھو! تمہاری ابتدا مٹی سے ہوئی تھی۔ اس مٹی سے پیدا ہو کر تم لوگ کس کس منزل تک پہنچتے ہو اور پھر آخر مر کر دوبارہ مٹی میں مل جاتے ہو۔ جس اللہ نے تمہیں یہ زندگی بخشی، تمہیں بہترین صلاحیتوں سے نوازا، جس کی قدرت سے انسانی زندگی کا یہ پیچیدہ نظام چل رہا ہے، کیا تم اُس کی قدرت اور خلاقیت کے بارے میں شک کر رہے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ اپنی زندگی کی اس مثال سے اگر حقیقت تم پر واضح نہیں ہوئی تو ایک اور مثال پر غور کرو:

﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ ”اور تم دیکھتے ہو زمین کو خشک (اور ویران) پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلاتی ہے اور اُبھرتی ہے“

اهتزاز کے معنی حرکت اور جنبش کرنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ تَهْتَزُّ سورة النمل آیت ۱۰ اور سورة القصص آیت ۳۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے بارے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب اپنا عصا زمین پر رکھا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے چلنے لگا۔ چنانچہ یہاں ”اهْتَزَّتْ“ کا مفہوم یہ ہے کہ بارش کے اثرات سے زمین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی، مردہ زمین یکا یک زندہ ہو گئی اور اس میں حرکت پیدا ہو گئی۔ مختلف نباتات کی اُن گنت کونپلیں جگہ جگہ سے زمین کو پھاڑ کر باہر نکلتا شروع ہو گئیں اور پھر وہ سبزہ لمحہ بہ لمحہ نشوونما پانے لگا۔

﴿وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ﴾ ”اور قسم قسم کی تروتازہ چیزیں اُگا دیتی ہے۔“

نباتات کی زندگی کا دورانیہ (cycle) بہت مختصر ہوتا ہے اس لیے تم اکثر اس کا مشاہدہ کرتے ہو۔ اپنے اسی مشاہدے کی روشنی میں تم لوگ اگر اپنی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لو گے تو تمہیں انسانی اور نباتاتی زندگی میں گہری مشابہت نظر آئے گی۔ مردہ زمین میں زندگی کے آثار پیدا ہونے، نباتات کے اگنے، نشوونما پانے، پھولنے پھلنے اور سوکھ کر پھر بے جان ہو جانے کا عمل گویا انسانی زندگی کے مختلف مراحل مثلاً پیدائش، پرورش، جوانی، بڑھاپے اور موت ہی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس میں صرف دورانیے کا ہی فرق ہے۔ نباتاتی زندگی کا دورانیہ چند ماہ کا ہے جبکہ انسانی زندگی کا دورانیہ عموماً پچاس، ساٹھ، ستر یا اسی سال پر مشتمل ہے۔

آیت ۶ ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ ”یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے“

اللہ تعالیٰ کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

﴿وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(یا کرے گا) اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

بارش کے پانی سے مردہ زمین کے یکا یک زندہ ہو جانے کا منظر تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دن تم لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرے گا۔

آیت ۷ ﴿وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ ”اور یہ کہ قیامت

آکر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان کو قبروں میں ہیں۔“  
بعث بعد الموت کا یہ واقعہ لازماً ہو کر رہے گا۔

**آیت ۸** ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝﴾ ”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے حالانکہ نہ اُس کے پاس علم ہے نہ کوئی ہدایت ہے اور نہ کوئی روشن کتاب ہے۔“

ایسے لوگ بغیر کسی علمی دلیل اور الہامی رہنمائی کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

**آیت ۹** ﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۝﴾ ”(تکبر سے) اپنی کروٹ موڑ کر (چل دیتا ہے) تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرے۔“

﴿لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝﴾ ”اُس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔“

**آیت ۱۰** ﴿ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾ ”(اور اسے کہا جائے گا کہ) یہ سب کچھ تیرے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

## آیات ۱۱ تا ۲۴

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نِفْعَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ يَدْعُوا لَمَن ضُرُّهُ أَقْرَبُ مِن نَّفْعِهِ ۚ لَيْسَ الْبَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝ مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّنْ يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۚ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۚ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن



مُكْرِمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ هَذِهِ خُصْمٌ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۝ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۝ وَلَهُمْ مَقَامٌ مِّنْ حَدِيدٍ ۝ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ وَهَدُوءًا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهَدُوءًا إِلَى صِرَاطِ الْحَيِّدِ ۝

**آیت ۱۱** ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ ”اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔“

انسانی دل کے اس روگ کی نشان دہی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے: ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ”ان کے دلوں میں مرض ہے۔“ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کا ساتھ دینا تو چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے اپنی جان جو کھوں میں ڈالنے کو تیار نہیں۔ وہ گہرے پانی میں جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے کنارے پر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مبادا کہ اس سفر میں کوئی گزند پہنچ جائے یا کوئی مالی نقصان اٹھانا پڑ جائے۔ وہ لوگ بڑی چالاکی کے ساتھ اس قسم کے سب خطرات سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھ کر حق کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں، لیکن اس راستے میں ایسا طرز عمل قابل قبول نہیں ہے۔ یہ تو سراسر قربانی کا راستہ ہے۔ اس راستے میں اپنی جان اور اپنے مال کو بچا بچا کر رکھنے والے فرزانوں کی نہیں بلکہ قدم قدم پر قربانیاں دینے والے دیوانوں کی ضرورت ہے۔ اسی فلسفے کو اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں!

ایسے لوگوں کے مقابلے میں دوسری طرف کچھ وہ لوگ ہیں جو حق کو قبول کرتے ہی یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے منجد ہار میں کود پڑتے ہیں: ”ہرچہ بادا بادا کشتی در آب انداختیم!“ کہ اب جو ہو سو ہو، ہم تو حق کی اس کشتی میں سوار ہو کر اسے دریا میں ڈال چکے ہیں۔ اب یہ تیرے گی تو ہم بھی تیریں گے اور اگر اس راستے میں ہماری جان بھی چلی جائے تو ہم اس قربانی کے لیے بھی تیار ہیں۔

﴿فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ﴾ ”تو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس پر مطمئن رہتا ہے۔“

﴿وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ﴾ ”اور اگر اسے کوئی آزمائش آجائے تو اپنے منہ کے

بل الٹا پھر جاتا ہے۔“

ایسے لوگ موافق حالات میں تو ہر کام میں اہل ایمان کے ساتھ شریک رہتے ہیں، لیکن اگر کہیں اللہ کی راہ

میں نکلنے کا مرحلہ آجائے یا کسی اور قربانی کا تقاضا ہو تو چپکے سے واپسی کی راہ لے لیتے ہیں۔  
 ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ ”وہ خسارے میں رہا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“  
 ﴿ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ ”یہی تو کھلا خسارہ ہے۔“

یہ بہت ہی نمایاں اور واضح بتا ہی ہے۔

اس آیت میں منافقانہ کردار کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس سورت میں جہاد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ منافقت اور جہاد چونکہ مدنی سورتوں کے موضوعات ہیں اس لیے سورۃ الحج کو بعض مفسرین مدنی سورت مانتے ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ کمی ہے۔ تفسیر طبری میں منقول جبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ اس سورت کی کچھ آیات (۳۸ تا ۴۱) اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان آیات کو ”برزخی آیات“ کہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ سورۃ الحج کو اس بنا پر بھی مدنی سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بعض آیات کی سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ اور سورۃ الحج کی آخری آیت میں ”شہادت علی الناس“ کا مضمون بالکل ایک جیسے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اسی طرح زیر نظر آیت میں منافقین کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ اس کیفیت سے بہت مشابہت رکھتی ہے جس کا نقشہ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں کھینچا گیا ہے کہ جب بجلی چمکتی ہے تو یہ لوگ کچھ چل پھر لیتے ہیں لیکن جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ بہر حال مدینہ میں حضور ﷺ کے سامنے منافقین کا بالکل وہی حال تھا جس کی تصویر سورۃ البقرۃ کی مذکورہ تمثیل اور زیر مطالعہ آیت میں دکھائی گئی ہے۔ جب کسی جنگ یا کسی مہم کا تقاضا نہ ہوتا تو یہ لوگ حضور ﷺ کی محفل میں باقاعدگی سے حاضر ہوتے اور بڑے بڑے دعوے کرتے، مگر جو نہی کسی قربانی کا مرحلہ آتا تو گویا اوندھے منہ گر پڑتے تھے۔ دعا کریں کہ اللہ ہمیں اس بیماری سے بچائے اور اقامت دین کی جدوجہد میں پورے خلوص کے ساتھ ہمہ تن اور ہمہ وجہ اپنے آپ کو جھونک دینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین!)

**آیت ۱۲** ﴿يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَمَا لَا يَضُرُّهُ﴾ ”وہ پکارتا ہے اللہ کے سوا اُن کو جو نہ اسے کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں۔“

﴿ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾ ”یہی ہے بہت دور کی گمراہی۔“

**آیت ۱۳** ﴿يَدْعُوا لِمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ﴾ ”وہ پکارتا ہے اس کو جس کا ضرر اس کے نفع سے قریب تر ہے۔“

اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کا درجہ دے کر پکارے گا تو اس سے اس کو کچھ نفع تو ملنے والا نہیں ہے البتہ اس سے نقصان اسے بہر حال مل کر رہے گا۔

﴿لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ﴾ ”بہت ہی بُرا ہے وہ مددگار اور بہت ہی بُرا ہے وہ رفیق۔“

**آیت ۱۴** ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

”یقیناً اللہ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اُن باغوں میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ ”یقیناً اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

اُس کے اختیارات غیر محدود ہیں۔ وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”جس شخص کو یہ گمان ہو کہ اللہ ہرگز اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں“

﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ﴾ ”تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسی آسمان کی طرف

تانے پھر اسے کاٹ دے“

﴿فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ﴾ ”پھر دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس چیز کو دور کر دیتی

ہے جو اسے غصہ میں لاتی ہے!“

یہ آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور مختلف مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں اس کی تعبیر کی ہے۔ میرے نزدیک ”موضح القرآن“ میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی تعبیر سب سے بہتر ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو پورے اخلاص کے ساتھ ہمہ وقت دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اس رستے میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اللہ سے مسلسل امید رکھتا ہے کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ لیکن خدا نخواستہ کسی مرحلے پر اگر وہ اللہ کی مدد سے مایوس ہو جائے تو اس کی یہ کیفیت اس کے لیے ناکامی کا باعث بن جائے گی۔ چنانچہ اللہ کے راستے میں جدوجہد کرنے والوں کو رع ”پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ“ کے مصداق کبھی بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور اللہ کی مدد سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ سورۃ الزمر کی آیت ۵۳ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر کسی خوش قسمت انسان کو اللہ کے رستے میں جدوجہد کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے تو اسے اللہ کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی چاہیے۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے فیصلے اس کی اپنی مشیت کے مطابق ہوتے ہیں اور اس کی مشیت میں بندوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ بندوں کو تو بس یہ چاہیے کہ وہ اپنے اپنے حصے کی کوشش کریں اور اس کے وعدوں پر پختہ یقین رکھیں۔ جیسے اس کے بہت سے وعدوں میں سے ایک خوش کن وعدہ یہ بھی ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ۶۹) ”اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے، ہم لازماً انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔“ چنانچہ داعیانِ حق کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس کے حضور یوں التجا کرتے رہنا چاہیے: ﴿إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (آل عمران) ”یقیناً تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا“۔ ہمیں یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ تو اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا، بلکہ ہمیں یہ فکر دامن گیر ہے کہ ہم تیرے وعدوں کا مصداق بننے میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ اس کے لیے جو شرائط مطلوب ہیں وہ شرائط ہم پوری کر بھی سکیں گے یا نہیں!



آیت زیر نظر میں یہ نکتہ سمجھانے کے لیے ایک شخص کی مثال دی گئی ہے جس نے اپنے اوپر ایک رسی (اللہ کی طرف سے امید) کو تھاما ہوا ہے۔ وہ شخص اگر کسی مرحلے پر مایوس ہو کر خود ہی رسی کو چھوڑ دے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ جیسے ایک حدیث میں قرآن کو اللہ کی رسی قرار دیا گیا ہے ☆ ایسے ہی اللہ کی امید بھی ایک معنوی رسی ہے جو ہمیں اللہ کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہے۔ جب تک یہ رسی ہمارے ہاتھ میں رہے گی اللہ سے ہمارا تعلق قائم رہے گا اور ہمارے لیے ایک سہارا موجود رہے گا۔ اگر ہم اس رسی کو کاٹ دیں گے یعنی اللہ سے اپنی اُمید منقطع کر لیں گے تو اس مضبوط سہارے کو گویا خود ہی اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔ ایسا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ ہم بے یار و مددگار ہو جائیں گے (زمین پر اوندھے منہ گر جائیں گے)۔ چنانچہ اس آیت کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی نصرت کی امید اور اس کے وعدوں پر یقین رکھو یہ تمہارے لیے بہت مضبوط سہارا ہے۔

**آیت ۱۶** ﴿وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ۝﴾ ”اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے اس (قرآن) کو روشن نشانیوں کی شکل میں اور یہ کہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“  
اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہے کہ ”اللہ ہدایت دیتا ہے اُس کو جو (ہدایت حاصل کرنا) چاہتا ہے۔“

**آیت ۱۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۝﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو (محمد ﷺ پر) ایمان لائے ہیں اور جو یہودی، مجوسی اور عیسائی ہیں اور جن لوگوں نے شرک کی روش اختیار کی ہے“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝﴾ ”یقیناً اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

یعنی ہر چیز اور ہر انسان کے دل کی کیفیت اُس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

**آیت ۱۸** ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۝﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سربسجود ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں“

﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۝﴾ ”اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور لوگوں میں سے بھی بہت سارے۔“

انسانوں کے علاوہ باقی تمام مخلوقات قانونِ خداوندی اور تکوینی نظام کے اصول و ضوابط کی پابند اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں مصروف عمل ہیں، البتہ اس سلسلے میں انسانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ سب کے سب ایک سے نہیں ہیں۔ انسانوں کو جو محدود آزادی ملی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ اللہ سے بغاوت

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللَّهِ هُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَمْدُودُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)) ”اللہ کی کتاب ہی اللہ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔“ (الجامع الصغير للسيوطی، ح: ۶۲۲۰۔ السلسلة

الصحيحة للألبانی، ح: ۲۰۲۴۔ راوی: ابو سعید الخدریؓ)

کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں مثلاً سورج، چاند اور درختوں تک کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو ہدایت اور اپنی معرفت عطا فرماتا ہے وہ صرف اسی کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔

﴿وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ ”اور بہت سے (انسان) ایسے ہیں جو عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔“

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ ”اور جس کو اللہ ہی رسوا کر دے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔“

اللہ نے تو انسان کو ”خليفة الله في الارض“ کا مقام عطا کیا تھا، اسے مسجود ملائک بنایا تھا۔ اب اگر کوئی انسان اپنے آپ کو خود ہی اس مقام رفیع سے نیچے گرا دے اور مخلوق کے سامنے اپنا سر جھکا کر خود کو ذلیل و رسوا کر لے تو اسے تکریم انسانی کیونکر حاصل ہوگی!

﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ ”یقیناً اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

اس آیت کے اندر مختلف چیزوں کے تذکرے میں اوپر سے نیچے کی طرف ایک خوبصورت ترتیب و تدریج پائی جاتی ہے۔ سورج سب سے بڑا ہے اس کے بعد چاند اس کے بعد ستارے جو بظاہر چاند سے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ پھر نیچے زمین پر پہاڑ سب سے بلند ہیں، پھر درخت، پھر چوپائے اور آخر پر انسان۔

آیت ۱۹ ﴿هَٰذِهِ خُصْمٌ لِّهِمْ﴾ ”یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔“

یہ سورت چونکہ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھی اس لیے ان گروہوں سے مکہ کے دو گروہ مراد ہیں۔ یعنی ایک مومنین کا گروہ جو حضور ﷺ پر ایمان لا چکا تھا اور دوسرا وہ گروہ جو اب تک آپ ﷺ کی مخالفت پر اڑا ہوا تھا۔ (قبل ازیں آیت ۱۱ کے ضمن میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ سورۃ الحج مکی سورت ہے، البتہ اس کی کچھ آیات ایسی ہیں جو سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں تھیں۔)

﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ ”تو جو لوگ انکار کر رہے ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے۔“

کپڑے کو قطع کرنے کا ذکر کر کے لباس تیار کرنے کے عمل کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح درزی پہلے مطلوبہ ناپ کے مطابق کپڑے کو کاٹتا ہے اور پھر لباس تیار کرتا ہے اسی طرح منکرین حق کے لیے جہنم کی آگ سے لباس تیار کیے جائیں گے۔

﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ﴾ ”ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔“

آیت ۲۰ ﴿يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ﴾ ”اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں کے اندر ہے سب

گل جائے گا اور ان کی کھالیں بھی۔“

آیت ۲۱ ﴿وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ﴾ ”اور ان (کی سرکوبی) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔“

آیت ۲۲ ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا﴾ ”جب بھی وہ چاہیں گے کہ اس

میں سے نکل جائیں غم کے مارے تو انہیں اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا۔“

﴿وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ”اور (ان سے کہا جائے گا کہ) چکھو اب مزہ اس جلانے والے

عذاب کا۔“

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے انکار کی پاداش میں اب یہ عذاب ہمیشہ کے لیے تمہارا مقدر ہے۔ اب تم نے

اسی میں رہنا ہے۔ منکرین کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اب دوسرے گروہ یعنی اہل ایمان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

”یقیناً اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ایسے باغات میں جن

کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔“

﴿يَحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسْوَدٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْ لَوَّا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ ”پہنائے جائیں گے

اس (جنت) میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔“

دنیا میں ریشم پہننا مردوں کے لیے حرام ہے مگر جنتیوں کے لباس خصوصی طور پر ریشم سے تیار کیے جائیں

گے۔ اوپر والا لباس باریک ریشم کا ہوگا جبکہ اس کے نیچے گاڑھے ریشم کا۔

آیت ۲۴ ﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”اور ان کی راہنمائی کر دی گئی ہے بہترین بات کی طرف“

یہاں بہترین بات سے مراد کلمہ طیبہ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہو سکتا ہے یا پھر یہ کلمہ: سُبْحَانَ

اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

﴿وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ ”اور ان کی راہنمائی کر دی گئی ہے الحمید (اللہ) کی راہ کی طرف۔“

انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی ہدایت دی گئی ہے جو سب تعریفوں کے لائق ہے اور وہ اس راستے پر چلتے

ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ﴿فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ﴾ (الواقعہ) کے اندر پہنچ جائیں گے۔

## آیات ۲۵ تا ۳۳

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَاكِ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ۚ وَادِّ

بُونَا لِابْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ



وَالرَّكْعَ السُّجُودَ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَيْمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ ۝ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفْتَهُمْ وَلِيُؤْفُوا أُنْدُورَهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَلِكَ ۚ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأَحَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنْفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۖ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَلِكَ ۚ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

ع

یہ دو رکوع مناسک حج کے بارے میں ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے چوبیسویں اور پچیسویں رکوع میں بھی مناسک حج کا تذکرہ ہے مگر وہاں پر قربانی کا ذکر نہیں ہوا۔ صرف قبل از وقت سرمنڈوانے کی صورت میں کفارے کے طور پر جانور ذبح کرنے (دم جنایت) اور حج و عمرہ کو جمع کرنے (قران یا تمتع) کی صورت میں دم شکر کا تذکرہ ہے۔ لیکن یہاں قربانی اور طواف کا خاص طور پر ذکر ہے۔

**آیت ۲۵** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے“

کفار مکہ کی مخالفانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے جن کے باعث مسلمان نہ صرف جوار بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے بلکہ ایک عرصے تک حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے سے محروم بھی رہے۔

﴿الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً ۖ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۖ﴾ ”جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے مساوی قرار دیا ہے، خواہ اس میں مقیم ہوں یا باہر سے آنے والے۔“

ان دونوں اقسام کے لوگوں کے لیے ”مقیم“ اور ”آفاقی“ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ چنانچہ مقیم ہو یا آفاقی حرم کے اندر سب کے حقوق برابر ہیں، کسی کو کسی پر ترجیح یا برتری نہیں دی جاسکتی۔ اب بھی وہاں پر یہ مساوات برقرار ہے۔ باہر سے آنے والا کوئی شخص پہلی صف میں بیٹھا ہو تو اسے کوئی وہاں سے نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ کوئی ناجائز طریقے سے اپنے لیے کوئی رعایت حاصل کر لے یا حکومتی سطح پر کسی کو وی آئی پی قرار دے کر دوسروں کے حقوق متاثر کیے جائیں تو یہ الگ بات ہے۔

﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ﴾ ”اور جو کوئی ارادہ کرے اس میں کسی ٹیڑھی راہ کا ظلم کے ساتھ“ بیت اللہ کے اندر جو کوئی اپنی شرارت نفس کی بنا پر یا ظلم و ناانصافی کی روش پر چلتے ہوئے کسی بے دینی کے ارتکاب کوئی کجی پیدا کرنے یا لوگوں کو سیدھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا:

﴿ثَذِّقَهُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ﴾ (۲۵) ”اسے ہم مزہ چکھائیں گے دردناک عذاب کا۔“  
**آیت ۲۶** ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ ”اور جب ہم نے معین کردی ابراہیمؑ کے لیے اپنے اس گھر کی جگہ۔“

حضرت ابراہیمؑ کے لیے نشاندہی کر دی گئی کہ ٹھیک اس جگہ پر بیت اللہ کی تعمیر کی جائے۔ غالباً یہ وہی جگہ تھی جہاں حضرت آدمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ بعد میں سیلاب کی وجہ سے حضرت آدمؑ کی تعمیر شدہ دیواریں گر گئیں اور ان کے آثار بھی ناپید ہو گئے لیکن زمین کے اندر بنیادیں موجود تھیں۔

﴿أَنْ لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا وَطَهَّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (۲۶) ”(اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے اس گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔“

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی آچکا ہے: ﴿وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (۲۷) ”اور عہد لیا ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے کہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔“ دونوں آیات کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ البقرۃ میں لفظ ”الْعَاكِفِينَ“ آیا ہے اور آیت زیر نظر میں اس کی جگہ ”الْقَائِمِينَ“ استعمال ہوا ہے۔

**آیت ۲۷** ﴿وَإِذْ نَفَخْنَا فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ ”اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو“  
 اس حکم کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے کیسے اعلان کیا ہوگا، کس طرح لوگوں کو پکارا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پیغام اور پکار کو کہاں کہاں تک پہنچایا ہوگا، یہ معاملہ اللہ اور ان کے درمیان ہے۔

﴿يَا تُؤْكِرُ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ (۲۷) ”آئیں گے آپ کے پاس لوگ پیدل بھی اور بڑی لاغر اونٹنیوں پر بھی جو پہنچیں گی دور دراز گہری وادیوں میں سے ہو کر۔“  
 پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو ”فَجٍّ“ کہتے ہیں۔ اس سے مکہ کی مضافاتی وادیوں اور گھاٹیوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دور و نزدیک سے لوگ آئیں گے۔ ان میں پیدل بھی ہوں گے اور سوار بھی۔ وہ دور و نزدیک کے گہرے پہاڑی راستوں کو عبور کرتے ہوئے یہاں پہنچیں گے۔ لاغر اونٹنیوں کے ذکر سے دور دراز کے سفر مراد ہیں کہ طویل سفر کی وجہ سے ان کی اونٹنیاں لاغر ہو چکی ہوں گی۔

**آیت ۲۸** ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ ”تا کہ وہ حاضر ہوں اپنی منفعت کی جگہوں پر“  
 ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ ”اور اللہ کا نام لیں معین دنوں میں ان مویشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔“

”ایَّامٍ مَّعْلُومَةٍ“ سے مراد قربانی (۱۰؍۱۱ اور ۱۲؍۱۲) کے دن ہیں۔ یعنی ایام نحر میں وہ لوگ اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کریں۔

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾ ﴿۲۸﴾ ”تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور خستہ حال محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔“

**آیت ۲۹** ﴿ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ ”پھر چاہیے کہ وہ دور کریں اپنے میل کچیل“  
اس سے احرام کھول کر نہانا دھونا مراد ہے۔ حج کرنے والوں کے لیے اذوالحجہ کے دن چار افعال ضروری ہیں، یعنی رمی، نحر، حلق اور طواف۔ نحر اور حلق کے بعد احرام کھولو، پھر نہا دھو کر صاف لباس پہنو اور طواف زیارت کے لیے جاؤ۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ ﴿۲۹﴾ ”اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔“

**آیت ۳۰** ﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ ”یہ سن چکے! اور جو کوئی تعظیم کرے اللہ کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اس کے رب کے نزدیک۔“

اللہ نے جس جس چیز کو محترم ٹھہرایا ہے وہ سب ”حرمت اللہ“ ہیں۔ اس میں خود بیت اللہ اور حرمت والے مہینے بھی شامل ہیں۔ پھر جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ قربانی کے جانور جن کی گردنوں میں قلا دے ڈالے گئے ہوں وہ بھی اور خود عازمین حج ﴿أَمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ﴾ (آیت ۲) بھی محترم ہیں۔ یہ سب حرمت اللہ ہیں اور ان سب کی تعظیم لازمی ہے۔

﴿وَأَحَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ ”اور حلال کر دیے گئے تمہارے لیے تمام چوپائے سوائے اس کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیا گیا ہے“

یعنی خنزیر کے بارے میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ حرام ہے۔ باقی بکری، بھیڑ، گائے، اونٹ وغیرہ کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ ﴿۳۰﴾ ”تو تم بچو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹ بات سے۔“

یعنی شرک سے بچنا تمہاری پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ مکہ میں اس وقت بت پرستی عام تھی جو شرک کی بدترین شکل ہے۔

**آیت ۳۱** ﴿حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ﴾ ”یکسو ہو جاؤ اللہ کے لیے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔“

اللہ کی بندگی میں کسی اعتبار اور کسی پہلو سے شرک کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ حقوق میں نہ اختیارات میں۔

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو وہ



ایسے ہے جیسے آسمان سے گر پڑا“

شرک کرنے والے انسان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ کسی بلندی پر رستی کی مدد سے لٹکا ہوا تھا تو اس کی رستی کٹ گئی اور وہ یکدم تیزی سے نیچے آ رہا ہے۔

﴿فَتَخَطَّفَهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوَىٰ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ ”تو اسے پرندے اُچک لیں یا ہوا اُڑا پھینکے کسی دور دراز جگہ پر۔“

تو ایسے شخص کی اب کیفیت یہ ہے یا تو وہ باز اور عقاب جیسے شکاری پرندوں کے رحم و کرم پر ہو گا یا پھر تیز ہوا کا کوئی جھونکا اسے کسی کھائی میں پٹخ دے گا۔ مشرک کا ایسا انجام اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ کا دامن چھوڑ کر وہ بے سہارا ہو جاتا ہے جبکہ توحید پرست شخص ایک مضبوط سہارے پر قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورہ ابراہیم کی آیت ۲۷ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ”ثابت قدم رکھتا ہے اللہ اہل ایمان کو قولِ ثابت (کلمہ توحید) کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

**آیت ۳۲** ﴿ذَلِكَ ۚ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ ”یہ سب کچھ (تم نے سن لیا) اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔“

شعائر کی واحد ”شعیرہ“ ہے۔ لغوی اعتبار سے اس لفظ کا تعلق ”شعور“ سے ہے۔ اس مفہوم میں ہر وہ چیز ”شعائر اللہ“ میں سے ہے جس کے حوالے سے اللہ کی ذات اس کی صفات اور اس کی بندگی کا شعور انسان کے دل میں پیدا ہو۔ اسی حوالے سے سورہ البقرہ میں صفا اور مروہ کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (آیت ۱۵۸)۔ چنانچہ خود بیت اللہ مقام ابراہیم صفا اور مروہ سب شعائر اللہ میں شامل ہیں۔

**آیت ۳۳** ﴿لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”تمہارے لیے ان (قربانی کے جانوروں) میں نفع ہے ایک وقتِ معین تک“

یعنی قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ مثلاً ان پر سواری کی جاسکتی ہے ان کی اون وغیرہ کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے دودھ پیا جاسکتا ہے اور اس طرح کے دوسرے فوائد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ ”پھر ان کی اصل منزل یہ قدیم گھر ہی ہے۔“

یعنی پھر قربانی کے دن ان جانوروں کو لے جا کر بیت اللہ میں پیش کرنا ہے۔ اصل ”مَنْحَر“ (قربان گاہ) تو بیت اللہ ہی ہے مگر اسے منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہے۔ پرانے زمانے میں قربان گاہ مروہ کی پہاڑی کے پاس ہوا کرتی تھی اور منیٰ کے جس علاقے میں آج کل قربانی کی جاتی ہے وہ بھی دراصل اسی وادی میں شامل ہے جو مروہ سے شروع ہوتی ہے۔

## آیات ۳۴ تا ۳۷

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

فَالْهَكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۖ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ  
وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمُ وَالْبَاقِي الصَّلَاةِ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالْبَدَنَ  
جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۚ فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا  
وَجِبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۖ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ  
تَشْكُرُونَ ۝ لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۖ كَذَلِكَ  
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۖ وَبَشِّرِ الْبَاحْسِنِينَ ۝

**آیت ۳۲** ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾  
”اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک نظام مقرر کیا ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لیا کریں ان مویشیوں پر  
جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔“

﴿فَالْهَكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا﴾ ”تو (جان لو کہ) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، تو تم اُسی  
کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔“

اس کے ہر حکم کو تسلیم کرو اور اس کی مکمل اطاعت قبول کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو قربانی دی جا رہی ہو  
اور دوسری طرف حرام خوری بھی جاری ہو۔ حرام کے مال سے ہی قربانی کے جانور خریدے جائیں اور پھر فوٹو بنوا  
کر اخباروں میں خبریں لگوائی جائیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ اس کو معبود ماننا ہے تو پھر اس  
کی مکمل اطاعت قبول کرو اور اُس کی حرام کردہ چیزوں میں منہ نہ مارو۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجیے عاجزی اختیار کرنے  
والوں کو۔“

”اخبات“ کے معنی اپنے آپ کو پست کرنے اور تواضع و انکساری اختیار کرنے کے ہیں۔

**آیت ۳۵** ﴿الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے  
دل لرز اٹھتے ہیں“

یعنی تواضع اختیار کرنے والے لوگوں کی یہ نشانی ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف  
سے کانپ اٹھتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الانفال کی دوسری آیت میں بھی آیا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ  
اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں۔“

﴿وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝﴾ ”اور ان کو  
جو بھی تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس  
میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔“

**آیت ۳۶** ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ ”اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں سے بنایا ہے“

قربانی کے جانور خاص طور پر اونٹ بھی اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

﴿لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ ”تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے“

کہ ان کا گوشت تم خود بھی کھاتے ہو اور غرباء کو بھی کھلاتے ہو۔

﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ﴾ ”تو تم ان پر اللہ کا نام لو انہیں صفوں میں کھڑا کر کے۔“

صَوَافَّ، صافّہ کی جمع ہے، یعنی صف میں کھڑے ہوئے۔ یہ اونٹوں کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ انہیں قبلہ رو صف بستہ کھڑے کر کے نحر کرو۔ چونکہ اونٹ کو گرا کر ذبح کرنا بہت مشکل ہے اس لیے کھڑے کھڑے ہی اس کی گردن میں برچھاما راجاتا ہے۔ اس سے اس کی گردن کی بڑی رگ سے خون کا فوارہ چھوٹتا ہے اور جب زیادہ خون نکل جاتا ہے تو وہ خود بخود نیچے گر پڑتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی دی تھی جن میں سے تریسٹھ اونٹوں کو آپ ﷺ نے اسی طریقے سے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ جو نبی ایک اونٹ کو برچھاما رتے تھے اگلا اونٹ فوراً اپنی گردن حاضر کر دیتا تھا۔ گویا آپ ﷺ کے ہاتھوں ذبح ہونا ان کے لیے ایک بہت بڑا عزاز تھا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی!

یہ شعور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ اونٹ تو پھر جاندار ہے اللہ تعالیٰ نے تو ایک سوکھی لکڑی کو ایسا شعور عطا فرما دیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے فراق میں بے قرار ہو کر رونے لگ پڑی تھی۔ یہ ایمان افروز واقعہ احادیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ شروع شروع میں مسجد نبوی کے اندر حضور ﷺ جس جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے وہاں کھجور کا ایک خشک تناموجود تھا۔ آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تو اس کے ساتھ ٹیک لگا لیتے۔ بعد میں اس مقصد کے لیے جب منبر بن گیا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا پسند فرمایا۔ لیکن جب آپ پہلے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اس خشک لکڑی سے ایسی آوازیں آنا شروع ہو گئیں جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر رو رہا ہو۔ یعنی وہ خشک لکڑی اپنی محرومی پر رو رہی تھی کہ آج کے بعد اسے حضور ﷺ کی معیت نصیب نہیں ہوگی۔ اس روز سے اس کا نام ”حنانہ“ (رقت والی) پڑ گیا۔ بعد میں اس جگہ پر ایک ستون تعمیر کر دیا گیا جو ”ستون حنانہ“ سے موسوم ہے۔ مولانا روم نے اپنے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

فلسفی کو منکرِ حنانہ است از حواسِ انبیاء بیگانہ است

کہ فلسفی کو ”حنانہ“ جیسے معاملہ کی سمجھ نہیں آ سکتی اس لیے کہ وہ انبیاء کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔ وہ تو انبیاء کرام ﷺ کو بھی عام لوگوں پر ہی قیاس کرتا ہے۔ ایک عقلیت پسند شخص تو ایسے واقعہ کو تسلیم کرنے سے فوراً انکار کر دے گا۔ سرسید احمد خاں بھلا کیسے تسلیم کرتے کہ ایک سوکھی لکڑی سے رونے کی آواز آ سکتی ہے۔ بہر حال پرانے زمانے میں ایسی باتوں کا انکار فلسفی کیا کرتے تھے آج کل سائنس دان اور عقلیت پرست دانشوران باتوں کے منکر ہیں۔



﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ ”تو جب ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں“

جب خون بہنے سے اونٹ کمزور ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک طرف کو اپنی کروٹ کے بل زمین پر گر پڑتا ہے۔

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ ”تو اب اس میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت سے

بیٹھ رہنے والے اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ!“

ایسے مواقع پر ان سفید پوش ناداروں کو بھی مت بھولو جو اپنی خودداری اور قناعت کے سبب کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو اپنی محرومی کے ہاتھوں بے قرار ہو کر مانگنے کے لیے آپ کے پاس آ گئے ہیں۔

﴿كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر

کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

اونٹ اتنا بڑا جانور ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے اس انداز سے مسخر کر دیا ہے کہ تم اسے بر چھامار کر خر کر لیتے ہو اور پھر اس کا گوشت کھاتے ہو۔ اس کے لیے تم پر لازم ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو۔

**آیت ۳۷** ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ ”اللہ تک نہ تو ان کے

گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن اس تک پہنچتا ہے تمہاری طرف سے تقویٰ۔“

قربانی کا اصل فلسفہ یہی ہے، بلکہ ہر عبادت کا فلسفہ یہی ہے۔ کسی بھی عبادت کا ایک ظاہری پہلو یا ڈھانچہ ہے اور ایک اس کی روح ہے۔ ظاہری ڈھانچہ اپنی جگہ اہم ہے اور وہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس عبادت کا بجا لانا ممکن نہیں، لیکن یہ ظاہری پیکر اصل دین اور اصل مقصود نہیں ہے۔ کسی بھی عبادت سے اصل مقصود اس کی روح ہے۔ اسی نکتہ کو علامہ اقبال نے ان اشعار میں واضح کیا ہے۔

رہ گئی رسم ازاں، روحِ بلائی نہ رہی      فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

اور

نماز و روزہ و قربانی و حج      یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے!

چنانچہ قربانی کا اصل مقصود ہمارے دلوں کا تقویٰ اور اخلاص ہے۔ اللہ کے ہاں جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص قربانی دے رہا ہے وہ اپنی معمول کی زندگی میں اس کی نافرمانی سے کتنا ڈرتا ہے؟ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں اللہ کے احکام و قوانین کا کس قدر پابند ہے؟ کس قدر وہ اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کر رہا ہے؟ کیا قربانی کے جانور کا اہتمام اس نے رزقِ حلال سے کیا ہے؟ اس قربانی کے پیچھے اس کا جذبہٴ اطاعت و ایثار کس قدر کارفرما ہے؟ یہ اور اسی نوعیت کی دوسری شرائط جو قربانی کی اصل روح اور تقویٰ کا تعین کرتی ہیں اگر موجود ہیں تو امید رکھنی چاہیے کہ قربانی اللہ کے حضور قابل قبول ہوگی۔ لیکن اگر یہ سب کچھ نہیں تو ٹھیک ہے آپ نے گوشت کھالیا، کچھ غریبوں کو بھی اس میں سے حصہ مل گیا، اس کے علاوہ شاید قربانی سے اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہو۔

﴿كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ط﴾ ”اسی طرح اُس نے انہیں تمہارے

لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی تکبیر کیا کرو اُس ہدایت پر جو اس نے تمہیں بخشی ہے۔“

مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ ایک عید الفطر ہے جو روزوں کے بعد آتی ہے اور دوسری عید الاضحیٰ جو حج کے ساتھ منسلک ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے ۲۳ ویں رکوع میں روزوں کے ذکر کے بعد بھی بالکل یہی حکم وارد ہوا ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”تاکہ تم لوگ اللہ کی تکبیر بیان کرو اُس ہدایت پر جس سے اس نے تمہیں سرفراز کیا ہے اور تاکہ تم شکر ادا کیا کرو۔“ یعنی دونوں مواقع پر اللہ کی تکبیر بلند کرتے ہوئے اس کی کبریائی کا اظہار کرنے کی خصوصی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی لیے عیدین کی نمازوں کے لیے آتے جاتے تکبیریں پڑھنے کی تاکید احادیث میں ملتی ہے اور عیدین کی نمازوں کے اندر بھی اضافی تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) محسنین کو بشارت دے دیجیے۔“

محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام ایمان اور تقویٰ کی منزلیں طے کرتے ہوئے درجہ احسان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے اس درجہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ آمین! ثم آمین!

## آیات ۳۸ تا ۴۱

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۚ أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتُلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۚ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۚ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

اب ہمیں جن آیات کا مطالعہ کرنا ہے ان میں وارد احکام حضور ﷺ کی دعوت و تحریک کی جدوجہد میں ایک نئے موڑ (turning point) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ وہی آیات ہیں جو ہجرت کے سفر کے دوران میں نازل ہوئی تھیں۔ (قبل ازیں آیت ۱۱ کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا حوالہ گزر چکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سورت کی کچھ آیات اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئی تھیں) — ان آیات کا مضمون اور مقام محل اس پہلو سے بھی قابل غور ہے کہ سورۃ البقرۃ کے ۲۳ ویں رکوع میں یعنی تقریباً سورت کے وسط میں رمضان المبارک اور روزے کے احکام و فضائل کا ذکر ہے اور اس کے بعد دو رکوع (۲۳ واں اور ۲۵ واں رکوع) قتال فی سبیل اللہ اور مناسک حج کے احکام پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح یہاں

بھی اس سورت کے تقریباً وسط میں دو رکوع مناسک حج پر مشتمل ہیں اور اس کے فوراً بعد اب قتال فی سبیل اللہ کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے اگرچہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ الحج کی باہمی مشابہت بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک بہت اہم حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں مضامین (حج اور قتال فی سبیل اللہ) میں بہت گہرا ربط ہے۔ اس ربط اور تعلق کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ کعبۃ اللہ جو خدائے واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا وہ ان آیات کے نزول کے وقت مشرکین کے زیر تسلط تھا اور توحید کے اس مرکز کو انہوں نے شرک کا اڈا بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس وقت امت مسلمہ کا پہلا فرض منصبی یہ قرار پایا کہ وہ اللہ کے اس گھر کو مشرکین کے تسلط سے واگزار کر کے اسے واقعاً توحید کا مرکز بنائے۔ لیکن یہ کام دعوت اور وعظ سے ہونے والا تو نہیں تھا اس کے لیے طاقت کا استعمال ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر حج بیت اللہ کے احکام کے ساتھ ساتھ قتال فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے۔

**آیت ۳۸ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾** ”یقیناً اللہ مدافعت کرے گا اہل ایمان کی طرف سے۔“ اس تحریک میں اب جو نیا دور شروع ہونے جا رہا ہے اس میں مسلح تصادم ناگزیر ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا اصل پیغام یہ ہے کہ اس رزم گاہ میں اہل ایمان خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ ان کی مدد اور نصرت کے لیے اور ان کے دشمنوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اللہ ان کی پشت پر موجود ہے۔

**﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾** ”اللہ بالکل پسند نہیں کرتا ہر بڑے خیانت کرنے والے ناشکرے کو۔“

یہ یقیناً مشرکین مکہ کا تذکرہ ہے جو ایک طرف خیانت کی انتہائی حدود کو پھلانگ گئے تو دوسری طرف ناشکری میں بھی ننگ انسانیت ٹھہرے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وراثت کے امین تھے۔ بیت اللہ گویا ان لوگوں کے پاس ان بزرگوں کی امانت تھی۔ یہ گھر تو تعمیر ہی اللہ کی عبادت کے لیے ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی گواہی ان الفاظ میں دی تھی: ﴿رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (ابراہیم: ۳۷) کہ پروردگار! میں اپنی اولاد کو اس گھر کے پہلو میں اس لیے بسانے جا رہا ہوں کہ یہ لوگ تیری عبادت کریں۔ پھر آپ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے یہ دعا بھی کی تھی: ﴿وَاجْعَلْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ (ابراہیم) کہ پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی کی لعنت سے بچائے رکھنا۔ چنانچہ مشرکین مکہ نے اللہ کے اس گھر اور توحید کے اس مرکز کو شرک سے آلودہ کر کے اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متبرک امانت میں خیانت کا ارتکاب بھی کیا تھا۔

دوسری طرف یہ لوگ اپنے کرتوتوں سے اللہ کی ناشکری کے مرتکب بھی ہوئے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مکہ کو جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی میدان میں ان کی اجارہ داری خانہ کعبہ ہی کے طفیل قائم ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام (موسم گرما) اور یمن (موسم سرما) کے درمیان ان کے قافلے قبائلی حملوں اور روایتی لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے تو صرف اس لیے کہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے۔ یہی وہ حقائق تھے جن کی



طرف ان کی توجہ سورۃ القریش میں دلائی گئی ہے: ﴿لَا يَلْفِ قُرَيْشٌ ۝۱﴾ اِلَيْهِمْ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ ﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝۳﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۚ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝۴﴾ ”قریش کو مانوس کرنے کے لیے! انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے مانوس کرنے کے لیے! پس انہیں چاہیے کہ وہ (اس سب کچھ کے شکر میں) اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف میں امن بخشا۔“

مگر اس سب کچھ کے باوجود انہوں نے ناشکری کی انتہا کر دی۔ انہوں نے اللہ کی بندگی کے بجائے بت پرستی اختیار کی اور بیت اللہ کو تو حید کا مرکز بنانے کے بجائے اسے بت خانے میں تبدیل کر دیا۔ اس پس منظر کو ذہن نشین کر کے آیت زیر نظر کا مطالعہ کیا جائے تو سیاق و سباق بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خائن اور ناشکرے لوگ کون ہیں جنہیں اللہ پسند نہیں کرتا۔

**آیت ۳۹** ﴿اِنَّ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا ۝۳۹﴾ ”اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔“

سالہا سال سے انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ نت نئے طریقوں سے انہیں ستایا جا رہا تھا۔ انہیں گھربار چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اب تک اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کے ذریعے ان کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ یہ حکم اگرچہ وحی جلی کی صورت میں قرآن میں نہیں آیا مگر سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں ﴿كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ﴾ کے الفاظ میں تصدیق کی گئی ہے کہ انہیں اپنے ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی خفی کے ذریعے حضور ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے تمام اہل ایمان کو اس سے مطلع فرما دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تمہیں زندہ بھون کر کباب کر دیا جائے تم لوگ جواب میں ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔ بہر حال اب تک تو یہ حکم تھا مگر اب ان کے ہاتھ کھولے جا رہے ہیں۔ اب انہیں اجازت دی جا رہی ہے کہ آئندہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝۴۰﴾ ”اور یقیناً اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔“

تاکید یہاں پھر فرما دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھیں یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے اور وہ ضرور ان کی بھرپور مدد فرمائے گا۔

**آیت ۴۰** ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ ۝۴۰﴾ ”وہ لوگ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے“

یعنی مہاجرین جنہیں اپنے اہل و عیال اور گھربار چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

﴿اِلَّا اَنْ يَقُولُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ۝۴۱﴾ ”صرف اس (جرم) پر کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے!“

ان کا جرم بس یہ تھا کہ وہ اہل مکہ کے باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو اپنا رب اور معبود مانتے تھے جس کی پاداش میں انہیں گھربار چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۝۴۲﴾ ”اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دُور نہ کرتا رہتا“

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۱ میں بھی آچکا ہے۔ وہاں پر مشرک بادشاہ جالوت کے ساتھ حضرت جالوت کی جنگ کا ذکر کرنے کے بعد یہ اصول بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً زمین کی صفائی کرتا رہتا ہے۔ فاسد لوگ ہوں یا فاسد تہذیب و ثقافت جب ان کا فساد زمین میں ایک حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے اسے کسی دوسری طاقت کے ذریعے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت میں فرمایا گیا کہ اگر اللہ ایسے نہ کرتا تو: ﴿لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ زمین میں ہر طرف فساد ہی فساد ہوتا۔ البتہ یہاں اس بگاڑ یا فساد کے ایک دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

﴿لَهَدَمْتُ صَوَامِعُ وَبِيعُ وَصَلَوْتُ وَمَسَجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ ”تو ڈھا دیے

جاتے ساری خانقاہیں، گرجے، کنیسے اور مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔“

صَلَوْتُ، صلوٰۃ کی جمع ہے۔ صَلَوَاتَا عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس سے مراد یہودیوں کے عبادت خانے (Cinygogs) ہیں۔ دراصل عبرانی اور عربی زبانوں میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یا تو ان کا آپس میں ماں بیٹی کا رشتہ ہے یا پھر دونوں سگی بہنیں ہیں۔ یعنی یا تو عربی زبان عبرانی سے نکلی ہے اور یا یہ دونوں کسی ایک زبان کی شاخیں ہیں۔ چنانچہ ان دونوں میں بہت سے الفاظ باہم مشابہ ہیں۔ مثلاً عربی کے لفظ ”سلام“ کی جگہ عبرانی میں ”شلوم“ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح عبرانی کے ”یوم کپور“ کو عربی میں ”یوم کفارہ“ کہا جاتا ہے۔ یعنی لفظ ”یوم“ تو جوں کا توں ویسے ہی ہے جبکہ ”کپور“ اور ”کفارہ“ میں بنیادی فرق ”پ“ اور ”ف“ کا ہے۔ عربی میں چونکہ ”پ“ نہیں ہے اس لیے اکثر زبانوں کی ”پ“ کی آواز عربی میں آکر ”ف“ سے بدل جاتی ہے۔ جیسے اس سے پہلے سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۵ کے تحت ”ذوالکفل“ کے حوالے سے ہندی کے لفظ ”کیل“ کا عربی کے ”کفل“ کی صورت اختیار کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ بہر حال عبرانی اور عربی زبانوں کے الفاظ اور ان کی اصطلاحات میں اکثر مشابہت پائی جاتی ہے۔

تو اگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا، یعنی مفسد قوتوں کو نیست و نابود نہ کرتا رہتا تو دنیا میں تمام مذاہب کی جتنی بھی عبادت گاہیں ہیں وہ سب کی سب منہدم کر دی جاتیں۔ ظاہر ہے یہ تمام عبادت گاہیں اپنے اپنے وقت میں ایک اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی تھیں۔

﴿وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ﴾ ”اور اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا۔“

ان الفاظ میں اہل ایمان کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔ لہذا آیت کا یہ ٹکڑا ہر مسلمان کو آزر بر ہونا چاہیے۔ اس عبارت میں تاکید کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں انتہائی تاکید کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ فعل مضارع سے پہلے لام مفتوح (زبر کے ساتھ) بھی حرف تاکید ہے جبکہ آخر میں نون مشدّد سے معنی میں مزید تاکید پیدا ہوتی ہے۔ جیسے أَفْعَلُ کے معنی ہیں کہ میں یہ کروں گا، لیکن لَا أَفْعَلَنَّ کے معنی ہوں گے کہ میں یہ لازماً کر کے رہوں گا۔

لیکن اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ یک طرفہ معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ وعدہ مشروط ہے۔ تم

اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا! جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۲ میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ کہ تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ تم لوگ اللہ کے باغیوں کے ساتھ دوستی کی پیٹنگیں بڑھاؤ تمہاری وفاداریاں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہوں اور پھر بھی تم چاہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ اس سلسلے میں اسی سورت کی آیت ۱۵ کا مضمون بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے جس میں اللہ کی مدد پر بندہ مؤمن کے پختہ یقین کا معاملہ زیر بحث آیا ہے۔ دراصل یہ بندہ مؤمن کا ”یقین“ ہی ہے جو اس کے صبر و استقامت اور ثبات و استقلال کے لیے سہارا فراہم کرتا ہے۔ اور اگر دل میں یقین کی جگہ بے یقینی ڈیرے جمالے اور اس بے یقینی کے ہاتھوں نصرت الہی کی اُمید کی رسی ہی کٹ جائے تو پھر ایسے شخص کے لیے دنیا میں اور کوئی سہارا نہیں رہتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌۭ﴾ ”یقیناً اللہ طاقتور ہے زبردست ہے۔“

یعنی اللہ نے تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے تو جان لو کہ وہ زبردست طاقت کا مالک اور ہر وقت ہر جگہ تمہاری مدد پر پوری طرح قادر ہے۔

**آیت ۲۱** ﴿الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ ”وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو“ ”تمکن“ کا ذکر اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے سورۃ یوسف کی آیت ۲۱ اور ۵۶ میں بھی آچکا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِى الْاَرْضِ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو زمین میں تمکن عطا کیا۔“ تو اپنے ان مؤمن بندوں کو اگر ہم کسی خطہ زمین کا اختیار عطا کریں گے تو ان کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟

﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ ”وہ نماز قائم کریں گے“

مؤمنین کو اگر کسی ملک پر حکومت کرنے کا اختیار ملے گا تو وہ اپنی پہلی ترجیح کے طور پر نماز کا نظام قائم کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی جمعہ کے قیام کا اہتمام فرمایا اور اقامتِ صلوٰۃ کے لیے ترجیحی بنیادوں پر مسجد نبوی کی تعمیر کی۔

﴿وَاتَوُوا الزَّكٰوةَ﴾ ”اور زکوٰۃ ادا کریں گے“

پھر زکوٰۃ کا باقاعدہ نظام قائم کیا جائے گا تا کہ معاشرے کے پس ماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی کفالت کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَامُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔“

﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ ”اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔“

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ آیات سفر ہجرت کے دوران میں نازل ہوئی تھیں تو ان میں سے خصوصی طور پر یہ آیت حضور ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد کی صورت حال کے لیے ایک منشور (manifesto) کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ عنقریب مدینہ میں آپ ﷺ کا ورود ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہونے والا تھا اور مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ کو اختیار ملنے والا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیشگی بتا دیا کہ اس صورت حال میں آپ ﷺ کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ چنانچہ جس طرح آج کل ہر سیاسی پارٹی الیکشن سے پہلے اپنا منشور جاری کرتی



ہے کہ حکومت ملنے کی صورت میں ہماری ترجیحات کیا ہوں گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو ہمیشہ کے لیے ایک منشور عطا کر دیا ہے کہ کسی ملک میں اقتدار ملنے کی صورت میں انہیں کون کون سے امور ترجیحی بنیادوں پر انجام دینے ہوں گے۔

یہ وہ خاص آیات (۳۸ تا ۴۱) ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ اس سورت کو مدنی سورت سمجھتے ہیں، البتہ درست موقف یہی ہے کہ یہ آیات یا تو اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئیں یا نبی اکرم ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد۔ لیکن انہیں مضامین حج کی مناسبت سے اس مکی سورت میں اس مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد اگلی آیت سے دوبارہ مکی انداز کے مضامین کا آغاز ہو رہا ہے۔

### آیات ۴۲ تا ۴۸

وَأَن يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ۖ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۚ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۚ فَكَأَيِّنْ مِن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبُيُوتُ مُعَطَّلَةٌ وَقَصْرٌ مَّشِيدٌ ۚ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۚ وَكَسَتْ جُلُودُكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يَخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۖ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۚ وَكَأَيِّنْ مِن قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَاللَّهِ الْبَصِيرُ ۚ

ج

**آیت ۴۲** ﴿وَأَن يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے لوگ بھی (رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں۔“

**آیت ۴۳** ﴿وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ﴾ ”اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم بھی (رسولوں کی تکذیب کر چکی ہے)۔“

**آیت ۴۴** ﴿وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ﴾ ”اور مدین کے لوگ بھی (اپنے پیغمبر کو جھٹلا چکے ہیں) اور موسیٰ کی بھی تکذیب ہو چکی ہے“

﴿فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ ”تو میں نے ان کافروں کو کچھ ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، تو کیسی رہی میری پکڑ؟“

ان اقوام کے انجام سے متعلق تفصیلات قرآن میں بار بار بیان ہوئی ہیں۔

**آیت ۲۵** ﴿فَكَأَيُّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ ”اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ ظالم تھیں“

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جس جس بستی کو ہلاک کیا ان کے باسی مجرم اور گناہگار تھے۔ جب بھی کوئی بستی کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کے سبب معصیت اور برائی کا مرکز بن جاتی تو اس کا وجود معاشرے کے لیے خطرے کی علامت بن جاتا۔ چنانچہ جس طرح انسانی جسم کا کوئی حصہ گل سر کر متعفن مواد سے بھر جائے تو باقی جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے اس حصے یا عضو کو کاٹ پھینکنا ناگزیر ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح اللہ کی مشیت سے ہر ایسی بستی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

﴿فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا﴾ ”تو وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر“

﴿وَبَشِّرِ مُعْطَلَةً﴾ ”اور کتنے ہی ناکارہ کنویں (بند پڑے ہیں)“

ان تباہ ہونے والی بستیوں میں کتنے کنویں ہوں گے جو کسی وقت بڑی محنت سے کھودے گئے ہوں گے۔ اپنے اپنے وقت پر ان کنوؤں پر پانی بھرنے والے لوگوں کے کیسے کیسے جھگھٹے رہا کرتے ہوں گے، مگر اب وہ کنویں ویران و معطل پڑے ہیں۔

﴿وَقَصْرِ مَشِيدٍ﴾ ”اور کتنے ہی مضبوط بنائے ہوئے محل (بھی ویران پڑے ہیں)۔“

ان قوموں کے گچ کاری کیے گئے مضبوط اور عالی شان محل اب کھنڈرات میں تبدیل ہوئے پڑے ہیں۔ سپین میں جا کر الحمرا کو دیکھو! کبھی یہ محل مسلمان فرمانرواؤں کا مسکن تھا، آج اس کی کیا کیفیت ہے؟ قرطبہ کی عالی شان مسجد کو دیکھو! جہاں اب نہ کوئی سجدہ کرنے والا ہے اور نہ وہاں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہے۔

[بئر اور قصر، قریۃ پر عطف ہیں۔]

**آیت ۲۶** ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونْ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا﴾ ”تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ ہوتے ان کے دل جن سے یہ سمجھتے!“

اگر یہ لوگ عقل اور سمجھ سے کام لیتے تو پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھ کر عبرت پکڑتے اور اصل بات کی تہہ تک پہنچتے۔ اس آیت میں ایک بہت اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ یہاں لفظ ”قلب“ کے ساتھ عقل اور سمجھنے کے تعلق کی بات ہوئی ہے۔ یہ بات کئی دفعہ اس سے پہلے بھی میں دہرا چکا ہوں کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے۔ اس مرکب کی ایک اکائی تو اس کا جسم ہے جو خالص ایک حیوانی وجود ہے۔ اس وجود میں حیوانوں کی تمام تر خصوصیات (faculties) موجود ہیں۔ اس لحاظ سے انسان گویا اعلیٰ ترین حیوان ہے، یعنی اپنے جسم کی ساخت کے اعتبار سے وہ تمام حیوانوں سے افضل ہے۔ لیکن اپنے اس حیوانی وجود کے ساتھ ساتھ انسان اپنا ایک روحانی وجود بھی رکھتا ہے جو اس کے حیوانی وجود سے علیحدہ اور مستقل بالذات

وجود ہے۔ انسان کے ان دونوں وجودوں کے ملاپ اور امتزاج کی ترکیب اور کیفیت کے متعلق ہم کچھ بھی ادراک نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ انسانی وجود کے اندر جو ”جان“ (life) ہے وہ کہاں ہے؟ کیا یہ جان دل میں ہے؟ لیکن دل تو آج کل بدل بھی دیا جاتا ہے اور جان وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ تو کیا یہ جان دل سے متعلق ہے یا دماغ سے متعلق؟ حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اس کے متعلق ہم واقعی نہیں جانتے۔ تو جب ہم جان کے متعلق ہی کچھ نہیں جانتے تو اس سے آگے بڑھ کر ”روح“ کے متعلق ہم کیا جان سکتے ہیں کہ انسان کی روح اس کے جسم کے اندر کس طور سے صحبت پذیر ہے؟۔

اتصالے بے تکلیف بے قیاس! ہست رب الناس را با جانِ ناس

انسان کے حیوانی اور روحانی وجود میں باہم مصاحبت اور اتصال تو ہے، لیکن اس کی نوعیت واقعتاً کیا ہے؟ بقول شاعر یہ مصاحبت اور اتصال ”بے تکلیف و بے قیاس“ ہے۔ نہ اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے کسی اور چیز پر قیاس کیا جاسکتا ہے، لیکن انسان کے دو علیحدہ علیحدہ وجود بہر حال موجود ہیں۔ ان میں سے اس کا روحانی وجود بہت پہلے عالم ارواح میں پیدا کیا گیا تھا، جس کا حوالہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۴ میں اس طرح آیا ہے: ﴿كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جبکہ ہر انسان کے مادی یا جسمانی وجود کی پیدائش اس دنیا یا عالم خلق کے اندر اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے۔

اس ساری تفصیل میں سیاق و سباق کے حوالے سے سمجھنے کی اصل بات یہ ہے کہ انسان کے دونوں وجودوں میں سے ہر وجود کی اپنی اپنی صلاحیتیں اور اپنے اپنے ذرائع علم ہیں۔ روح کی اپنی عقل، اپنی بصارت اور اپنی سماعت ہے، جبکہ حیوانی وجود کی اپنی عقل ہے، اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت میں حیوانی وجود ہی کے حواس کا ذکر ہے: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۖ﴾۔ سورۃ بنی اسرائیل کے مطالعے کے دوران اس آیت کے تحت حیوانی وجود کے ذرائع علم سے متعلق تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔ اب آیت زیر نظر میں روحانی وجود کے ذرائع علم کی بات ہو رہی ہے۔ اس کو مختصراً یوں سمجھ لیں کہ روح دیکھتی بھی ہے، سنتی بھی ہے اور سمجھتی بھی ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے یہاں فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے دل ہوتے جن سے یہ بات سمجھتے!

﴿أَوْ إِذَا نَسَمَعُونَ بِهَا﴾ ”یا (ہوتے ان کے) کان جن سے یہ سنتے!“

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ ”تو اصل میں

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔“

ذرا غور کریں، یہ کون سا اندھا پن ہے؟ دراصل یہی وہ اندھا پن تھا جو ابو جہل، ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے لوگوں کو لاحق تھا۔ ان کی آنکھیں تو اندھی نہیں تھیں، لیکن ان کے دل مکمل طور پر اندھے ہو چکے تھے۔ ان کی روحوں پر دنیوی اغراض، ہٹ دھرمیوں اور عصبیتوں کے غلیظ پردے پڑ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی روحوں نہ دیکھ سکتی تھیں، نہ سن سکتی تھیں اور نہ سمجھ سکتی تھیں۔ ایسے لوگوں کا دیکھنا اور سننا صرف حیوانی سطح کا دیکھنا اور سننا ہوتا



ہے۔ جیسے تیزی سے گزرتی ہوئی کار کو دیکھ کر انسان بھی ایک طرف ہو جاتا ہے اور کتا بھی اس سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔ اس حوالے سے انسان اور کتے کے دیکھنے میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنی ان صلاحیتوں کے اعتبار سے حیوانوں کی سطح سے ترقی کر کے انسانی مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسی نکتہ کو اقبال جیسے صاحبِ نظر نے یوں بیان کیا ہے: ”ویدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!“ کہ ذرا دوسری طرح کا دیکھنا سیکھو اور دوسرے انداز کا سننا سیکھو!

قریش مکہ کے تجارتی قافلے عذابِ الہی کی زد میں آنے والی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرا کرتے تھے۔ وہ لوگ ان کھنڈرات کو دیکھتے تو تھے لیکن وہ یہ سب کچھ حیوانی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ نہ وہ ان سے کوئی سبق حاصل کرتے تھے نہ عبرت پکڑتے تھے۔ انسان کی یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں آیت زیر مطالعہ میں فرمایا گیا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اس لیے کہ روح کا مسکن قلب ہے۔ ہم یہ تو نہیں سمجھ سکتے کہ اس ملاپ کی نوعیت اور کیفیت کیا ہے اور نہ ہی ہم دل کے اندر کسی طریقے سے روح کے اثرات کا کھوج لگا سکتے ہیں؛ کیونکہ وہ ایک غیر مرئی چیز ہے، لیکن انسان کے حیوانی وجود کے اندر روح کا تعلق بہر حال اس کے ”قلب“ کے ساتھ ہی ہے۔

**آیت ۲۷** ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ عذاب کے بارے میں آپ سے جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“

عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سب وعدے ہر صورت میں پورے ہوں گے اور ان لوگوں پر عذاب آکر رہے گا۔ البتہ یہ عذاب کب آئے گا؟ کس شکل میں آئے گا؟ اس کے بارے میں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اس نے ایسی تمام معلومات خفیہ رکھی ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں اس موضوع سے متعلق حضور ﷺ سے یوں اعلان کرایا گیا: ﴿وَإِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدُ مَا تُوعَدُونَ﴾ ”اور میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا کچھ عرصے بعد آئے گا۔“

﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ ”اور یقیناً ایک دن آپ کے رب کے نزدیک ایک ہزار برس کی طرح ہے اُس حساب سے جو گنتی تم کرتے ہو۔“

دنیا میں عام انسانی حساب کے مطابق ایک ہزار برس کا عرصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ سورۃ السجدة میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ ”اللہ آسمان سے زمین تک کے ہر معاملے کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ چڑھتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ہے ایک ہزار سال جیسے تم لوگ گنتے ہو۔“ یہ ”تدبیر امر“ دراصل اللہ تعالیٰ کے ان تین کاموں میں سے ایک ہے جن کے متعلق قبل ازیں سورۃ یونس کی آیت ۳ کے تحت (جلد چہارم) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے یعنی ابداع

خلق اور تدبیر۔ چنانچہ اس تیسرے کام (تدبیر) کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو طرح طرح کے احکام دیے جاتے ہیں اور پھر فرشتوں کے ذریعے سے ہی ان احکام کی تنفیذ (execution) ہوتی ہے۔ اس منصوبہ بندی میں اللہ کے ہاں ایک دن کا عرصہ انسانی گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ مضمون چونکہ بہت واضح الفاظ کے ساتھ قرآن میں دو مرتبہ آیا ہے اس لیے یہ معاملہ ”متشابہات“ میں سے نہیں بلکہ ”محکمات“ کے درجے میں ہے۔

**آیت ۲۸** ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَتْ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ ”اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں کہ میں نے انہیں ڈھیل دی تھی لیکن وہ گناہگار تھیں“

﴿ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَالَّتِي الْمُصِيرُ ۝﴾ ”پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور (سب نے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

## آیات ۲۹ تا ۵۷

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۖ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْتَهُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۖ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ۖ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۖ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۖ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ وَلَا يَذَّالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِئَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً ۖ أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يُّومٍ عَقِيمٌ ۖ أَلُمَّاكَ يَوْمَئِذٍ اللَّهُ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۖ

ج

**آیت ۲۹** ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تو تمہارے لیے بس ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“

کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ میں تم لوگوں کو آنے والی زندگی کے مراحل کی تمام تفصیلات سے واضح طور پر خبردار کر دوں۔

**آیت ۵۰** ﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾ ”تو جو لوگ ایمان

لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لیے (اللہ کی طرف سے) مغفرت اور بہت باعزت روزی ہے۔“  
**آیت ۵۱** ﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي الْاِيتِنَا مُعْجِزِينَ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ۝۵۱﴾ ”اور جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی تگ و دو کرتے ہیں وہی ہیں جو جہنم والے ہیں۔“

یعنی وہ لوگ جن کی ساری بھاگ دوڑ اور تگ و دو اللہ تعالیٰ کی آیات کو ناکام اور غیر موثر بنانے، گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی منصوبہ بندی کی راہ میں روڑے اٹکانے میں ہے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

**آیت ۵۲** ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنَّیَ الشَّيْطٰنُ فِیْ اٰمِنِيَّتِهٖ ۝۵۲﴾ ”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی، مگر یہ کہ جب اُس نے خود کوئی خیال باندھا تو شیطان نے اُس کے خیال میں خلل اندازی کی۔“

لفظ ”تمنا“ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لغوی اعتبار سے اس مادہ میں آرزو اور خواہش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی جس طرح ایک عام آدمی سوچتا ہے، خواہش کرتا ہے اور مختلف امور میں منصوبہ بندی کرتا ہے اسی طرح نبی اور رسول بھی سوچتا ہے اور منصوبہ بندی کرتا ہے۔ مثلاً ابوطالب کی وفات کے بعد جب ابولہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا اور اس کی ذاتی دشمنی کے باعث آپ ﷺ کو اپنے قبیلے کی پشت پناہی حاصل نہ رہی تو آپ نے سوچا کہ اب کیا کروں؟ (مع ”کس طرف جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں!“) چنانچہ ان حالات میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن وہاں سے کوئی مثبت جواب نہ ملا اور آپ کو بظاہر ناکام لوٹنا پڑا۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق وہ دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن (یومِ اُحد سے بھی زیادہ سخت) ثابت ہوا۔ بہر حال آپ ﷺ نے منصوبہ بندی بھی کی اور اس کے مطابق کوشش بھی کی۔ یہ الگ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ سعادت اہل طائف کے بجائے اہل یثرب کی قسمت میں لکھی گئی تھی۔ تو جب کوئی نبی اپنی منصوبہ بندی کرتا ہے تو شیطان اپنی طرف سے ان کے خیال میں کچھ نہ کچھ خلل ضرور ڈالتا ہے۔

عصمتِ انبیاء کے بارے میں تمام اہل ایمان چونکہ بہت حساس ہیں اس لیے آیت زیر مطالعہ کے الفاظ سے جو مفہوم بظاہر سامنے آتا ہے وہ گویا ہر مسلمان کے حلق میں پھنس جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر و تشریح میں بہت سی دوراز کار تاویلات بھی لائی گئی ہیں۔ بہر حال میرے خیال میں یہ بالکل سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ اس کو یوں سمجھیں کہ کسی رسول یا نبی کی شخصیت اور خواہشات و تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو براہِ راست وحی الہی کے تابع ہے۔ اس پہلو سے متعلق معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے براہِ راست واضح ہدایات ملتی رہتی ہیں۔ ان ہدایات یا احکام میں کسی خطا یا غلطی کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس میں شیطان یا شیطانی قوتیں کسی قسم کی دراندازی کر سکتی ہیں۔

دوسری طرف نبی کی شخصیت کا ایک ذاتی اور نجی پہلو بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نبی کی کوئی ذاتی شخصیت یا سوچ ہوتی ہی نہیں، بلکہ بہت سے معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو ایک حکم دے دیا جاتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنے کے بارے میں نبی خود سوچتا ہے، خود منصوبہ بندی کرتا ہے اور خود فیصلہ کرتا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کو



ایک حکم دے دیا گیا: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء) کہ آپ ﷺ تبلیغ شروع کیجیے اور اس سلسلے میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک ضیافت کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے بنو ہاشم کے تمام مردوں کو مدعو کیا اور سب کو کھانا کھلایا۔ آپ ﷺ نے ان تک اپنا دعوتی پیغام پہنچانے کے لیے یہی طریقہ مناسب خیال کیا۔ گویا ایسے کسی حکم پر عمل کے لیے جزئیات کی منصوبہ بندی کرنے کا تعلق نبی کے ذاتی اجتہاد سے ہے۔ چنانچہ ان تدبیری معاملات کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو براہ راست وحی کی ہدایت کا ہوتا ہے۔

اس فرق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بہت سی عملی مثالیں بھی ہمیں سیرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک جگہ کی تخصیص فرما کر حکم دیا کہ لشکر کا کیمپ اس جگہ پر لگایا جائے۔ اس پر کچھ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر اس جگہ کے انتخاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم ہے تو سر تسلیم خم ہے! لیکن اگر یہ آپ کی رائے ہے تو ہمیں بھی اپنی رائے پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے نہ صرف انہیں رائے دینے کی اجازت دی بلکہ ان کی رائے کو قبول بھی فرمایا اور لگے لگائے کیمپ کو اکھاڑ کر ان کی تجویز کردہ جگہ پر لگانے کا حکم دیا۔ یہ چونکہ حضور ﷺ کی ذاتی تدبیر تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں اختلاف کی گنجائش محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے عملی تجربات کی روشنی میں رائے دی۔ دوسری طرف اگر یہ فیصلہ وحی کی روشنی میں کیا گیا ہوتا تو کیمپ کے اکھاڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی طرح ”تأبیر نخل“ کے معاملے کی مثال بھی بہت واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں پر کھجور کے درختوں کو بار آور کرنے کے لیے زیرہ پوشی کا مصنوعی طریقہ (artificial pollination) اختیار کیا جاتا تھا، یعنی نرد درخت کے پھولوں کو مادہ درخت کے پھولوں پر جھاڑا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو یہ عمل کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو! آپ ﷺ کے ایسا فرمانے پر لوگوں نے اس سال وہ عمل نہ کیا تو اس کے نتیجے میں فصل واضح طور پر کم ہوئی۔ اس پر ان لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس سال ہم نے تأبیر نخل کے مروجہ طریقے پر عمل نہیں کیا تو ہماری فصل کم ہوئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ))<sup>(۱)</sup> یعنی آپ لوگ اپنے دنیوی امور کے بارے میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محدثین عظام پر اپنی خصوصی رحمتیں برکتیں اور نعمتیں نازل فرمائے۔ ان لوگوں کی محنتوں اور کوششوں سے حضور ﷺ کی احادیث محفوظ ہوئیں اور پھر ہم تک پہنچ کر ہماری راہنمائی کا ذریعہ بنیں۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مقصد اور مفہوم یہی ہے کہ دنیوی معاملات کے مختلف شعبوں میں تم لوگوں کو ایسے تجربات حاصل ہیں جو مجھے حاصل نہیں اور میں تم لوگوں کو ان معاملات میں تعلیم دینے کے لیے مبعوث بھی نہیں ہوا۔ میں تم لوگوں کو زراعت کے اصول سکھانے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو تم لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے آیا ہوں اور یہی میری رسالت کا بنیادی مقصد اور موضوع ہے۔ چنانچہ رسالت سے متعلق امور میں آپ لوگوں

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ من معاش۔

کے لیے میرا اتباع لازمی ہے، لیکن دنیوی معاملات تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دو۔ اگر دیکھا جائے تو اہل مدینہ کا تاہیر نخل سے متعلق مذکورہ عمل سائنسی اصولوں پر مبنی تھا۔ سائنس کی بنیاد تجربات پر رکھی گئی ہے اور سائنسی علوم کا ارتقاء (development) بھی تجربات کے ذریعے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ فرما کر حضور ﷺ نے تجرباتی یا سائنسی علوم کی گویا حوصلہ افزائی فرمائی کہ اپنے دنیوی معاملات کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو اور یہ کہ ان امور کو تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دیا کرو۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی یا رسول کی وہ تعلیمات اور وہ ہدایات جو براہ راست وحی الہی کے تابع ہوں ان میں نہ تو کسی قسم کی خطا کا امکان ہے اور نہ ہی ان کے اندر شیطانی قوتوں کی دراندازی کا کوئی احتمال ہے، لیکن عام دنیوی امور اور ان کی جزئیات کے بارے میں فیصلے کرتے ہوئے جہاں ایک نبی یا رسول اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لے رہا ہو وہاں پر کسی خطا یا شیطانی خلل اندازی کا امکان موجود رہتا ہے۔ میری یہ توجیہ ”موضح القرآن“ میں بیان کردہ شاہ عبدالقادر کی رائے کے قریب ترین ہے لہذا مجھے اس پر پورا اطمینان ہے۔ ﴿فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْتَهُ﴾ ”تو اللہ منسوخ کر دیتا ہے اسے جو کچھ شیطان نے ڈالا ہوتا ہے پھر اللہ اپنے فیصلوں کو پختہ کر دیتا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔“

**آیت ۵۳** ﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ ”تا کہ وہ شیطان کی طرف سے کی گئی آمیزش کو فتنہ بنا دے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہو اور جن کے دل سخت ہو چکے ہوں۔“

﴿وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ ”اور یقیناً ظالم لوگ مخالفت اور دشمنی میں بہت دور جا چکے ہیں۔“

**آیت ۵۴** ﴿وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ جان جائیں جنہیں علم دیا گیا ہو کہ یقیناً یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے“

ایسے لوگ کسی بھی معاملے میں اللہ کے فیصلے پر پورے شرح صدر کے ساتھ ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ ﴿فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ﴾ ”تو وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اُس (اللہ) کے آگے جھک جائیں۔“

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”اور یقیناً اللہ اہل ایمان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔“

یعنی مخلص اہل ایمان سے کسی وقت اگر کہیں کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رخ پھیر کر درست سمت کی طرف موڑ دیتا ہے۔

**آیت ۵۵** ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ ”اور کافر تو اس بارے میں ہمیشہ شک و شبہ میں ہی رہیں گے“

ان کے شکوک و شبہات تو کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

﴿حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَّوْمٍ عَقِيمٍ﴾ ”یہاں تک کہ یا تو ان پر قیامت اچانک آن دھمکے یا ایک بانجھ دن کا عذاب ان پر مسلط ہو جائے۔“

”بانجھ دن“ سے مراد ایسا دن ہے جو ہر خیر سے خالی ہو۔ یعنی وہ دن جس میں کسی قوم کی بربادی کا فیصلہ ہو جائے۔

**آیت ۵۶** ﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ ”اُس دن بادشاہی صرف اللہ کی ہوگی۔ وہی ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔“

کائنات کا حاکم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ہر وقت اسی کا حکم چل رہا ہے، لیکن آج اس حقیقت پر کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں ہمیں ڈرامے کے کرداروں کی طرح چھوٹے چھوٹے بادشاہ، فرمانروا، سردار وغیرہ بھی مقتدر اور باختیار نظر آتے ہیں، لیکن جب قیامت کا دن آئے گا تو یہ سب پردے اٹھ جائیں گے۔ اس دن تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا: ﴿لَمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (المومن: ۱۶) ”آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟“ اور پھر خود ہی جواب دیا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”صرف اُس اللہ کی جو واحد ہے، قہار ہے!“

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ ”تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“

## آیات ۵۸ تا ۶۴

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ۝ لَيَدْخُلَنَّهُمْ مِّنْ دَحَلٍ مِّنْ صُّوْنِهِ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝



**آیت ۵۸** ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں“ ہجرت کا یہ مضمون یہاں پر موقع محل کی مناسبت سے آیا ہے۔ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورت ہے اور جس طرح ہجرت سے متصلاً بعد سورۃ البقرۃ کا نزول ہوا اسی طرح ہجرت سے متصلاً قبل سورۃ الحج نازل ہوئی۔  
 ﴿ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَبِزُ قَتْلِهِمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ ”پھر وہ قتل ہو گئے یا فوت ہو گئے (دونوں صورتوں میں) اللہ ان کو لازماً رزقِ حسنہ عطا فرمائے گا۔“

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ”اور یقیناً اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔“  
**آیت ۵۹** ﴿لِيَدْخِلْنَهُمْ مُدْخَلَ بَرِّضُونَهُ﴾ ”وہ لازماً ان کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جس سے وہ راضی ہو جائیں گے۔“

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا ہے۔“  
**آیت ۶۰** ﴿ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ﴾ ”یہ تو ہے ہی! اور جو شخص بدلہ لے اسی قدر جس قدر اس پر زیادتی کی گئی“

﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ﴾ ”پھر اس پر مزید زیادتی کی جائے تو اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا۔“  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ﴾ ”یقیناً اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔“  
 یعنی مسلمانوں پر اس سے قبل جو زیادتیاں ہو چکی ہیں اب وہ ان کا بدلہ لے سکتے ہیں اور پھر مزید کسی زیادتی کی صورت میں بھی اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

**آیت ۶۱** ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ ”اور یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے“

یعنی اس کائنات کا پورا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ رات دن کا یہ الٹ پھیر اس نظام کے اندر موجود اعتدال و توازن کی ایک مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کا یہ نظام ایسے ہی چل رہا ہے جیسے کہ اسے چلنا چاہیے۔ اس نظام کو درست رکھنے کے لیے قدرت کی طرف سے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ان سے متعلق قبل ازیں آیت ۴۰ میں ایک راہنما اصول بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام میں ظالم اور مفسد قوتوں کو مستقلاً برداشت نہیں کرتا اور دوسری قوتوں کے ذریعے انہیں نیست و نابود کرتا رہتا ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُتِنَتْ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ ”اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دور نہ کرتا رہتا تو ڈھادیا جاتا خانقاہوں، گرجوں، معبدوں اور مسجدوں کو جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانی معاشرے کے نظام کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے انتظامات کرتا ہے اسی طرح اس نے کائناتی اور آفاقی نظام کو بھی ٹھیک ٹھیک چلانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔“  
 ﴿وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

آیت ۶۲ ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ ”یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے۔“

اللہ کی ذات برحق ہے جس کا حق ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

﴿وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ ”اور یہ کہ جس کو یہ

لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا وہ سب باطل ہے اور یہ کہ یقیناً اللہ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔“

آیت ۶۳ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ ”کیا تم نے نہیں

دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ باریک بین اور بہت باخبر ہے۔“

یہاں پر ”لطیف“ کے یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیریں کرنے والا ہے۔

آیت ۶۴ ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

زمین میں ہے۔“

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ ”اور یقیناً اللہ بے نیاز اپنی ذات میں خود حمید ہے۔“

اسے کوئی احتیاج نہیں وہ ستودہ صفات ہے اپنی ذات میں خود محمود ہے اسے کسی حمد کی ضرورت نہیں۔

## آیات ۶۵ تا ۷۲

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُتْسِكُ السَّمَاءُ

أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ”اِنَّ اللہ بالاناس لرؤوف رحيم“ ﴿وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ ”اِنَّ الانسان لَكفور“ ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا

يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَاذْعُرْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ ”اِنَّك لعلیٰ هدیٰ مستقیم“ ﴿وَأِنْ جَدَلُوكَ فَقُلْ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اللہ بحکم بینکم یوم القیمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون“ ﴿أَلَمْ

تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اِنَّ ذلک فی کتب“ ﴿اِنَّ ذَلِك عَلَى اللَّهِ

یسیر﴾ ”ويعبدون من دون الله ما لم ينزل به سلطانا وما ليس لهم به علم“ ﴿وما

للظالمين من نصير﴾ ”واذا نثلى عليهم ایتنا بیت تعرف فی وجوه الذين كفروا

النکر یکادون یسطون بالذین یثلون علیہم ایتنا قل افانبئکم بشر من ذلکم

ع  
۱۶

النار وعدھا اللہ الذین کفروا ویبئس البصیر﴾

آیت ۶۵ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے زمین کی

سب چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے“

یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہاری ضروریات کی بہم رسانی میں لگا دیا ہے۔

﴿وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ﴾ ”اور کشتی کو جو چلتی ہے سمندر میں اُس کے حکم سے!“  
 ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ”اور وہ تھامے ہوئے ہے آسمان کو کہ وہ  
 گر نہ جائے زمین پر مگر اُس کے حکم سے۔“  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءَوُّفٌ رَحِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ انسانوں کے ساتھ بہت ہی شفیق ہے بہت  
 مہربان ہے۔“

**آیت ۶۶** ﴿وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا  
 پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔“

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ﴾ ”یقیناً انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔“  
 یعنی پہلے تم مُردہ تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا۔ یہ آیت سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے گہری مشابہت رکھتی  
 ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾  
 دونوں آیات کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں۔ صرف سورۃ البقرۃ کے ”كُنْتُمْ أَمْوَاتًا“ کے الفاظ کو زیر مطالعہ آیت  
 میں دہرایا نہیں گیا۔ مضمون دونوں آیات کا بہر حال ایک ہی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو عالم ارواح میں پیدا کیا اور ان سے  
 اپنی ربوبیت کا عہد (اَلَكُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ؟) لینے کے بعد سب کو سلا دیا بالکل اسی طرح جیسے آج کسی چیز کو کولڈ سٹوریج  
 میں رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کی پہلی موت تھی۔ اس کے بعد جب کسی روح کا رحم مادر میں کسی جنین کے  
 ساتھ ملاپ ہوتا ہے تو یہ اس روح یا اس انسان کا احیائے اول ہے۔ پھر دنیوی زندگی کے بعد جب اسے موت  
 آئے گی تو یہ اس کا ”اماتہ ثانیہ“ ہوگا اور جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ احیائے ثانی ہوگا۔ اس مضمون کا  
 ذرۂ سنام (climax) سورۃ غافر (المؤمن) کی آیت ۱۱ میں آئے گا۔

**آیت ۶۷** ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ﴾ ”ہم نے ہر اُمت کے  
 لیے قربانی (اور عبادت) کے طریقے مقرر کر دیے ہیں جن کی وہ پیروی کرتے ہیں تو انہیں آپ سے اس  
 معاملے میں جھگڑنا نہیں چاہیے“

یعنی بنی اسرائیل کے لیے قربانی کا طریقہ اور تھا بنی اسماعیل کسی اور طریقے سے قربانی کرتے تھے جبکہ  
 مسلمانوں کو ان دونوں سے مختلف طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ ہر اُمت کی اپنی اپنی شریعت کا معاملہ ہے اس میں  
 جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۳۲ میں اس طرح آچکا ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا  
 مَنْسَكًا لِّيُذَكِّرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةٍ الْأَنْعَامِ ۖ فَالْهُكُمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ ۖ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۖ وَبَشِّرِ  
 الْمُخْبِتِينَ﴾ ”اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ بنایا ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لیا کریں ان



موشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔ تو (جان لو کہ) تمہارا معبود ایک ہی ہے چنانچہ تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور (اے نبی ﷺ) بشارے دے دیجیے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔“

﴿وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝۶۷﴾ ”اور آپ اپنے رب کی طرف بلا رہے۔ یقیناً آپ ہدایت کے سیدھے راستے پر ہیں۔“

آیت ۶۸ ﴿وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۶۸﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔“

میرے پاس جو ہدایت میرے رب کی طرف سے آئی ہے میں اس کی پیروی کر رہا ہوں۔ اگر آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابلے میں آپ زیادہ حق پر ہیں تو آپ جانیں اور آپ کا رب جانے۔

آیت ۶۹ ﴿اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝۶۹﴾ ”اللہ فیصلہ کر دے گا تمہارے مابین قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔“

آیت ۷۰ ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ﴾ ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں اور زمین میں ہے؟“

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۖ﴾ ”یقیناً یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔“  
یہ وہی کتاب ہے جسے ”ام الكتاب“ بھی کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کی کتاب۔

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ۝۷۰﴾ ”یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“  
تمہیں یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک چیز کا علم کیسے رکھتا ہے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

آیت ۷۱ ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ﴾ ”اور وہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جن کے بارے میں اُس نے کوئی سند نہیں اتاری“

اگرچہ وہ اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

﴿وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ ”اور انہیں اس کا کچھ علم بھی نہیں۔“  
نہ صرف یہ کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کوئی سند نہیں بلکہ کوئی اثری ثبوت کوئی عقلی بنیاد اور کوئی منطقی دلیل بھی ان کے پاس ان من گھڑت معبودوں کی پرستش کے لیے نہیں ہے۔

﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ۝۷۱﴾ ”اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“  
آیت ۷۲ ﴿وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمُ الْآيَاتُ بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ ”اور جب

ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات تو تم دیکھتے ہو ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار۔“

اللہ عزوجل کا کلام سن کر خوشی سے کھل اٹھنے کی بجائے ان کے چہروں پر بیزاری اور ناگواری کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمُ الْكِتَابَ﴾ ”قرب ہوتے ہیں کہ ٹوٹ پڑیں ان پر جو ان کو ہماری آیت پڑھ کر سناتے ہیں۔“

﴿قُلْ أَفَأَنْتُمْ بِشِرِّ مِّنْ ذَلِكَُمْ﴾ ”آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دوں؟“  
یعنی جس قدر ناگواری تمہیں اس وقت ہو رہی ہے اور جس قدر سختی تم پر اس وقت بیت رہی ہے جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بڑھ کر ناگواری اور سخت چیز تمہارے لیے کیا ہوگی؟

﴿النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ ”وہ ہے آگ! جس کا وعدہ کیا ہے اللہ نے کافروں سے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“

### آیات ۷۳ تا ۷۸

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا  
ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ  
وَالْمَطْلُوبُ ۚ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۚ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ  
الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا  
خَلْفَهُمْ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ  
وَفْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۚ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ  
عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ  
وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ  
وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۚ

اس سورہ مبارکہ کا آخری رکوع اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اسی اعتبار سے یہ ہمارے ”مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب“ میں بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس رکوع کے مطالعہ سے پہلے میں ”منتخب نصاب“ اور اس کی غرض و غایت کے حوالے سے بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

الحمد للہ! ہم نے ”رجوع الی القرآن“ کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب تک میں اس میں اپنی زندگی کے ۳۵ سال صرف کر چکا ہوں (واضح رہے کہ یہ دروس جن پر ”بیان القرآن“ مشتمل ہے، ۱۹۹۸ء کے ہیں)۔ اسی تحریک کی کوکھ سے تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت نے جنم لیا ہے، ہماری اس دعوت ”رجوع

إلى القرآن“ کی بنیاد ”مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب“ ہے۔ اس منتخب نصاب کو میں نے ذریعہ بنایا ہے لوگوں کو قرآن سے متعارف کرانے کا اور ایک مسلمان پر دین کی طرف سے جو بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں ان فرائض کا ایک جامع تصور ان کے سامنے رکھنے کا۔ یعنی دین کے وہ فرائض جن کے بارے میں ہم سے قیامت کے دن باز پرس ہونی ہے ان کا ایک صحیح تصور مختصر الفاظ میں ہمارے سامنے آ جائے۔ جہاں تک نماز، روزہ وغیرہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں تو سب جانتے ہیں کہ وہ بنیادی فرائض میں سے ہیں، لیکن کیا ہم پر اس کے علاوہ بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں؟ کیا ہم کچھ اور امور میں بھی مسئول ہیں؟ کیا بحیثیت مسلمان اس سے بڑھ کر کچھ مزید بھی ہماری ذمہ داری ہے؟ ان سب سوالات کے جوابات اس منتخب نصاب کے مطالعے میں موجود ہیں۔ یہ نصاب تقریباً دو پاروں کے برابر ہے۔ یعنی حجم کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کا ۱۵/۱۵واں حصہ ہے۔

قرآن مجید کے اب تک کے مطالعے (بیان القرآن) کے دوران ہم منتخب نصاب کے کچھ حصوں کا مطالعہ بھی کر آئے ہیں، لیکن چونکہ اس نصاب میں زیادہ تر آیات اور سورتیں قرآن حکیم کے نصف ثانی بلکہ آخری حصے سے شامل ہوئی ہیں اس لیے زیادہ تر مقامات کا مطالعہ ابھی باقی ہے۔ اگرچہ ان مقامات اور اسباق کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ قرآن کے کس حصے سے کتنا حصہ منتخب کیا جائے، لیکن عملی طور پر قرآن کے آخری حصے سے زیادہ آیات منتخب ہوئی ہیں۔ اس صورت حال کی ایک بہت خوبصورت مشابہت حروف مقطعات کے ساتھ ہے جس کی طرف آج اچانک میرا ذہن منتقل ہوا ہے اور وہ یہ کہ عربی کے ۲۸ یا ۲۹ حروف تہجی کی جو تختی ہے اس کے نصف اول میں سے بہت کم حروف ہیں جو حرف مقطعات میں شامل ہوئے ہیں، جبکہ اس تختی کے نصف ثانی میں سے بہت سے حروف ہیں جو حروف مقطعات میں آئے ہیں۔ یہ تو بہر حال ایک اضافی نکتہ تھا۔ اس وقت منتخب نصاب کے عمومی تعارف اور اس میں سورۃ الحج کے آخری رکوع کی اہمیت کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔

اس منتخب نصاب کے کل چھ حصے ہیں۔ پہلا حصہ ”جامع اسباق“ پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز سورۃ العصر سے ہوتا ہے جو قرآن حکیم کی ایک مختصر مگر انتہائی جامع سورت ہے۔ اس میں انسان کی نجات اخروی کے چار لوازم یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد پہلے حصے میں قرآن کے تین ایسے جامع مقامات شامل کیے گئے ہیں جن میں نجات کے انہیں چاروں لوازم کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ پہلے حصے کا دوسرا درس سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۷ (آیت البر) پر مشتمل ہے جس میں نیکی کی حقیقت پر تفصیلی بحث ہوئی ہے کہ یوں تو ہر شخص اپنے ذہن میں نیکی کا ایک اپنا تصور رکھتا ہے لیکن اصل اور جامع نیکی کون سی ہے؟ نیکی کی روح کیا ہے؟ اس کی جڑ اور بنیاد کیا ہے؟ اس کا سب سے اونچا مقام کیا ہے؟ اور اس کا مقام مطلوب کون سا ہے؟

حصہ دوم میں ایمان سے متعلق مباحث ہیں کہ ایمان کیا ہے اور یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ اس حصے کے درسوں میں سورۃ الفاتحہ کا درس، سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کا درس اور سورۃ النور کے پانچویں رکوع کا درس شامل ہیں۔ اس نصاب کا تیسرا حصہ اعمالِ صالحہ کے بارے میں ہے۔ اس میں انفرادی و اجتماعی سطح پر اور پھر معاشرتی و ریاستی سطح پر اعمالِ صالحہ کی اہمیت، کیفیت، ضرورت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرتی سطح پر اعمال



صالحہ کی تفصیلات کے سلسلے میں سورہ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا اہم درس بھی اس حصے میں شامل ہے۔ (ان آیات میں جو احکام مذکور ہیں وہ تورات کے ”احکام عشرہ“ یعنی Ten Commandments کی قرآنی تشریح و تعبیر کا درجہ رکھتے ہیں۔)

منتخب نصاب کے چوتھے حصے کا پہلا درس سورۃ الحج کے اس رکوع پر مشتمل ہے جو اب ہمارے زیر مطالعہ آرہا ہے۔ گویا اس کی جگہ منتخب نصاب کے عین وسط میں ہے۔ قرآن کی دعوت کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ اس میں قرآنی دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایک دعوت عمومی اور دوسری دعوت خصوصی۔ قرآن کی دعوت عمومی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ہے۔ کوئی فرد دنیا کے کسی گوشے یا کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو کسے باشد! وہ قرآن کی اس دعوت کا مخاطب ہے۔ یہ عمومی دعوت دراصل ایمان کی دعوت ہے۔ چونکہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (سبا: ۲۸) اس لیے ایمان کی یہ دعوت تمام انسانوں کے لیے ہے کہ لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ! رسول پر لاؤ! آخرت، بعث بعد الموت، جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ! یہ پہلے درجے کی دعوت ہے اور پہلے درجے میں صرف ماننے کی دعوت ہی دی جاسکتی ہے۔ اس درجے پر عمل (نماز، روزہ وغیرہ) کی دعوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ جو انسان اللہ رسول اور قرآن کو نہیں مانتا اس کے لیے نماز اور روزہ کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے! اس کے بعد خصوصی دعوت کا درجہ ہے اور اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو پہلی دعوت یعنی دعوت ایمان پر لبیک کہتے ہیں۔ یعنی جو لوگ دعوت ایمان کو قبول کریں گے انہیں دعوت عمل کے ذریعے ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس رکوع کی چھ آیات میں دعوت قرآنی کے ان دونوں (عمومی اور خصوصی) درجوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی چار آیات میں ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ کے الفاظ سے پوری بنی نوع انسان کو خطاب کیا گیا ہے، جبکہ آخری دو آیات میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے الفاظ کے ساتھ اہل ایمان کو دعوت عمل دی گئی ہے۔

**آیت ۷۳** ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ ۖ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۖ﴾ ”اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، پس اسے ذرا توجہ سے سنو!“

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ﴾ ”یقیناً (تمہارے وہ معبود) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ایک مکھی بھی تخلیق نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔“

چونکہ اس کے مخاطب اول مکہ کے بت پرست تھے اس لیے انہیں شعور دلانے کے لیے ان کے بتوں کی مثال دی گئی ہے کہ خانہ کعبہ میں سجائے گئے تمہارے یہ تین سو ساٹھ بت مل کر بھی کوشش کر لیں تب بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ یہ وہی انداز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے بتوں کی بے بسی ظاہر کرنے کے لیے اپنایا تھا۔ آپ نے بتوں کو توڑ کر ان کے پجاریوں کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

﴿وَإِنْ يَسْأَلُكَ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِذُوهُ مِنْهُ﴾ ”اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے

جائے تو یہ اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے۔“

یعنی مکھی کو تخلیق کرنا تو بہت دور کی بات ہے، یہ تو اپنے اوپر سے مکھی کو اڑا بھی نہیں سکتے۔ اگر کوئی مکھی ان کے سامنے پڑے ہوئے حلووں مانڈوں میں سے کچھ لے اڑے تو اس سے وہ چیز واپس بھی نہیں لے سکتے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ ”کس قدر کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی!“

اس مضمون پر یہ جملہ اس قدر جامع ہے کہ قرآن مجید کے نظریہ توحید کا عملی لب لباب ان تین الفاظ میں سا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر باشعور انسان کا ایک نصب العین، آئیڈل یا آدرش ہوتا ہے، جس کے حصول کے لیے وہ دن رات بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت اور اس کا آئیڈل آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کے لیے معیار اور کسوٹی فراہم کرتے ہیں۔ کسی انسان کا معیار اس کے آئیڈل سے پہچانا جاتا ہے اور کسی آئیڈل کا معیار اس کے چاہنے والے کے معیار سے پرکھا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کا آئیڈل گھٹیا ہے تو لازماً وہ انسان خود بھی اسی سطح پر ہوگا اور اگر کسی کا آئیڈل اعلیٰ ہوگا تو وہ خود بھی اعلیٰ شخصیت کا مالک ہوگا۔ اس اصول پر ان لوگوں کے ذہنوں کے معیار اور سوچوں کی سطح کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو پتھر کے بتوں کو اپنے معبود سمجھ کر ان کے آگے جھکتے ہیں۔ جس طالب کا مطلوب اور آئیڈل ایک ایسا بے جان مجسمہ ہے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی تک کو نہیں اڑا سکتا، اس کی اپنی شخصیت کا کیا حال ہوگا: ”قیاس کن زگلستان من بہار مرا!“

یہ مضمون ذرا مختلف انداز میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۵ میں اس طرح آچکا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مد مقابل کچھ معبود بنا کر ان سے ایسے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس توحید کا سبق تو یہ ہے: لَا مَحْبُوبَ إِلَّا اللَّهُ! لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ! لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ! یعنی انسان کا محبوب و مقصود و مطلوب صرف اور صرف اللہ ہے۔ باقی کوئی شے مطلوب و مقصود نہیں ہے، باقی سب ذرائع ہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے اور اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے مختلف ذرائع سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں توحید کا تقاضا یہی ہے کہ ان سب چیزوں کو ذرائع کے طور پر استعمال ضرور کریں مگر انہیں اپنا مطلوب و مقصود نہ بنائیں۔ نہ بھیتی کو نہ دکان کو نہ کسی ہنر کو نہ کسی پیشے کو نہ کسی رشتہ دار اور نہ اولاد کو! یہ ہے توحید کا لب لباب!

جو شخص توحید کے اس تصور تک نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کی معرفت اس انداز میں حاصل نہیں کر سکتا، اس کے ذہن کی پستی اسے اللہ کو چھوڑ کر طرح طرح کی چیزوں کی پرستش کرنا سکھاتی ہے اور پھر اسی ڈگر پر چلتے ہوئے کوئی وطن پرست ٹھہرتا ہے تو کوئی قوم پرست قرار پاتا ہے۔ کوئی دولت کی دیوی کا پجاری بن جاتا ہے تو کوئی اپنے نفس کو معبود بنا کر اپنے ہی حریم ذات کے گرد طواف شروع کر دیتا ہے۔ ”اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!“

آیت ۷۷ ﴿مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ ”انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔“

ایسے لوگ اللہ کی کما حقہ معرفت حاصل نہ کر سکے اور جلال و جمال الہی کی کوئی جھلک نہ دیکھ سکے اور یوں دنیا

اور اس کی چیزوں کو اصل مطلوب و مقصود سمجھ کر اس عروس ہزار داماد کے عاشق بن بیٹھے!

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ ”یقیناً اللہ بہت طاقت والا سب پر غالب ہے۔“

آیت ۷۵ ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ ”اللہ چن لیتا ہے اپنے پیغامبر فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

یہاں رسالت کے دونوں واسطوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جس میں ایک ”رسول ملک“ ہے اور دوسرا ”رسول بشر“ ہے۔ چنانچہ فرشتوں میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چنا گیا اور انسانوں میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور یوں رسول ملک کے ذریعے رسول بشر تک پیغام پہنچایا گیا تا کہ وہ اپنے ابنائے نوع تک اسے پہنچا دیں۔

آیت ۷۶ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔“

﴿وَالِلَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹا دیے جائیں گے۔“

اس آیت میں آخرت کا ذکر بھی آگیا اور یوں اس دعوت عمومی میں امور ثلاثہ یعنی توحید رسالت اور آخرت کا ذکر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس دعوت میں يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ (آیت ۳۷) کے الفاظ سے نوع انسانی کے تمام افراد کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اب دوسرے مرحلے کی دعوت ان خصوصی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے اس پہلی دعوت پر لبیک کہا کہ ہم ایک اللہ کو معبود مانتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں، بعثت بعد الموت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ کے فلسفے پر بھی ایمان رکھتے ہیں، وہ لوگ اہل ایمان قرار پائے۔ اب اگلے مرحلے میں انہی لوگوں کو عمل کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس انداز دعوت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اس میں فعل امر کا استعمال کیا گیا ہے، یعنی اس دعوت کا انداز حکمیہ ہے۔ پہلی دعوت میں فعل امر کا استعمال صرف مثال سننے کی حد تک ہوا تھا: ﴿فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ کہ یہ مثال جو بیان کی جا رہی ہے اسے غور سے سنو! لیکن جو لوگ اس دعوت کو مان کر اسلام کے دائرہ میں آگئے ہیں انہیں اب باقاعدہ حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۷۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ ”اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ اور سر بسجود ہو جاؤ اور اپنے رب کی بندگی کرو“

یہاں صرف اصطلاحی رکوع اور سجدہ ہی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دینے کا حکم ہے۔ اسی طرح ”عبادت“ کے حکم میں بھی ”مکمل بندگی“ کا مفہوم پنہاں ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی      زندگی بے بندگی شرمندگی!

﴿وَفَعَلُوا الْخَيْرَ﴾ ”اور نیک کام کرو“



یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ **وَاعْبُدُوا** (بندگی کرو!) کے حکم میں تو گویا سب کچھ آگیا۔ اب اس کے بعد مزید نیک کام کون سے ہیں؟ دراصل ”فعل خیر“ سے یہاں مراد خدمتِ خلق ہے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدمتِ خلق میں لگا دو! اور خدمتِ خلق صرف بھوکے کو کھانا کھلانے تک ہی محدود نہیں بلکہ سب سے بڑی خدمتِ خلق یہ ہے کہ لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس حکم میں یہ بھی شامل ہے کہ اے اللہ کے بندو! ایمان و عمل کے جو حقائق تم پر منکشف ہو گئے ہیں ان سے دوسرے لوگوں کو بھی روشناس کراؤ، تاکہ وہ جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ (۷۷) ”تاکہ تم فلاح پاؤ!“

سیاق و سباق کے اعتبار سے یہ بہت اہم بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان کے دعوے دارو! کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ایمان کا اقرار کر لیا تو بس اب فلاح ہی فلاح ہے۔ بس کلمہ پڑھ لیا اور کامیابی ہو گئی۔ نہیں ایسا نہیں! یہ ”یہ شہادت کہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے!“ تم لوگوں نے اس شہادت گاہ میں قدم رکھا ہے تو اب اس کے تقاضے پورے کرو گے تو تب کامیابی ہوگی۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ بس ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اب بیٹھے بیٹھے ہمیں جنت مل جائے گی تو یہ تمہارا اپنا خیال ہے تمہاری اپنی دل خوش کن تمنا (wishful thinking) ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ﴾ (البقرہ: ۱۱۱) ”یہ ان کی تمنائیں ہیں۔“

امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ سورۃ الحج کی اس آیت کی تلاوت پر سجدہ تلاوت کرنا چاہیے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ آیت سجدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ آیاتِ سجدہ پر سجدہ تلاوت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

**آیت ۷۸** ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ ”اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے۔“

﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ ”اُس نے تمہیں چُن لیا ہے“

اب نبوت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ آئندہ جبرائیلؑ کسی کے پاس وحی لے کر نہیں آئیں گے۔ انہوں نے جو وحی پہنچانی تھی پہنچا دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام محمد ﷺ نے تم لوگوں تک پہنچا دیے ہیں۔ اب ان احکام کو اس دعوت کو تمام نوعِ انسانی تک پہنچانے کے لیے اللہ نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تمام انسانوں میں سے تمہیں چُن لیا گیا ہے اس عظیم الشان مشن کے لیے تمہارا سلیکشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ تم اپنے نصیب پر فخر کرو اور اس کام میں لگ جاؤ۔

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ”اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ ”تمہارے جدِ امجد ابراہیمؑ کی ملت۔“

﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ”اُسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے“

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ”مسلم“ کا خطاب دیا ہے اور تمہارے جدِ امجد ابراہیمؑ نے بھی تمہارا یہی نام

رکھا تھا۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ”پروردگار! ہمیں بھی اپنا فرمانبردار (مسلم) بنا کر رکھو اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت مسلمہ اٹھائیو!“

﴿مَنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا﴾ ”اس سے پہلے بھی (تمہارا یہی نام تھا) اور اس (کتاب) میں بھی ہے“  
﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ”تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔“

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۳ میں آیا ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ”اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔“ صرف یہ فرق ہے کہ وہاں پہلے امت کا ذکر ہے اور پھر رسول کا جبکہ یہاں پہلے رسول اور بعد میں امت کا ذکر ہے۔ پس اے اہل ایمان! اس ذمہ داری کو اچھی طرح سے سمجھ لو اور اب بسم اللہ کرو! قدم آگے بڑھاؤ! اور دیکھو تمہارا سب سے پہلا قدم کون سا اٹھنا چاہیے:

﴿فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ﴾ ”پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔“

اللہ تمہارا حمایتی اور پشت پناہ ہے تم اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔  
﴿هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ ”وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی اچھا ہے مددگار!“

”مولیٰ“ کے مفہوم میں آقا، حمایتی، پشت پناہ، ملجا و ماویٰ اور مرجع کے معانی شامل ہیں۔  
اس رکوع کے مضامین بہت اہم ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے اہم نکات ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیے جائیں۔ اس رکوع میں پہلا سبق توحید سے متعلق ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ ایک انسان کا مطلوب حقیقی، محبوب حقیقی اور مقصود اصلی صرف اور صرف اللہ ہی ہو۔ اس کے بعد دوسرا نکتہ رسالت سے متعلق ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک رسالت کا سلسلہ صرف دو واسطوں پر مشتمل تھا، یعنی رسول ملک اور رسول بشر۔ لیکن اب دو محمدی میں ایک تیسرے واسطے کا اضافہ کیا گیا اور امت مسلمہ کو بھی ایک مستقل کڑی کے طور پر رسالت کے سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) میں منسلک کر دیا گیا ہے۔ اس ذمہ داری کے لیے امت مسلمہ کے انتخاب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس رکوع (آیت ۷۸) میں (هُوَ اجْتَبَاكُمْ) کے الفاظ سے کیا ہے جبکہ قبل ازیں آیت ۷۵ میں رسول ملک اور رسول بشر کے لیے ”اصطفاء“ کا لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾۔ اصطفاء اور اجتباء دونوں الفاظ معنی کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور خود حضور ﷺ کے لیے (محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ) بھی مستعمل ہیں۔

اس رکوع کا تیسرا مضمون ”شہادت علی الناس“ کے بارے میں ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کے الفاظ کی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ سے بہت قریبی مشابہت ہے، بلکہ دونوں مقامات پر الفاظ ایک جیسے ہیں، صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ یہ ہیں: ﴿لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ جبکہ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ میں الفاظ کی ترتیب یوں ہے: ﴿لَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (مضمون اور الفاظ کے اعتبار سے جو نسبت ان دو آیات کی آپس میں ہے بالکل وہی نسبت سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے ان الفاظ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ کی سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ کے ان الفاظ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ کے ساتھ ہے۔)

چنانچہ اس اعتبار سے امت مسلمہ پر شہادت علی الناس اور پیغام رسالت کی دعوت و تبلیغ کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جس کے بارے میں قیامت کے دن بہت سخت جواب دہی ہوگی۔ اس جواب دہی کے بارے میں سورۃ الاعراف کی یہ آیت بہت واضح ہے: ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۖ﴾۔ چنانچہ وہاں امت مسلمہ سے بحیثیت مجموعی جواب طلبی ہوگی کہ تم لوگوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس حد تک نبھایا تھا؟ یعنی جو دین تم لوگوں تک آخری نبی ﷺ کے ذریعے پہنچا تھا کیا تم لوگوں نے اسے پوری نوع انسانی تک پہنچا دیا تھا؟ اور اگر یہ ذمہ داری امت نے کما حقہ پوری نہیں کی ہوگی تو پوری امت بحیثیت مجموعی مجرم قرار پائے گی۔ اور چونکہ آج امت مسلمہ مجموعی طور پر اپنی اس ذمہ داری کا حق ادا نہیں کر رہی ہے اس لیے اپنے اسی جرم کی پاداش میں اجتماعی طور پر ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ اور بقول علامہ اقبال آج اس کی کیفیت یہ ہے کہ: ع

حمیت نام تھا جس کا، گئی تیمور کے گھر سے!

دنیا کی ذلت و خواری کی یہی سزا اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کے اجتماعی جرائم کی پاداش میں مل چکی ہے، جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ وَالْمُسْكَنَةَ ۖ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۖ﴾۔ اس لیے کہ اجتماعی جرائم کی سزا قوموں کو دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے۔

امت مسلمہ اجتماعی طور پر تو اس سلسلے میں قصور وار ہے ہی، مگر آخری محاسبے کے دوران ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں بھی جواب دہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے لیے ہم میں سے ہر شخص کو فکر مند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے اس فرض کو کس حد تک نبھا رہا ہے اور قیامت کے دن اس نے اس سلسلے میں کیا جواب دینا ہے۔ کیا وہ اپنی دنیا کی زندگی میں صرف دولت کمانے اور جائیدادیں بنانے کے ایک کبھی نہ ختم ہونے والے چکر میں پڑا رہا یا اس نے دعوت قرآن اور تبلیغ دین کے فریضہ کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی اور اپنی دولت، صلاحیتوں اور جان کی قربانیوں کے ذریعے استطاعت بھر اس کام میں بھی اپنا حصہ ڈالا؟

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۝





# سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

## تمہیدی کلمات

سورۃ المؤمنون مکی سورتوں کے اس سلسلے کی آخری سورت ہے جو سورۃ یونس سے شروع ہوا تھا۔ اس سلسلے یا گروپ میں چودہ مکی سورتیں ہیں اور حجم کے اعتبار سے پورے قرآن میں مکی سورتوں کا یہ سب سے بڑا گلدستہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۱۱

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ۝ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اس سورت کی ابتدائی گیارہ آیات مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے تیسرے حصے میں شامل ہیں۔ اس حصے کے دروس میں اعمالِ صالحہ کی تفصیلات ایک خاص تدریج سے زیر بحث آئی ہیں۔ اس تدریج میں سب سے پہلی ترجیح تو فرد اور اس کے اعمال کی ہے۔ یعنی ایک بندہ مؤمن کے اعمال انفرادی حیثیت سے صالح اور نیک ہوں اور اس کے سیرت و کردار کی تعمیر بہتر بنیادوں پر استوار ہو۔ چنانچہ اس تیسرے حصے کا پہلا درس سورۃ المؤمنون کی پہلی گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ ان گیارہ آیات میں بندہ مؤمن کی سیرت کی اساسات بیان کی گئی ہیں۔ یہ بنیادیں ٹھوس اور پختہ ہوں گی تو سیرت کی عمارت بھی مضبوط ہوگی۔ چنانچہ اس تیسرے حصے میں قرآن حکیم کے مختلف مقامات کے دروس کی مدد سے اعمالِ صالحہ کے مباحث کو تدریجاً آگے بڑھایا گیا ہے کہ مضبوط اور نیک سیرت کے حامل افراد سے جب خاندان وجود میں آئے گا تو ان کی عائلی زندگی کا نقشہ کیسا ہوگا۔ نیک اور صالح افراد پر مشتمل معاشرے کے خدوخال کیسے ہوں گے اور پھر معاشرے کی بلند ترین سطح پر یعنی ریاستی معاملات میں ان افراد کے سیرت و کردار کی کرامات کا ظہور کن کن صورتوں میں ہوگا۔

**آیت ۱ ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾** ”کام نکال لے گئے اہل ایمان۔“

اس آیت کا یہ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مگر خود حضرت شیخ الہند کا کہنا ہے کہ

انہوں نے ”موضح القرآن“ میں شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہی اختیار کیا ہے اور اس میں کہیں کہیں زبان کی تبدیلیوں کے علاوہ کوئی اور تبدیلی نہیں کی۔ گویا بنیادی طور پر یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہے اور میرے نزدیک لفظ فلاح کی اصل روح کے قریب ترین ہے۔ ”فلاح“ کا ترجمہ بالعموم ”کامیابی“ سے کیا جاتا ہے، لیکن اس کے مفہوم کو درست انداز میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ لفظ ”فلاح“ کے حقیقی اور لغوی معنی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ اس مادہ کے لغوی معنی ہیں: ”پھاڑنا“۔ اسی معنی میں کسان کو عربی میں ”فلاح“ کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے ہل کی نوک سے زمین کو پھاڑتا ہے۔ عربی کی ایک کہاوت ہے: **إِنَّ الْحَدِيدَ بِالْحَدِيدِ يُفْلَحُ** یعنی لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ اس طرح فلاح کا مفہوم گویا فلق کے قریب تر ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۹۵ میں لفظ ”فلق“ اسی مفہوم میں آیا ہے: **﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى﴾** ”یقیناً اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑنے والا ہے“۔ اس سے اگلی آیت میں یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نمودِ صبح کے حوالے سے اس طرح استعمال ہوا ہے: **﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾** یعنی وہ تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کو نمودار کرنے والا ہے۔ چونکہ فلاح اور فلق دونوں قریب المعنی الفاظ ہیں اور دونوں کے معنی پھاڑنا ہے اس لیے آیت زیر نظر میں فلاح کا مفہوم سمجھنے کے لیے **﴿فَلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى﴾** کے حوالے سے گٹھلی کے پھٹنے اور اس کے اندر سے کوئیلیں برآمد ہونے کے عمل کو ذہن میں رکھیں۔ جس طرح گٹھلی کے اندر پورا پودا بالقوہ (potentially) موجود ہے اسی طرح انسان کے اندر بھی اس کی انا یا روح اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود ہے۔ اور جس طرح گٹھلی کے پھٹنے (فلق) سے دو کوئیلیں برآمد ہوتی ہیں اور پھر ان سے پورا درخت بنتا ہے اسی طرح جب انسانی وجود کے اندر موجود مادیت کے پردے چاک (فلح) ہوتے ہیں تو اس کی انا یا روح بے نقاب ہوتی ہے اور اس کی نشوونما سے اس کی معنوی شخصیت ترقی پاتی ہے۔ انسان کی اسی انا یا روح کو اقبال نے خودی کا نام دیا ہے اور اس کو اُجاگر (develop) کرنے کے تصور پر اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے خصوصی طور پر آئیڈیل یا آدرش کے فلسفہ کے حوالے سے (اس ضمن میں گزشتہ صفحات میں سورۃ الحج کی آیت ۷۳ کی تشریح بھی مد نظر رہے) اپنی معرکہ الآراء کتاب The Ideology of the Future میں اقبال کے فلسفہ خودی کی بہترین تعبیر کی ہے۔

انسان بظاہر ایک مادی وجود کا نام ہے۔ اس وجود میں ہڈیاں ہیں، گوشت ہے اور دیگر اعضاء ہیں۔ لیکن اس مادی وجود کے اندر اس کی انا اور روح بھی ہے جو اس کی اصل شخصیت ہے۔ انسان کہتا ہے میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میری آنکھ، میری ٹانگ، میرا سر، میرا جسم! لیکن اس ”میرا“ اور ”میری“ کی تکرار میں ”میں“ کہاں ہے اور کون ہے؟ یہ ”میں“ دراصل انسان کی انا یا روح ہے۔ یعنی انسان کو حیوانوں کے مقابلے میں صرف عقل و شعور کی دولت سے ہی نہیں نوازا گیا بلکہ اسے روح ربانی کی نورانیت بھی عطا کی گئی ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

دم چیست؟ پیام است! شنیدی شنیدی؟ در خاک تو یک جلوه عام است ندیدی؟

دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!!

انسانی جسم کے اندر اس کی روح مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک مخفی خزانہ ہے جسے کھود کر



نکالنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس خزانے کو کام میں لانا ہے تو ”فلاحی“ کے عمل سے مادیت کے پردوں کو چاک کرنا ہوگا اور آیت زیر نظر میں قَدْ أَفْلَحَ کے الفاظ اسی مفہوم میں آئے ہیں کہ مؤمنین صادقین نے اپنی روحوں پر پڑے ہوئے مادیت کے پردوں کو چاک کر کے اصل خزانے یعنی روح کو بے نقاب کرنے اور اس کی نشوونما (develop) کرنے کا مشکل کام کر دکھایا ہے۔ جبکہ عام انسان کی تمام تر توجہ اپنے حیوانی وجود پر ہی مرکوز رہتی ہے۔ نہ وہ اپنی روح کی خبر لیتا ہے اور نہ ہی اس کی غذا اور نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے انسان کی روح سک سک کر مر جاتی ہے اور اس کا جسم اس کی روح کا مقبرہ بن جاتا ہے۔ بظاہر ایسے شخص کا شمار زندہ انسانوں میں ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہوتا ہے۔ مثلاً ابو جہل زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھا۔ وہ اندھا اور بہرا تھا اسی لیے نہ تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکا اور نہ آپ کی دعوت کو سن سکا۔ اس کے برعکس ایک بندہ مؤمن ہے جو حقیقت میں زندہ ہے اس لیے کہ اس کی روح زندہ ہے۔ جیسے کہ سورۃ النحل کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ ”تو ہم ضرور اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی“۔ چنانچہ جو شخص بھی اپنی خودی کے ارتقاء (development of self) اور اپنے کردار کی تعمیر (development of character) کا مشکل کارنامہ سرانجام دے پائے گا وہی حقیقت میں کامیاب قرار پائے گا اور وہی آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے قَدْ أَفْلَحَ کا مصداق ٹھہرے گا۔ اور یہ کامیابی ہر انسان کی پہنچ میں ہے کیونکہ روح کی دولت تو ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ ہندی شاعر بھیک کے بقول: ”بھیرکا بھوکا کوئی نہیں سب کی گدڑی لال!“ یعنی بھوکا یا نادار کوئی بھی نہیں ہے ہر انسان کی گٹھڑی میں لعل موجود ہے بس اس گٹھڑی کی گرہ کھول کر اس ”لعل“ یا دولت کو دریافت کرنے اور اسے کام میں لانے کا فن اسے آنا چاہیے۔ یہی نکتہ اس خوبصورت فارسی شعر میں ایک دوسرے انداز میں پیش کیا گیا ہے:-

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن در آ!  
یعنی تمہارے اندر بھی ایک مہکتا ہوا چمن موجود ہے تم اپنے دل کے دروازے سے داخل ہو کر اس چمن کی سیر سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔

اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴾ (الذاریت) یعنی خود تمہارے اندر معرفت کا سامان موجود ہے مگر تم لوگ اس سے غافل ہو۔ اپنشد کے ایک جملے کا انگریزی ترجمہ اس طرح ہے:

"Man in his ignorance identifies himself with the material sheeths which encompass his real self."

یعنی انسان اپنی جہالت کے باعث ان مادی غلافوں ہی کو اپنی ذات سمجھ بیٹھتا ہے جو اس کی ذات (انا یا روح) کے گرد گرد لپٹے ہوئے ہیں۔ اور یوں وہ نہ خود کو پہچان پاتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کی معرفت ضروری ہے جیسے کہ صوفیاء کا قول ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ ”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا“۔ دوسرے

لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اپنی ”انا“ (self) سے غافل رہا وہ معرفتِ الہی سے بھی محروم رہا۔ یہی نکتہ ہے جو سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ ”ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا۔“ چنانچہ لفظ فلاح کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر اس آیت کو پڑھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی شخصیت اور ذات کے مادی غلافوں کو پھاڑ کر اپنی معنوی شخصیت اور روح کو اُجاگر کرنے اور اس کے ذریعے سے عرفانِ ذات اور پھر معرفتِ الہی تک پہنچنے جیسے مشکل مراحل اہل ایمان کا میابی سے طے کر لیتے ہیں۔ اور وہ کون سے اہل ایمان ہیں:

**آیت ۲** ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ ”وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔“ کامیاب، بامراد اور فائز المرام اہل ایمان وہ ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ان کی توجہ رکعتوں کی گنتی پوری کرنے پر ہی مرکوز نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی نمازوں میں عاجزی اور فروتنی اختیار کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں حقیقی خشوع و خضوع کا منظر پیش کرتی ہیں۔

**آیت ۳** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ ”اور جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔“ یعنی ان کا دوسرا وصف ہے بے کار باتوں سے احتراز کرنا، بچنا، دامن بچائے رکھنا۔ لغو سے مراد گناہ یا معصیت کا کام نہیں، بلکہ ہر ایسا عمل یا کام ہے جو بے فائدہ اور فضول ہو۔ جیسے لوگ محفل جما کر تاش کھیلتے ہیں اور وقت کو ایسے ضائع کرتے ہیں جیسے یہ کوئی بوجھ (liability) ہو اور اسے سر سے اتار پھینکنا ناگزیر ہو۔ انہیں احساس نہیں ہوتا کہ یہ وقت ہی تو انسان کا سب سے بڑا سرمایہ (asset) ہے۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر ہی انسان اپنی عاقبت کو سنوار سکتا ہے اور جو اس وقت کو فضول میں ضائع کرتا ہے وہ گویا اپنی عاقبت کو ضائع کرتا ہے۔ اس آیت میں مؤمنینِ صادقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ مہلتِ زندگی کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔ انہیں زندگی میں ایک ایک لمحے کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ صرف ایک دفعہ ”سبحان اللہ“ کہنے سے اللہ کے ہاں ان کے درجات کس قدر بلند ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنا وقت فضول اور بے مقصد مصروفیات میں ضائع نہیں کرتے۔ وہ زندگی کے ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے اپنی شخصیت کی تعمیر اور آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے صرف کرتے ہیں۔

**آیت ۴** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ ”اور وہ جو ہر دم اپنے تزکیے کی طرف متوجہ رہنے والے ہیں۔“ یہ کامیاب و بامراد اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان ہوا۔ یہاں ”زکوٰۃ“ کا لفظ اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ اپنے لغوی معنی میں آیا ہے اور اس سے مراد تزکیۂ نفس ہے۔ اس لیے کہ یہ ابتدائی مکی دور کی سورت ہے اور اُس وقت تک زکوٰۃ ادا کرنے کا ابھی کوئی تصور نہیں تھا۔ ویسے بھی قرآن حکیم میں زکوٰۃ کے ساتھ عموماً لفظ ”ایتاء“ آتا ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے مؤمن بندے ہمہ وقت ہمہ تن اپنے نفس کے تزکیے کے لیے کوشاں اور اپنے دامن کے داغ دھبے دھونے کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔

**آیت ۵** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ ”اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

**آیت ۶** ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۖ﴾ ”سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے تو ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔“

ان کا چوتھا وصف یہ بیان ہوا کہ وہ صرف جائز طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہیں اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی جنسی جذبہ فی نفسہ بُرا نہیں بلکہ برائی اس کے غلط استعمال میں ہے۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں تہجد کی زندگی بسر کرنا اور اپنے جنسی جذبہ کو جو فطرت اور جبلت میں ایک نہایت قوی جذبہ ہے کچلنا ایک اعلیٰ ترین روحانی قدر قرار دیا جاتا ہے جبکہ اسلام دین فطرت ہے چنانچہ وہ اس فطری وجہی جذبہ کو بالکل کچلنے اور دبائے کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ اس کا منشا و مدعا یہ ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے جائز اور حلال راہیں اختیار کی جائیں۔ نکاح کو اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنتوں میں سے ایک سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہاں جنسی تسکین کے جائز راستوں کے لیے ”غَيْرُ مَلُومِينَ“ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

**آیت ۷** ﴿فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۚ﴾ ”تو جو کوئی بھی اس کے علاوہ کچھ چاہے گا تو ایسے لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

اس سلسلے میں جو کوئی حلال اور جائز طریقے سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا وہ گناہ اور زیادتی کا مرتکب قرار پائے گا۔

**آیت ۸** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۚ﴾ ”اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

اس آیت میں دو وصف بیان ہوئے ہیں۔ یعنی پانچواں وصف امانتوں کی پاسداری اور چھٹا وصف ایفاء عہد۔  
**آیت ۹** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ﴾ ”اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری محافظت کرتے ہیں۔“

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس مضمون کا آغاز بھی نماز کے ذکر سے کیا گیا تھا اور اس کا اختتام بھی نماز کے ذکر پر کیا جا رہا ہے۔ آیت ۲ میں کامیاب و بامراد مومنین کی پہلی صفت یہ بتائی گئی تھی: ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۚ﴾ کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ یعنی اس مضمون کے آغاز میں نماز کی باطنی کیفیت کے حسن کا ذکر کیا گیا تھا جبکہ اختتام پر آیت زیر نظر میں نماز کے نظام کی بات کی گئی ہے کہ سچے اہل ایمان نماز پر مداومت کرتے ہیں اور اس کے تمام آداب و قوانین کو مکمل طور پر رکھتے ہیں۔

**آیت ۱۰** ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۚ﴾ ”یہی لوگ ہیں جو وارث ہوں گے۔“

**آیت ۱۱** ﴿الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ﴾ ”وہ وارث ہوں گے ٹھنڈی چھاؤں والے باغات کے اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ! اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ !!



## آیات ۱۲ تا ۲۲

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۚ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ۝ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ۖ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلَّالِ كَلِيلٍ ۝ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝

اب جو مضمون آرہا ہے وہ اس سے پہلے سورۃ الحج کی آیت ۵ میں بھی آچکا ہے، مگر وہاں اختصار کے ساتھ آیا تھا، جبکہ یہاں زیادہ وضاحت اور جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے سورۃ الحج کے ساتھ اس سورت کی مشابہت کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔

**آیت ۱۲** ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ﴾ ”ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔“

تلوار کو نیام سے باہر کھینچنے کے عمل کو ”سَلَّ يَسْلُ“ جبکہ نیام سے باہر نکلی ہوئی ننگی تلوار کو ”مَسْلُول“ کہا جاتا ہے۔ کسی بھی چیز کا اصل جو ہر جو اس میں سے کشید کیا گیا ہو ”سُلَالَةٌ“ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی کے جوہر سے تخلیق کیا گیا اور پھر پوری نسل انسانی چونکہ ان کی اولاد تھی اس لیے اپنی تخلیق کے حوالے سے ہر انسان کو گویا اسی مادہ تخلیق یعنی مٹی سے نسبت ٹھہری۔ لیکن میرے نزدیک اس کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ مرد کے جسم میں بننے والا نطفہ دراصل مٹی سے کشید کیا ہوا جوہر ہے۔ اس لیے کہ انسان کو خوراک تو مٹی ہی سے حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ معدنیات اور نباتات کی شکل میں اسے براہ راست زمین سے ملے یا نباتات پر پلنے والے جانوروں سے حاصل ہو۔ اس خوراک کی صورت میں گارے اور مٹی کے جوہر کشید ہو کر انسانی جسم میں جاتے ہیں اور اس سے وہ نطفہ بنتا ہے جس سے بالآخر بچے کی تخلیق ممکن ہوتی ہے۔

**آیت ۱۳** ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۚ﴾ ”پھر ہم نے اسے بوند کی شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔“

رحم (uterus) کو ایک محفوظ ٹھکانہ قرار دیا گیا ہے، جس کی دیوار بہت مضبوط ہوتی ہے۔ نطفہ رحم مادر میں

پہنچتا ہے اور بیضہ انٹی کے ساتھ مل کر fertilized ovum رحم کی دیوار کے اندر embed ہو جاتا ہے گویا دفن ہو جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر دفن ہو جاتا ہے۔

**آیت ۱۲ ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾** ”پھر ہم نے اس نطفہ کو علقہ کی شکل دے دی“

علقہ کا ترجمہ عام طور پر ”جما ہوا خون“ ہوتا آیا ہے جو کہ غلط ہے۔ لغوی اعتبار سے عربی مادہ علق (ع ل ق) سے معلق، تعلق، متعلق، علاقہ وغیرہ الفاظ تو مشتق ہیں لیکن اس لفظ کا جہے ہوئے خون کے مفہوم و معانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دراصل جس زمانے میں یہ تراجم ہوئے ہیں اس میں نہ تو dissection کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی ابھی مائیکروسکوپ ایجاد ہوئی تھی لہذا علم الجینین کے بارے میں تمام تر معلومات کی بنیاد ظاہری مشاہدے پر تھی۔ اور چونکہ ابتدائی ایام کا حمل کرنے کی صورت میں رحم سے بظاہر خون کے لوٹھڑے ہی برآمد ہوتے تھے اس لیے اس سے یہی سمجھا گیا کہ رحم مادر میں انسانی تخلیق کی ابتدائی شکل جہے ہوئے خون کے لوٹھڑے کی سی ہوتی ہے۔ آج جب ہم جنینیات (Embryology) کے بارے میں جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں لفظ ”علقہ“ پر غور کرتے ہیں تو اس کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جدید سائنسی معلومات کے مطابق fertilized ovum ابتدائی مرحلے میں رحم کی دیوار کے اندر جما ہوا (embeded) ہوتا ہے جبکہ اگلے مرحلے میں وہ اس سے ابھر کر bulge out کر کے دیوار کے ساتھ جونک کی طرح لٹکنے لگ جاتا ہے۔ اور یہی دراصل ”علقہ“ ہے۔

**﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾** ”پھر علقہ کو ہم نے گوشت کا لوٹھڑا بنا دیا“

پھر اگلے مرحلے میں یہ ”علقہ“ گوشت کے ایک نیم چبائے ہوئے لوٹھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر کیتھ ایل مور (موصوف دورِ حاضر میں علم الجینین پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا ذکر بیان القرآن کے حصہ اول، تعارفِ قرآن کے باب پنجم میں بھی آچکا ہے) کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کی وضاحت کے لیے کچے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور واقعاً اسے دانتوں سے چبا کر دکھایا کہ دانتوں کے نشان پڑ جانے سے اس گوشت کے ٹکڑے کی جو شکل بنی ہے بعینہ وہی شکل اس مرحلے میں ”مُضْغَةً“ کی ہوتی ہے۔

**﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا﴾** ”پس ہم نے گوشت کے اس لوٹھڑے کے

اندر ہڈیاں پیدا کیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا“

اور اس کے بعد ”ثُمَّ“ کے ساتھ چوتھے اور آخری دور کا ذکر ہے:

**﴿ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾** ”پھر ہم نے اسے ایک اور ہی تخلیق پراٹھا دیا۔“

آیت کے اس حصے میں معنی کا ایک جہان آباد ہے مگر اسے بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ عام لوگ قرآن کی ایسی بہت سی آیات کو پڑھتے ہوئے بے خبری سے یوں آگے گزر جاتے ہیں جیسے ان میں کوئی خاص بات نہ ہو مگر جس پر حقیقت منکشف ہوتی ہے اسے کلام اللہ کے ایک ایک حرف کے اندر قیامت مضمرد کھائی دیتی ہے۔ کتنے ہی مفسرین ہیں جو سورۃ الحدید کی تیسری آیت ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ کی تفسیر کیے بغیر آگے گزر گئے ہیں لیکن امام رازیؒ جب اسے پڑھتے ہیں تو ان کی نظر کسی اور ہی جہان کا نظارہ کرتی ہے اس کا اظہار



وہ اس طرح کرتے ہیں: اَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْمَقَامَ مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِيقٌ مُهِيبٌ (جان لو کہ یہ مقام بہت مشکل، بہت گہرا اور بہت پرہیز ہے!) یہ قرآن کا معجزاتی پہلو ہے اور اس کا تعلق دیکھنے والی آنکھ سے ہے۔ بہر حال ان آیات کو پھر سے پڑھیے اور تخلیق کے مراحل میں ”ف“ اور ”ثُمَّ“ کے نازک فرق کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ غور کیجیے! یہاں ”ثُمَّ“ کا وقفہ ایک پورے دور کو ظاہر کرتا ہے جبکہ تخلیقی عمل کے اندرونی مراحل کے بیان کو ”ف“ سے الگ کیا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝۱۳﴾ یعنی مٹی کے جوہر سے نطفے کی تخلیق ایک مکمل دور ہے۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۱۴﴾ یہ دوسرا دور ہے۔ یعنی نطفے کا قرار مکین میں پہنچ کر ایک بیج کی حیثیت سے دفن ہو جانا۔ ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً ۝۱۵﴾ یہ تیسرے دور کا ذکر ہے اور اس دور کے اندر تین مراحل ہیں ہر مرحلے کے ذکر کے ساتھ ”ف“ کا استعمال ہوا ہے: ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۝۱۶﴾۔ اس کے بعد ”ثُمَّ“ کے ساتھ چوتھے اور آخری دور کا ذکر ہے: ﴿ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۝۱۷﴾ ”پھر ہم نے اسے ایک اور دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا“۔ یعنی اب یہ ایک بالکل نئی مخلوق ہے۔ یہاں ”بالکل نئی مخلوق“ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل اس حدیث میں ملتی ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:

((إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ.....)) (۱)

”تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس یوم تک نطفہ کی صورت میں اس کے بعد اتنے ہی روز تک علقہ کی صورت میں اور اس کے بعد اتنے ہی روز گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے پس وہ اس میں روح پھونکتا ہے.....“

یعنی چالیس دن تک نطفہ پھر چالیس دن تک علقہ اور اس کے بعد چالیس دن تک مُضْغَة ایک سو بیس دن (چار ماہ) میں یہ تین مراحل مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں۔ وہ کولڈ سٹورج (عالم ارواح) سے اس کی روح کو لا کر اس مادی جسم کے ساتھ ملا دیتا ہے اور یوں ایک نئی مخلوق وجود میں آ جاتی ہے۔ یعنی اب تک وہ ایک حیوانی جسم تھا، لیکن اس روح کے پھونکنے کے بعد وہ انسان بن گیا۔ البتہ اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں بھی لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ ایک سو بیس دن کے بعد اس جسم میں جان ڈال دی جاتی ہے۔ یعنی روح کو ”جان“ (life) سمجھا گیا ہے۔ گویا چار ماہ تک تخلیقی مراحل سے گزرتا ہوا یہ وجود بے جان تھا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی یا جان اس میں پہلے دن سے ہی موجود تھی۔ حتیٰ کہ باپ کے نطفے کا خلیہ (spermatozoon) اور ماں کا بیضہ (ovum) بھی اپنی اپنی جگہ پر زندہ وجود ہیں اور ان دونوں کے اختلاط سے وجود میں آنے والا جفتہ (zygote) بھی۔ بہر حال ایک سو بیس دن کے بعد اس جسم حیوانی میں ”روح“ پھونکی جاتی ہے جو ایک نورانی چیز ہے اور وہی اسے حیوان سے انسان بناتی ہے۔ اور اسی تبدیلی یا تخلیقی

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریته۔ وصحیح مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ



مرحلے کو آیت زیر نظر میں ”خَلَقًا آخَرَ“ (ایک نئی تخلیق) سے تعبیر کیا گیا ہے۔  
﴿فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ ﴿۱۴﴾ ”پس بڑا بابرکت ہے اللہ تمام تخلیق کرنے والوں میں  
بہترین تخلیق کرنے والا۔“

**آیت ۱۵** ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ﴾ ﴿۱۵﴾ ”پھر اس کے بعد تم لوگ یقیناً مرنے والے ہو۔“  
**آیت ۱۶** ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ﴾ ﴿۱۶﴾ ”پھر قیامت کے دن تم لوگ یقیناً اٹھا دیے جاؤ گے۔“  
یہ گویا حیات انسانی کے مختلف مراحل کا بہترین اور جامع ترین بیان ہے جو ان آیات میں ہوا ہے۔ اس  
موضوع پر یہ قرآن حکیم کا ذرۂ سنام (climax) ہے۔

**آیت ۱۷** ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ﴾ ﴿۱۷﴾ ”اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں“  
عام طور پر ”سَبْعَ طَرَائِقَ“ سے سات آسمان مراد لیے جاتے ہیں۔ ”طرائق“ کے معنی راستوں کے بھی  
ہیں اور طبقات کے بھی۔ دوسرے معنی کے مطابق اس سے ”تہہ برتہ سات آسمان“ مراد ہیں۔ واللہ اعلم! جب  
تک انسانی علم کی رسائی اس کی حقیقت تک نہ ہو جائے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس لحاظ  
سے یہ آیت تشابہات میں سے ہوگی۔

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ﴾ ﴿۱۸﴾ ”اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔“  
**آیت ۱۸** ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ ﴿۱۸﴾ ”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے کے مطابق“  
زمین پر پانی اسی مقدار میں رکھا گیا ہے جس قدر واقعاً یہاں اس کی ضرورت ہے۔ اگر اس مقدار سے پانی  
زیادہ ہو جائے تو روئے زمین سیلاب میں ڈوب جائے اور پوری نوع انسانی اس میں غرق ہو جائے۔ اور اگر اس  
مقدار سے کم ہو تو زمین پر زندگی کا وجود ہی ممکن نہ رہے۔

﴿فَأَسْكَنَهُ فِي الْأَرْضِ﴾ ﴿۱۹﴾ ”وَاَنَا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ لَقَدْ رُؤِنَ﴾ ﴿۱۹﴾ ”تو اسے ہم نے زمین میں ٹھہرا دیا  
اور ہم اس کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہیں۔“

اگر ہم چاہیں تو روئے ارضی سے پانی کا وجود ختم کر دیں اور یوں دنیا میں زندگی کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔  
**آیت ۱۹** ﴿فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ ﴿۱۹﴾ ”تو ہم نے اس سے پیدا کیے تمہارے لیے  
کھجوروں اور انگوروں کے باغات“

﴿لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ ﴿۲۰﴾ ”ان میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں اور  
ان میں سے تم کھاتے ہو۔“

ان میں سے اکثر پھل تمہارے لیے غذا کا کام دیتے ہیں۔  
**آیت ۲۰** ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ﴾ ﴿۲۰﴾ ”اور وہ درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو سینا پہاڑ سے  
نکلتا ہے“

اس سے زیتون کا درخت مراد ہے جو عام طور پر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔  
 ﴿تَنْبُتُ بِاللُّهْنِ وَصَبْغٍ لِلْأَكْلِينَ ۝۲۰﴾ ”وہ تیل بھی لے کر اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔“  
 ایک زمانے میں روئے زمین پر وسیع علاقے کی آبادی کا اپنی خوراک کے لیے بنیادی طور پر اسی زیتون پر ہی انحصار تھا اور عام لوگ روغن زیتون میں روٹی کو بھگو کر کھا لیتے تھے۔

**آیت ۲۱** ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ﴾ ”اور یقیناً تمہارے لیے ان چوپایوں میں بھی عبرت کا سامان ہے“

اگر تم سمجھنا چاہو تو ان میں تمہاری ہدایت کے لیے بہت واضح نشانیاں ہیں۔

﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا﴾ ”ہم پلاتے ہیں تمہیں اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے“  
 سورۃ النحل میں اس عجوبہ قدرت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝۳۱﴾ ”اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے، ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہوتا ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار“۔ اگر ہم گائے یا بھینس کا پیٹ چاک کر کے دیکھیں تو اس کے اندر ہمیں گوبر اور خون ہی نظر آئے گا۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ انہی آلائشوں کے اندر سے صاف شفاف دودھ پیدا ہوتا ہے جو انسانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور قدرت پر غور کریں تو بچوں کی نظم کے یہ اشعار بے اختیار زبان پر آ جاتے ہیں:۔

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہماری گائے بنائی

اُس خالق کو کیوں نہ پکاریں جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝۳۱﴾ ”اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فوائد ہیں

اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔“

یہ چوپائے بہت سے کاموں میں تمہاری مدد کرتے ہیں۔ تمہارے ساز و سامان کی نقل و حمل میں تمہارے کام آتے ہیں اور تم اپنی غذا میں پروٹین بھی انہی کے گوشت سے حاصل کرتے ہو۔

**آیت ۲۲** ﴿وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝۳۲﴾ ”اور ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے

جاتے ہو۔“

چنانچہ ان سب چیزوں اور نعمتوں میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

## آیات ۲۳ تا ۵۰

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِن إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ الْبَلَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يُرِيدُ أَنْ



يَنْقُضَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فْتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ ۚ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَوَحَيْنَا إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ۝ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبْرَكًا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاعِ الْآخِرَةِ وَاتَّرفَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ۝ أَعِدُّكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّكُمْ تُخْرَجُونَ ۝ هِيَ هَاتِ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِبَعْعَيْنِ ۝ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۖ فَبَعْدَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا نُوحًا تَتْرَاطُ كُلُّهَا جَاءَ أُمَّةٌ رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۖ فَبَعْدَ الْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَآخَاهُ هَارُونَ ۖ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۖ فَقَالُوا أَنْتُمْ لَيْشَرَيْنِ مِثْلَنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُونَ ۖ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْبٰهْلِكِينَ ۖ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۖ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّةً آيَةً ۖ وَأَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝

آیت ۲۳ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ﴾ ”اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف تو اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے اُس کے سوا۔“

﴿أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ﴾ ”تو کیا تم (اُس کے غضب سے) ڈرتے نہیں ہو؟“

آیت ۲۴ ﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ﴾ ”تو کہا اُس کی قوم کے



اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی یہ کچھ بھی نہیں مگر تمہاری طرح کا ایک بشر“  
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے عوام کو تسلی دینے کے لیے ان کے سامنے یہ  
دلیل اختیار کی کہ یہ نوح بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہی تو ہے اور ایک انسان اللہ کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿يُرِيدُ أَنْ يَمْلِكَ عَلَيْكُمْ﴾ ”یہ تمہارے اوپر اپنی فوقیت چاہتا ہے۔“

اس نے اقتدار و اختیار اور سرداری حاصل کرنے کے لیے نبوت و رسالت کا یہ ڈھونگ رچایا ہے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو بھیج دیتا“

اگر اللہ نے اپنا رسول بھیجنا ہوتا تو وہ اپنے فرشتوں میں سے کسی کو بھیجتا۔ اس شخص میں کون سی ایسی خاص  
بات تھی کہ اللہ نے اسے اس کام کے لیے منتخب کیا ہے؟

﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ﴾ ”ہم نے اس طرح کوئی بات اپنے پہلے آباء و اجداد

میں نہیں سنی!“

اس کا یہ دعویٰ بالکل نیا ہے۔ ہم نے ایسی کوئی بات اپنے باپ دادا سے تو نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں  
سے بھی کسی کو رسول مبعوث کرتا ہے۔

آیت ۲۵ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فْتَرَبِّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ ”یہ تو بس ایک ایسا شخص ہے جس کو  
کچھ جنون لاحق ہو گیا ہے چنانچہ تم لوگ انتظار کرو اس (کے انجام) کا کچھ وقت کے لیے۔“

آیت ۲۶ ﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ﴾ ”نوح نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو میری  
مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلادیا ہے۔“

آیت ۲۷ ﴿فَاَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا﴾ ”تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ  
ہماری نگرانی اور وحی کی ہدایات کے مطابق ایک کشتی بنائیے“

﴿فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ﴾ ”پھر جب ہمارا حکم آن پہنچے اور تنور اُبل پڑے“

﴿فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ مِثْنٍ﴾ ”تو اس میں رکھ لینا تمام مخلوق میں سے جوڑے“  
ہر قسم کے جاندار حیوانات وغیرہ میں سے ایک ایک اور ایک ایک مادہ کو بھی اس کشتی میں سوار کر لینا تاکہ  
ان کی نسل محفوظ رہ سکے۔

﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ ”اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کر لینا) سوائے

ان کے جن کے بارے میں ان میں سے پہلے ہی بات طے ہو چکی ہے۔“

اس استثناء میں آپ کی بیوی اور ایک بیٹا شامل تھے جن کے بارے میں پہلے ہی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

﴿وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ”اور مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں

کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے شرک کیا یقیناً وہ سب غرق کر دیے جائیں گے۔“

**آیت ۲۸** ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”پھر جب تم اور تمہارے سب ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو کہنا کہ کل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔“

**آیت ۲۹** ﴿وَقُلْ رَبِّ انْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَرَّكًَا﴾ ”اور دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اتاریو برکت والا اتارنا“

پروردگار! ہم تیری مہربانی اور تیرے حکم سے اس کشتی میں سوار ہوئے ہیں۔ ہمیں مستقبل کا کچھ علم نہیں۔ ہم نہیں جانتے اب یہ کشتی ہمیں لے کر کہاں کہاں جائے گی اور کہاں پر جا کر رکے گی۔ یہ معاملہ اب تیرے سپرد ہے۔ ہماری التجا ہے کہ اس کشتی سے ہمارے اترنے کو بھی بابرکت بنا دے۔

﴿وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”اور یقیناً تو ہی ہے بہترین اتارنے والا۔“

**آیت ۳۰** ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ﴾ ”یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں اور یقیناً ہم آزمانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے تحت دنیا میں مختلف لوگوں کو مختلف انداز میں آزماتے رہتے ہیں۔ اس اصول اور قانون کے بارے میں سورۃ الملک کے آغاز میں یوں ارشاد ہوا ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (آیت ۲) ”وہی (اللہ) ہے جس نے موت اور حیات کو بنایا ہی اس لیے ہے کہ تمہیں پرکھے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے بہتر کون ہے!“

**آیت ۳۱** ﴿ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ﴾ ”پھر اُن کے بعد ہم نے ایک اور نسل کو اٹھایا۔“  
اس سے مراد قوم عاد یا قوم ثمود ہے۔

**آیت ۳۲** ﴿فَارْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ ”پس ان میں بھی ہم نے ایک رسول بھیجا انہی میں سے“  
یہاں پر نام نہیں بتایا گیا لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے یا پھر حضرت صالح علیہ السلام کا۔

﴿إِنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”(اُس نے بھی یہی کہا) کہ بندگی کرو اللہ کی اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟“

**آیت ۳۳** ﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِلْقَاءِ الْآخِرَةِ﴾ ”اور کہا اُس کی قوم کے اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا تھا“

﴿وَاتَرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”اور جنہیں ہم نے آسودگی عطا کی تھی دنیا کی زندگی میں“  
قوم نوح کے سرداروں کی طرح اس قوم کے بڑے سرداروں نے بھی اپنے عوام کو اسی منطق سے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ:

﴿مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ﴾ (۳۳) ”یہ کچھ بھی

نہیں مگر تمہاری طرح کا ایک بشر وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔“

**آیت ۳۴** ﴿وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلُكُمْ أَتُكْفَرُونَ﴾ (۳۴) ”اور اگر تم لوگ اپنے ہی جیسے

ایک انسان کی اطاعت کرو گے تب تو تم بڑا نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔“

ذرا ان سرداروں کی منطق اور دلیل ملاحظہ ہو۔ یعنی اگر تم لوگ ہماری اطاعت کرو تو درست اور بجا، لیکن اس شخص کا کہنا مانو تو ناقابل قبول! اس لیے کہ ہم پیدائشی سردار ہیں تمہارے حکمران ہیں ہمارا حکم تو تمہیں ماننا ہی ماننا ہے۔ ہماری اطاعت تو تم پر لازم ہے ہی، مگر اس شخص کی اطاعت اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ تمہاری طرح کا انسان ہے۔ یہ دلیل دیتے ہوئے وہ بھول گئے کہ وہ خود کوئی فرشتے نہیں بلکہ اپنے عوام جیسے ہی انسان ہیں اور انسان ہوتے ہوئے ہی وہ اپنے جیسے انسانوں سے اطاعت اور فرمانبرداری کی توقع رکھتے ہیں۔

**آیت ۳۵** ﴿أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ﴾ (۳۵) ”کیا وہ تم سے یہ

وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکال لیے جاؤ گے؟“

**آیت ۳۶** ﴿هِيَئَاتَ هِيَئَاتٍ لِّمَا تُوعَدُونَ﴾ (۳۶) ”ناممکن! بالکل ناممکن ہے یہ بات جس کا تم سے

وعدہ کیا جا رہا ہے!“

**آیت ۳۷** ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ (۳۷) ”یہ کچھ نہیں ہے مگر

بس ہماری دنیا کی زندگی (ہی اصل زندگی) ہے، ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی زندہ رہتے ہیں اور ہم (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔“

**آیت ۳۸** ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ (۳۸) ”یہ نہیں ہے مگر ایک ایسا شخص جس نے جھوٹ

باندھا ہے اللہ پر“

اس نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں جھوٹ گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دیا ہے۔

﴿وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (۳۸) ”اور ہم اس کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔“

**آیت ۳۹** ﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُون﴾ (۳۹) ”اُس (رسولؐ) نے کہا: پروردگار! تو میری مدد فرما

اس تکذیب کے مقابلے میں جو انہوں نے میری کی ہے۔“

**آیت ۴۰** ﴿قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِّيُصْبِحُنَّ نَدِيمِينَ﴾ (۴۰) ”اللہ نے فرمایا کہ کچھ ہی دیر میں یہ لازماً ہو جائیں

گے پچھتانے والے۔“

**آیت ۴۱** ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُرَاءَ﴾ (۴۱) ”اور ان کو آپکڑا ایک چنگھاڑنے حق کے

ساتھ تو ہم نے بنادیا انہیں کوڑا کرکٹ۔“

جیسے کھیت سے فصل کٹ جانے کے بعد پیچھے بھوسہ اور خس و خاشاک پڑے رہ جاتے ہیں اسی طرح انہیں



جھاڑ جھنکار اور کوڑے کرکٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔

﴿فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝۴۱﴾ ”تو پھٹکار ہے اُن ظالموں کی قوم پر۔“

آیت ۴۲ ﴿ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝۴۲﴾ ”پھر اُن کے بعد ہم نے اور بہت سی قومیں پیدا کیں۔“

آیت ۴۳ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝۴۳﴾ ”کوئی قوم بھی نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکی اور نہ ہی اسے مؤخر کر سکی۔“

آیت ۴۴ ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۝۴۴﴾ ”پھر بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو پے در پے۔“

﴿كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رُسُلُهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا﴾ ”جب بھی کسی قوم کے پاس آیا اُس کا

رسول تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے بھی ایک کے پیچھے دوسری کو لگا دیا۔“

ان کی تکذیب کے جواب میں ہم بھی ان قوموں کو یکے بعد دیگرے ہلاک کرتے چلے گئے۔

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۝۴۵﴾ ”اور ہم نے بنا دیا ان کو قصے کہانیاں۔“

ان قوموں کے نام اب دنیا میں کہانیوں اور داستانوں کی حد تک باقی رہ گئے ہیں کہ قومِ مدین فلاں علاقے

میں بستی تھی، عامورہ اور سدوم کے شہر فلاں جگہ پر واقع تھے وغیرہ وغیرہ۔

﴿فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۴۶﴾ ”تو پھٹکار ہے اُس قوم پر کہ جو ایمان نہیں لاتی۔“

آیت ۴۷ ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝۴۷﴾ ”پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور

اُس کے بھائی کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔“

آیت ۴۸ ﴿إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝۴۸﴾ ”فرعون اور اس کے

سرداروں کی طرف تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے۔“

آیت ۴۹ ﴿فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَدُونَ ۝۴۹﴾ ”انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے

جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں جبکہ ان کی قوم ہماری محکوم ہے!“

فرعون اور اُس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایک اعتراض تو وہی کیا جو حضرت

نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قومیں اپنے رسولوں کے بارے میں کر چکی تھیں۔ یعنی یہ کہ وہ ہماری

طرح کے انسان ہیں۔ لیکن یہاں ایک دوسرا مسئلہ بھی تھا اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تعلق فرعون کی

محکوم قوم سے تھا۔ بنی اسرائیل مصر میں فرعون کے غلام تھے اور وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی غلام قوم کے

دو اشخاص اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے دو بدو بات کریں۔

سیاق و سباق کے حوالے سے یہاں پر لفظ ”عبادت“ کے اصل مفہوم کو بھی سمجھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کا

جو مفہوم آج ہمارے ذہنوں میں ہے بنی اسرائیل اس مفہوم میں فرعون یا اس کی قوم کی عبادت نہیں کرتے تھے

یعنی وہ ان کی پرستش یا پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کی اطاعت کرتے تھے اور یہاں فرعون نے اسی اطاعت کو

لفظ ”عبادت“ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرعون کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری غلام ہے ہماری اطاعت شعار ہے ہم ان پر مطلق اختیار رکھتے ہیں ہم جو چاہیں انہیں حکم دیں اور جیسا قانون ہم چاہیں ان پر لاگو کریں۔ ہم چاہیں تو ان کے لڑکوں کو قتل کر داتے رہیں اور چاہیں تو ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا کریں۔ یہ لوگ ہمارے غلام اور محکوم ہونے کے باعث ہمارے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔

**آیت ۲۸** ﴿فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ﴾ ”تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا اور ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں سے۔“

**آیت ۲۹** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“

**آیت ۵۰** ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً﴾ ”اور ہم نے ابنِ مریم (عیسیٰ) اور اُس کی والدہ (مریم) کو ایک نشانی بنا دیا۔“

﴿وَأَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ ”اور ہم نے ان دونوں کو ایک اونچے ٹیلے پر پناہ دی جو پُر سکون اور چشموں والی جگہ تھی۔“

یہاں جس جگہ کا ذکر ہوا ہے اس کے مقام اور زمانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی ٹیلا ہے جہاں ایک کھجور کے سایے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ شاید آپ کی ولادت کے بعد ماں بیٹا کچھ عرصہ اسی جگہ پر قیام پذیر رہے ہوں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کی رائے میں یہ کسی اور جگہ کا ذکر ہے۔ اس دوسری رائے کی بنیاد جن معلومات پر ہے ان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اس علاقے میں ہیرودیس بادشاہ کی حکومت تھی جو یہودی تھا۔ جس طرح برصغیر میں انگریزوں کی طرف سے راجوں اور نوابوں کو ان کے علاقوں میں حکمران بنا دیا جاتا تھا اسی طرح رومن شہنشاہ نے اس علاقے میں اس شخص کو بادشاہ مقرر کر رکھا تھا۔ اس کٹھ پتلی بادشاہ کو ایک خواب آیا تھا جس کی بنا پر نجومیوں نے اس کے دل میں یہ وہم ڈال دیا کہ تمہاری سلطنت میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی سلطنت میں جو لڑکا بھی پیدا ہوا اسے قتل کر دیا جائے۔ ان حالات میں حضرت مریم، حضرت عیسیٰ کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس یہودی بادشاہ کے انتقال کے بعد اس وقت واپس آئیں جب حضرت عیسیٰ دس بارہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس روایت کو درست سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اپنی اس جلا وطنی کے دوران مصر میں جس جگہ پر انہوں نے قیام کیا تھا آیت زیر نظر میں اس جگہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

## آیات ۵۱ تا ۷۰

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ وَإِنَّ هَذِهِ



أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ فَذَرُهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ أَيْحَسِبُونَ أَنَّا نُنْزِلُهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيِّنٍ ۖ لَا نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۖ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ ۖ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۖ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۖ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۖ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عِشُونَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيَهُم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْرُونَ ۖ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنصِرُونَ ۖ قَدْ كَانَتْ آيَتِي عَلَيْكُمْ فَلَنْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۖ مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سِرَاتُجُجْرُونَ ۖ أَفَلَمْ يَذَّبُوا الْقَوْلَ ۖ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۖ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۖ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَكَثُرَهُمُ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۖ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُونَ ۖ أَمْ نَسَلَهُمْ خُرْجًا فَنُخْرِجَهُمْ رِجًا خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۖ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكِبُونَ ۖ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلْجُوفِ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۖ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْسِئُونَ ۖ

**آیت ۵۱** ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ ”اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“

﴿إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ”جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اس سے باخبر ہوں۔“

**آیت ۵۲** ﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”اور یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے“

تمام پیغمبروں کا تعلق ایک ہی امت یا جماعت سے ہے۔ بعض روایات کے مطابق انبیاء و رسل ﷺ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی انبیاء۔ ان انبیاء و رسل میں سے بعض کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے جبکہ اکثر کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۶۴ میں اس بارے میں یوں وضاحت فرمائی گئی ہے: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ ”اور



(بھیجے) وہ رسول جن کا ہم اس سے پہلے آپ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں اور ایسے رسول بھی جن کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیے۔“

﴿وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (۵۲) ”اور میں تمہارا رب ہوں، بس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو!“

**آیت ۵۳** ﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا﴾ ”لیکن لوگوں نے اپنے معاملے کو اپنے مابین تقسیم کر لیا ٹکڑے کر کے۔“

امر سے یہاں مراد ”دین“ ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور وہ یہودیت، عیسائیت وغیرہ ناموں پر مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (۵۴) ”ہر گروہ کے لوگ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اترا رہے ہیں۔“

**آیت ۵۴** ﴿فَذَرَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ (۵۴) ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ انہیں چھوڑ دیجیے ان کی مدہوشی میں ایک وقت تک کے لیے۔“

**آیت ۵۵** ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنٍ﴾ (۵۵) ”کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال اور بیٹوں سے مدد دیے جا رہے ہیں۔“

**آیت ۵۶** ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (۵۶) ”تو ہم ان کی بھلائی کے لیے کوشاں ہیں؟ (ایسا ہرگز نہیں!) لیکن یہ لوگ جانتے نہیں۔“

ہماری طرف سے اپنے ان نافرمانوں کو مال و اولاد جیسی نعمتوں سے نوازتے چلے جانا ان کے ساتھ بھلائی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہی چیزیں ان کے لیے موجب عذاب بن جائیں گی۔ سورۃ التوبہ میں یہ فلسفہ اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۖ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (۵۵) ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد سے تعجب نہ ہو اللہ تو چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں نکلیں اسی کفر کی حالت میں۔“ اور سورۃ التوبہ ہی کی آیت ۸۵ میں الفاظ کے بہت معمولی فرق کے ساتھ یہی مضمون پھر سے دہرایا گیا ہے۔

آگے جو آیات آرہی ہیں ان کا انداز اس سورت کی ابتدائی آیات سے مشابہ ہے۔ سورت کے آغاز میں اکثر آیات اللّٰدین یا واللّٰدین سے شروع ہوتی ہیں اور ان آیات میں بھی اللّٰدین اور واللّٰدین کی تکرار ہے۔ گویا جو مضمون آغاز سورت میں بیان ہوا تھا یہ اس کی دوسری قسط ہے۔ وہاں پر بندہ مؤمن کی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کے ارتقاء کے لیے درکار بنیادی خصوصیات کا ذکر کیا گیا تھا جبکہ یہاں پر مطلوبہ شخصیت و کردار کی پختہ (mature) خصوصیات کی جھلکیاں دکھائی جا رہی ہیں جن میں زیادہ تر بندہ مؤمن کی باطنی کیفیات کا تذکرہ ہے۔

**آیت ۵۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ﴾ (۵۷) ”یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔“

**آیت ۵۹** ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔“

شرک کے رد اور ابطال کے ضمن میں قرآن حکیم میں بہت تکرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے کو بار بار سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شرک کی اہم اور واضح صورتوں کے بارے میں تو سب جانتے ہیں اور اجتناب بھی کرتے ہیں، لیکن اس کی بہت سی مخفی صورتیں بھی ہیں جو ہر دور میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں ☆۔ لہذا ایک بندہ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرک کی مہلک بیماری کے بارے میں اپنے اندر باریک بینی اور دقت نظری کی ایسی صلاحیت پیدا کر لے جس کا اظہار اس شعر میں کیا گیا ہے:۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم!

(تو جس انداز کا چاہے لباس زیب تن کر لے، میں تجھے تمہارے قد کے انداز سے پہچان لیتا ہوں۔)

یعنی شرک جب بھی اس کے سامنے آئے، وہ جس روپ اور جس بھیس میں بھی ہو وہ اس کو پہچان لے۔

**آیت ۶۰** ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾ ”اور وہ جو دیتے

ہیں (اللہ کی راہ میں) تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

یعنی اللہ کی راہ میں وہ حتی المقدور صدقہ و خیرات کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے وہ انہیں کمتر اور خود کو برتر نہیں سمجھتے، بلکہ انہیں یہ خدشہ اور اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کسی کوتاہی، غلطی یا خلوص کی کمی کے باعث ان کا یہ عمل اللہ کے ہاں رد نہ کر دیا جائے۔

**آیت ۶۱** ﴿أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں

کوشاں ہیں اور ان کے لیے سبقت کرنے والے ہیں۔“

زندگی میں ان کی بھاگ دوڑ نیکیوں اور بھلائیوں کے لیے ہوتی ہے اور اس میدان میں وہ ہمیشہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

**آیت ۶۲** ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”اور ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی جان کو مگر اس کی

استطاعت کے مطابق“

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ آیات: ۲۳۳ اور ۲۸۶، سورۃ الانعام آیت: ۱۵۲،

سورۃ الاعراف آیت: ۴۲ اور سورۃ الطلاق آیت: ۷ میں یہ مضمون ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔

﴿وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ”اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق

کے ساتھ بولتی ہے، لہذا ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

☆ اس حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حقیقت و اقسام شرک“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (مرتب)

اس سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ اور اس کی زندگی بھر کے اعمال و افعال کی جزئیات و تفصیلات پر مشتمل ریکارڈ ہے۔ اس اعمال نامے کے مطابق انسان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل کا اس کی استطاعت اور صلاحیتوں کے مطابق جائزہ لے کر اس کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آج کمپیوٹر کے دور میں اس تصور کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ یوں سمجھ لیں کہ انسان کے جینز (genes) کے بارے میں تمام معلومات (جبری صلاحیتوں) اور اس کے ماحولیاتی عوامل کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سپر کمپیوٹر میں موجود ہیں۔ ماحول اور صلاحیتوں کی عطا کلی طور پر اللہ کی دین ہے اس میں انسان کے اپنے اختیار و انتخاب کا کچھ دخل نہیں۔ جینز اور ماحولیاتی عوامل وغیرہ مل کر انسان کا 'شاکلہ' تشکیل دیتے ہیں۔ (شاکلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بیان القرآن حصہ چہارم میں سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۴ کی تشریح) اللہ تعالیٰ کا سپر کمپیوٹر ہر شخص کے اعمال کو اس کی شخصیت کے شاکلہ کے ساتھ منطبق کر کے بتائے گا کہ اس کے شاکلہ میں کس عمل کے لیے کتنی استطاعت اور گنجائش تھی اور اس نے کس حد تک اس کی کوشش کی۔ اس حساب کتاب (evaluation) کے بعد یہ کمپیوٹر نتائج کا اعلان کرے گا جس کے لیے یہاں "يَنْطِقُ بِالْحَقِّ" کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الکہف میں اس کیفیت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتَنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو ڈرے ہوئے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو مگر اس کو محفوظ کر کے رکھا ہے اور جو عمل بھی انہوں نے کیا ہو گا وہ اسے اپنے سامنے موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

**آیت ۲۳** ﴿بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَذَا﴾ "لیکن اُن کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں" ﴿وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ﴾ "اور ان کے اور بہت سے مشاغل ہیں ان کے سوا جن کے لیے وہ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔"

اوپر اہل ایمان کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے مشاغل اور سرگرمیاں ان سے یکسر مختلف ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس دین کی خدمت اور بھلائی کے کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ انہیں دن رات اپنی دنیا کمانے کی فکر ہے۔ وہ اپنے وقت کا کل سرمایہ اپنی ساری توانائیوں سمیت خود ساختہ جھوٹے معیارات کو برقرار رکھنے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے کھپا رہے ہیں۔ اس آیت کے مضمون کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی مصروفیات کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس کی شبانہ روز تگ و دو اور بھاگ دوڑ کا کتنا حصہ دین کے لیے ہے اور کتنا حصہ دنیا کے لیے۔ اگر کسی شخص کی تمام تر کوشش اور ساری محنت ہے ہی دنیا کے لیے اس کا نصب العین بھی دنیا ہے اور اس نے منصوبہ بندی بھی صرف اسی کے لیے کر رکھی ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ آخرت کی تیاری کرنے کے لیے فرصت کے لمحات اسے کب اور کیسے میسر آئیں گے؟

**آیت ۲۴** ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ﴾ "یہاں تک کہ جب ہم ان



کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چیخیں چلائیں گے۔“

**آیت ۶۵** ﴿لَا تَجْعُرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تَنْصُرُونَ﴾ (ان سے کہا جائے گا) آج مت چینو

چلاؤ! اب ہمارے ہاں سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔“

آج تمہاری اس چیخ و پکار اور آہ و فریاد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہاری فریاد سن کر آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔

**آیت ۶۶** ﴿قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰٰ أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ﴾ ”میری آیات

تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پلٹ جاتے تھے۔“

**آیت ۶۷** ﴿مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سِمِرًا تَهَجَّرُونَ﴾ ”تکبر کرتے ہوئے، پیغمبر کو قصہ گو سمجھتے ہوئے

چھوڑ جاتے تھے۔“

اس زمانے میں عربوں کے ہاں قصہ گوئی کا بہت رواج تھا۔ پیشہ ور قصہ گور اتوں کو مجمع جما کر قصے سنایا کرتے تھے۔ یہ عام لوگوں کے لیے تفریح کا ذریعہ تھا اور قصہ گو کے لیے کمائی کا وسیلہ۔ اسی طرح کے قصہ گو ہندوستان میں راجپوتوں کے ہاں بھی پائے جاتے تھے جو ان کے لیے راتوں کو محفلیں سجاتے تھے۔ چنانچہ اس پس منظر میں مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے رسول ﷺ کو بھی قصہ گو سمجھ رکھا ہے کہ آپ کی بات سننا یا نہ سننا تمہارے لیے برابر ہے؟ اور تم سمجھتے ہو کہ آپ کی بات ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ تم لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ فیصلہ کن کلام ہے: ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (بنی اسرائیل) ”اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور (اے نبی ﷺ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔“ آئندہ اسی کلام کے ترازو میں قوموں کی قسمیں تولی جائیں گی اسی کے سہارے لوگ کامیاب و کامران ہوں گے اور اس کو چھوڑ کر نا کامیوں اور محرومیوں کے گڑھوں میں گریں گے۔ اس سلسلے میں نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان بہت واضح اور دو ٹوک ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ﴾ (۱) ”اللہ اسی کتاب کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا اور اس (کو چھوڑنے) کے باعث قوموں کو گرائے گا۔“

**آیت ۶۸** ﴿أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”تو کیا ان لوگوں نے

اس کلام پر غور نہیں کیا؟ یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آگئی ہے جو ان کے اگلے آباء و اجداد کے پاس نہیں آئی تھی؟“

تو کیا وحی کا نازل ہونا اور رسول کا من جانب اللہ مبعوث ہونا انہیں اس لیے عجیب لگ رہا ہے کہ ان کے باپ دادا یعنی بنو اسماعیل پر اس سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی طرف اس سے پہلے کوئی نبی آیا تھا؟

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه.....

آیت ۶۹ ﴿أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”کیا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو اس لیے وہ اس سے مغائرت محسوس کرتے ہیں!“

آیت ۷۰ ﴿أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ﴾ ”یا وہ کہتے ہیں کہ ان پر کچھ جنون کا اثر ہے!“  
کیا وہ سمجھتے ہیں کہ آپ پر آسیب کا اثر ہے یا آپ کو جنون ہو گیا ہے۔

﴿بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَكَثُرَهُمُ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ﴾ ”بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں، لیکن ان کی اکثریت حق کو ناپسند کرنے والی ہے۔“

آیت ۷۱ ﴿وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ ”اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان کے اندر ہیں سب بگڑ جاتے۔“

اگر حق کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین و آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ حق ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ڈھل سکتا، بلکہ انہیں خود کو حق کے مطابق ڈھالنا ہوگا اور اس کی پیروی کرنا ہوگی۔

﴿بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ﴾ ”بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں تو وہ اپنی ہی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔“

آیت ۷۲ ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ﴾ ”کیا آپ ان سے کوئی خراج (اجر) مانگ رہے ہیں؟ تو آپ کے رب کا اجر بہت بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“  
در اصل یہاں ان الفاظ میں خطاب حضور ﷺ سے نہیں ہے بلکہ مشرکین مکہ سے ہے کہ عقل کے اندھو ذرا سوچو تو! تمہارے شاعر اور قصہ گو تو تم لوگوں سے اجر و انعام چاہتے ہیں۔ مگر تم نے محمد (ﷺ) کی زبان سے کبھی ایسی کوئی بات سنی ہے؟ کبھی آپ نے اپنی اس خدمت کے عوض تم سے کوئی اجر ت طلب کی ہے؟ ان کو تو ان کے رب کی طرف سے جو اجر و انعام ملنے والا ہے وہ پوری دنیا کے خزانوں سے بہتر ہے۔

آیت ۷۳ ﴿وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”اور یقیناً آپ انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔“

آیت ۷۴ ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ﴾ ”اور یقیناً جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ اس راستے سے انحراف کرتے ہیں۔“

آیت ۷۵ ﴿وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَّجُوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ ”اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کو جو تکلیف ہے وہ رفع کر دیں تو ضرور وہ بڑھتے چلے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر۔“

ان الفاظ سے یوں لگتا ہے کہ اس سورت کے نزول کے زمانہ میں اہل مکہ کسی مصیبت میں گرفتار تھے۔ سورۃ

الانعام اور سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا ذکر گزر چکا ہے جس کے تحت ہر رسول کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے تھے اور انہیں مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا کیا جاتا تھا تا کہ وہ خواب غفلت سے جاگیں اور ان کے ذہن حق کی دعوت پر غور و فکر کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

**آیت ۷۶** ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ﴾ ”اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تھا“

اس سے مراد شاید قحط اور خشک سالی کا وہ عذاب ہے جس میں اہل مکہ کئی سال تک مبتلا رہے اور جس کی وجہ سے ہر شخص کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

﴿فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾ ”تو (اس کے باوجود) نہ انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی اختیار کی اور نہ ہی وہ گڑ گڑائے۔“

**آیت ۷۷** ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ﴾ ”یہاں تک کہ جب ہم ان پر کھول دیں گے بہت سخت عذاب کا دروازہ تو جی بھی وہ اس میں بالکل مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔“

## آیات ۷۸ تا ۹۲

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا كَبُوعُونَ ۝ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ ۖ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا ۖ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَنْ يَدْعُ مَلَكَوتُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۖ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ۝ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا الذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۚ ۝ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

**آیت ۷۸** ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنائے ہیں کان، آنکھیں اور عقل۔“

﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ ”بہت کم ہے جو تم شکر ادا کرتے ہو۔“

**آیت ۷۹** ﴿وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ”اور وہی ہے جس نے زمین



میں تمہیں پھیلا دیا ہے اور پھر اُسی کی طرف تم سب جمع کر دیے جاؤ گے۔“  
**آیت ۸۰** ﴿وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ”اور وہی ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کا کام ہے دن رات کو بدلنا۔“

﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!“  
**آیت ۸۱** ﴿بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ﴾ ”بلکہ انہوں نے بھی وہی کہا جو ان سے پہلے لوگوں نے کہا تھا۔“

**آیت ۸۲** ﴿قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ﴾ ”انہوں نے کہا تھا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں ہی رہ جائیں گی تو کیا ہمیں پھر اٹھالیا جائے گا؟“  
**آیت ۸۳** ﴿لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ﴾ ”اسی کی دھمکی ہمیں دی جا رہی ہے اور اس سے پہلے ہمارے آباء و اجداد کو بھی دی گئی تھی“

﴿إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”یہ کچھ بھی نہیں مگر قصے ہیں اگلے لوگوں کے۔“  
**آیت ۸۴** ﴿قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”آپ ان سے پوچھئے کہ یہ زمین اور جو اس میں ہیں سب کس کے ہیں؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)!“

اس سورہ مبارکہ کا یہ آخری حصہ بہت ہی پُر جلال ہے۔ قاری محمد صدیق المنشاوی (ان کا تعلق مصر سے ہے) نے ان آیات کی تلاوت ایسے پُر سوز انداز میں کی ہے کہ اسے سنتے ہوئے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔  
**آیت ۸۵** ﴿سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ”یہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے ہیں! آپ کہیے تو کیا تم غور نہیں کرتے؟“

**آیت ۸۶** ﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ ”آپ ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟“  
**آیت ۸۷** ﴿سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”کہیں گے کہ (یہ سب کچھ بھی) اللہ ہی کا ہے! آپ کہیے تو کیا تم (اُس اللہ سے) ڈرتے نہیں؟“

تم لوگ اللہ کو اس دنیا و مافیہا کا خالق بھی مانتے ہو اور اسے عرش و فرش کا مالک بھی تسلیم کرتے ہو، لیکن اس کے ساتھ بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو اس کا شریک بھی بناتے ہو! کیا تمہیں یہ جسارت کرتے ہوئے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوتا؟

**آیت ۸۸** ﴿قُلْ مَنْ يُبْدِيهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”ان سے یہ بھی پوچھئے کہ کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں اختیار ہے ہر چیز کا؟ اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)!“

آیت ۸۹ ﴿سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰی تُسْحَرُونَ﴾ ”یہ کہیں گے کہ (یہ شان تو) اللہ ہی کی ہے! آپ کہیے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو ہو جاتا ہے؟“

یہ کون سا جادو اور فریب ہے جس کے اثر سے تم لوگ یہ سب کچھ تسلیم کر کے پھر شرک پر آمادہ ہو جاتے ہو؟  
آیت ۹۰ ﴿بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَآنَهُمُ الْكَذِبُونَ﴾ ”بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لے آئے ہیں لیکن یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔“

آیت ۹۱ ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ﴾ ”اللہ نے ہرگز کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے“

﴿اِذَا لَظَهَرَ كُلُّ اِلٰهٍ اِلٰهًا بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ ”(اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔“  
﴿سُبْحَنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ ”اللہ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کر رہے ہیں۔“  
اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ لوگ جس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بہت ارفع و اعلیٰ و منزہ ہے۔

آیت ۹۲ ﴿عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ”وہ جاننے والا ہے ہر غیب اور ظاہر کا“  
چنانچہ وہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔“

## آیات ۹۳ تا ۱۱۸

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيّٰنِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ تُرِيْكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۙ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٍ الشَّيْطٰنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۙ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنَ ۙ لَعَلّٰى اَعْمَلُ صَالِحًا فِىْ مَا تَرَكْتُ ۙ كَلَّا ۙ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَايِلُهَا ۙ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرَزَخٌ اِلٰى يَوْمٍ يُبْعَثُوْنَ ۙ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ۙ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۙ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۙ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۙ تَلْفَحُ وُجُوْهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ ۙ اَلَمْ تَكُنْ اٰتٰىنِىْ نُّسْلًا عَلٰىكُمْ فَلَنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُوْنَ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا عَلَبْتَ عَلَيْنَا شَقُوْنًا وَّكُنَّا قَوْمًا ضَالِِّيْنَ ۙ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۙ قَالَ اَخْسَوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ ۙ



إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٣﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿٩٤﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿٩٥﴾ قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِ الْعَادِثِينَ ﴿٩٧﴾ قُلْ إِنْ لَّبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنْبَا خَلْقِكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ لَا تُرْجَعُونَ ﴿٩٩﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١٠٠﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۚ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١٠١﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٢﴾

آیت ۹۳ ﴿قُلْ رَبِّ إِنَّمَا تُرِيدُنِي مَا يُوعَدُونَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ دعا کیجیے: اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ (عذاب) دکھائے جس کی انہیں دھمکی جا رہی ہے۔“

آیت ۹۴ ﴿رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”تو پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔“

جس عذاب کی وعیدیں ان لوگوں کو دی جا رہی ہیں اگر وہ میری نگاہوں کے سامنے ان پر آگیا تو اے میرے پروردگار! مجھے اس سے اپنی پناہ میں رکھنا۔ گویا ہر شخص کو اللہ کے ایسے عذاب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں سورۃ الانفال کی اس آیت کا مضمون لرزادینے والا ہے: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور ڈرو اس عذاب سے کہ وہ (جب آئے گا تو) تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا“ اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔“ پاکستان کے خصوصی حالات کے پیش نظر ہم سب کو ایسی تنبیہات کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ چنانچہ یہاں پر شریعت اسلامی کا عملی نفاذ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو مہلت عمل ہمیں دے رکھی ہے اسے غنیمت سمجھتے ہوئے ہم میں سے ہر ایک کو اس سرزمین پر اقامت دین کی کوشش کے لیے کمر ہمت باندھ لینی چاہیے۔ اس فرض کی ادائیگی سے غفلت کی پاداش میں عذاب الہی کا ایک کوڑا ہم پر ۱۹۷۱ء میں پڑ چکا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ ہماری مہلت عمل ختم ہو جائے اور ہم دوسرے کوڑے کی زد میں آجائیں ہمیں اپنے تن من اور دھن کو قربان کر دینے کے جذبے کے ساتھ اس میدان میں لکنا ہوگا۔ ہمارے لیے اللہ کی پکڑ سے بچنے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کا یہی ایک راستہ ہے۔

آیت ۹۵ ﴿وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ تُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ﴾ ”اور یقیناً ہم آپ کو وہ دکھا دینے پر قادر ہیں جس (عذاب) کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں۔“

آیت ۹۶ ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ﴾ ”آپ مقابلہ کیجیے برائی کا اچھائی کے ساتھ۔“



آپ ان کی شرارتوں سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔ ان لوگوں کا آپ کے ساتھ جیسا بھی رویہ ہو مگر آپ کو اس کا مقابلہ نیکی اور بھلائی سے ہی کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی گالیوں کے جواب میں انہیں دعا دیں اور ان کے برا بھلا کہنے کے باوجود آپ اس کو اللہ کی طرف بلاتے رہیں۔

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ﴾ ﴿۹۶﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔“

جو کچھ یہ ہرزہ سرائی کر رہے ہیں ہم اس سے خوب واقف ہیں۔

آیت ۹۷ ﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ ﴿۹۷﴾ ”اور کہیے کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیاطین کی چھوت سے۔“

آیت ۹۸ ﴿وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ﴾ ﴿۹۸﴾ ”اور اے میرے رب! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

ایک داعی کے لیے شیطان کی چھوت اور اکساہٹ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اسے اپنی دعوتی کوششوں کے دوران اپنے مخاطبین پر غصہ آجائے اور وہ انہیں حق کی طرف مائل کرنے کے بجائے متنفر کر دے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰۰ میں بھی ایسی ہی صورت حال سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت ۹۹ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ﴾ ﴿۹۹﴾ ”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا: پروردگار! مجھے ذرا واپس بھیج دے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا﴾ ﴿۱۰۰﴾ ”تا کہ جو کچھ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں!“

اے میرے پروردگار! اب اگر تو مجھے واپس دنیا میں بھیج دے تو میں اپنے مال و اسباب کو تیرے راستے میں اور تیرے دین کی خدمت میں لٹا دوں گا!

﴿إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ ”یہ محض ایک بات ہے جو وہ کہے گا۔“

﴿وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ ﴿۱۰۱﴾ ”اور اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔“

موت کے بعد تو اب بعث بعد الموت تک ان کے لیے عالم برزخ کی زندگی ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ ﴿۱۰۱﴾ ”پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو اُس دن ان میں کوئی نسبی تعلق نہیں رہے گا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“

اُس دن ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور کوئی کسی کا پُرساں حال نہیں ہوگا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿وَأُمِّهِ﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿وَصَاحِبَتِهِ﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿وَبَنِيهِ﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿لِكُلِّ امْرِيٍّ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿(عبس)﴾ ”جس دن انسان

بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ جس دن ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا کر دے گی۔“

**آیت ۱۰۲** ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ﴿۱۰۲﴾ ”تو جن کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔“

یہ وہ خوش نصیب لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیوی زندگی میں واقعتاً اپنی شخصیت کو اپنی روح کے فطری تقاضوں کے مطابق پروان چڑھایا تھا اور اپنی خودی اور سیرت کی تعمیر بھی انہی پاکیزہ بنیادوں پر کی تھی۔

**آیت ۱۰۳** ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾ ﴿۱۰۳﴾ ”اور جن کے (نیک اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی ہوں گے جنہوں نے خود کو ہلاکت میں ڈالا وہ جہنم میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

**آیت ۱۰۴** ﴿تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ ﴿۱۰۴﴾ ”آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور وہ اس کے اندر بد شکل ہو جائیں گے۔“

چہروں کے جھلس جانے کے باعث ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی۔

**آیت ۱۰۵** ﴿أَلَمْ تَكُنْ أَلَيْسَىٰ تُثَلَّىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ﴾ ﴿۱۰۵﴾ ”(ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے!“

**آیت ۱۰۶** ﴿قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ﴾ ﴿۱۰۶﴾ ”وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری بد بختی ہم پر غالب آگئی تھی اور (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ) ہم گمراہ لوگ تھے!“

**آیت ۱۰۷** ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ ﴿۱۰۷﴾ ”اے ہمارے پروردگار! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال دے اگر ہم دوبارہ یہی کریں تو پھر ہم واقعی ظالم ہوں گے۔“

**آیت ۱۰۸** ﴿قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾ ﴿۱۰۸﴾ ”اللہ فرمائے گا: اب تم ذلیل و خوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو!“

**آیت ۱۰۹** ﴿إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ ﴿۱۰۹﴾ ”یقیناً میرے بندوں میں کچھ وہ لوگ بھی تھے جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں بس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔“

**آیت ۱۱۰** ﴿فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سُخْرِيًّا﴾ ”تو تم نے ان کا مذاق اڑایا تھا“

میرے وہ بندے جب مجھ سے گڑگڑا کر دعا کرتے تھے تو تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔

﴿حَتَّىٰ أَنسَوُكُمْ ذِكْرِي﴾ ”یہاں تک کہ ان لوگوں (کا تمسخر اڑانے کی مصروفیت) نے تمہیں

میرا ذکر بھلا دیا“

﴿وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَصْحَكُونَ﴾ ”اور تم ان پر ہنستے ہی رہتے۔“

تم لوگ میرے بندوں کی تضحیک کرنے اور ان کا مذاق اڑانے میں ایسے مگن رہے کہ میں تمہیں بالکل ہی یاد

نہ رہا۔

آیت ۱۱۱ ﴿إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ ”آج میں نے ان کو بدلہ دیا

ہے ان کے صبر کے طفیل، کہ آج یقیناً وہی کامیاب ہیں۔“

آیت ۱۱۲ ﴿قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ﴾ ”(پھر) وہ ان سے پوچھے گا کہ تم لوگ کتنا

عرصہ زمین میں رہے ہو سالوں کی گنتی میں؟“

آیت ۱۱۳ ﴿قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ﴾ ”وہ کہیں گے کہ ہم تو رہے ہیں

(وہاں) بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ تو آپ پوچھ لیں حساب کتاب والوں سے۔“

آیت ۱۱۴ ﴿قُلْ إِنْ لَبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”اللہ فرمائے گا کہ (واقعاً) تم لوگ

نہیں رہے ہو مگر بہت تھوڑا ہی عرصہ کاش کہ تم لوگ جانتے ہوتے!“

آیت ۸۴ سے شروع ہونے والے سلسلہ کلام میں یہ آخری چار آیات خصوصی طور پر بہت جامع اور

پُر جلال ہیں۔ جیسا کہ آیت ۸۴ کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سورت کے اس حصے کی تلاوت قاری محمد صدیق

المنشاوی نے بہت پُر تاثیر انداز میں کی ہے۔ ان کی یہ تلاوت سننے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے سننے سے دل پر

ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے:

آیت ۱۱۵ ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنْمَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ ”کیا تم نے سمجھا تھا کہ ہم

نے تمہیں بیکار پیدا کیا تھا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟“

گزشتہ آیات کے سیاق و سباق میں اس آیت کا ترجمہ صیغہ ماضی میں ہو گا اور اس مفہوم میں اس کے

مخاطب وہی جہنمی لوگ ہوں گے جن کا ذکر پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔ اور اگر اسے گزشتہ سلسلہ کلام سے علیحدہ پڑھا

جائے تو اس کا ترجمہ صیغہ حال میں کیا جائے گا اور پھر اس کا مخاطب ہر پڑھنے والے اور دنیا کے ہر زمانے کا ہر

انسان ہو گا کہ اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور بیکار پیدا کیا ہے اور تمہیں ہمارے

پاس واپس آ کر اپنے ایک ایک عمل کا حساب نہیں دینا ہے؟

عقلی اور منطقی طور پر یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آخرت کے تصور کے بغیر انسانی تخلیق کا مقصد سمجھ میں

نہیں آ سکتا۔ اگر انسان عام حیوانات جیسا حیوان ہوتا تو پھر واقعی حیات بعد الحیات اور آخرت کی کوئی

ضرورت نہیں تھی، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ حیوانات کے برعکس انسان کے اندر فطری طور پر اخلاقی حس اور

نیکی و بدی کی تمیز (moral sense) پیدا کی گئی ہے۔ اس اخلاقی حس کے نتیجے میں انسانی سطح پر جو اخلاقی اقدار



(moral values) وجود میں آئی ہیں وہ کسی قوم کسی علاقے یا زمانے تک محدود نہیں بلکہ مستقل (permanent) اور آفاقی (universal) ہیں۔ چنانچہ ”گندم از گندم بروید جوڑ جو“ (گندم سے گندم اُگتی ہے اور جو سے جو) کے اصول کے مطابق اچھائی کا نتیجہ اچھا نکلنا چاہیے اور برائی کا برا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ اور ہمیشہ لازمی طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہذا یہ صورت حال منطقی طور پر تقاضا کرتی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا وجود میں آئے جہاں ہر انسان کی موجودہ زندگی کے ایک ایک فعل اور ایک ایک عمل کا احتساب کر کے مصدقہ آفاقی اصولوں کے مطابق عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا اہتمام ہو۔ یہی نکتہ ہے جسے قرآن مجید مختلف مواقع پر ایمان بالآخرت کے لیے بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ بہر حال ایک ذی شعور انسان بالآخر اس منطقی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ ۖ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران)۔ ”اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا تو پاک ہے پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے!“

**آیت ۱۱۶ ﴿فَتَعَلَّى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾** ”تو بہت بلند و بالا ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے۔“

اللہ اس کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ کُلّی اختیارات کا مالک ہے اور اس کی یہ حیثیت بھی سزا و جزا کے نظام کا تقاضا کرتی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں جو اپنے غداروں اور باغیوں کو سزا نہ دے اور وفاداروں کو انعام و اکرام اور خلعتوں سے نہ نوازے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ بادشاہ حقیقی اپنے جاں نثاروں کی قدر افزائی نہ کرے ان کی قربانیوں کا انہیں کوئی صلہ نہ دے اور اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو سزا نہ دے؟ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ ”اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بہت عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

**آیت ۱۱۷ ﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾** ”اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو“

یعنی اللہ کو بھی معبود مانتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کسی اور کو بھی پکارتا ہے۔

﴿لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۚ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ ”جس کے بارے میں اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔“

﴿إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے کافر فلاح نہیں پائیں گے۔“

**آیت ۱۱۸ ﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ﴾** ”اور دعا کیجیے کہ پروردگار! تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۵۵

# سُورَةُ النُّورِ

## تمہیدی کلمات

مکی سورتوں کے ایک طویل سلسلے (سورۃ یونس تا سورۃ المؤمنون) کے بعد اب ہم ایک مدنی سورت کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں جو اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ اگرچہ بعض لوگ چودہ سورتوں کے اس گروپ میں سے سورۃ الرعد اور سورۃ الحج کو مدنی قرار دیتے ہیں مگر جو لوگ مکی اور مدنی سورتوں کے مزاج سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مدنی سورت نہیں ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ ان میں کہیں کہیں کچھ آیات مدنی ہوں۔

سورۃ النور کا نزول ۶ ہجری میں ہوا۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے جانے والی سازش کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی ثابت کی گئی ہے۔ اس سازش کے پیچھے مدینہ کے منافقین کا پورا گروہ تھا، لیکن اس میں بنیادی کردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا تھا۔ بد قسمتی سے کچھ سادہ لوح مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے تھے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خود حضور ﷺ کے لیے بہت زیادہ تکلیف اور کرب کا باعث بنا۔

نسبت زوجیت کے اعتبار سے سورۃ النور کا تعلق سورۃ الاحزاب کے ساتھ ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورۃ الاحزاب چونکہ سورۃ النور سے پہلے (۵ ہجری میں) نازل ہوئی تھی اس لیے اس کی آیات سورۃ النور کی آیات کی نسبت قدرے چھوٹی ہیں۔ اس وجہ سے سورۃ الاحزاب کی آیات کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے مگر دونوں سورتوں کے رکوعات کی تعداد (۹۹) برابر ہے اور حجم بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ دونوں سورتوں میں نمبر ۳۵ پر جو آیات ہیں وہ ایمان اور اسلام کی حقیقت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱۰ تا ۱۰

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ

كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْسَ شَهْدُ عَذَابِيهَا طَائِفَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الزَّانِي لَا يَنكِحُ الزَّانِيَةَ أَوْ مُشْرِكَةٌ وَلَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۝ وَيَدْرُؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

عِ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ۝

**آیت ۱** ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ ”یہ ایک عظیم سورت ہے، ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور اس کو (تم پر) فرض کیا ہے“

سورت کے آغاز کا یہ انداز تمام سورتوں میں منفرد ہے۔ ”سُورَةٌ“ کا لفظ یہاں پر بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے۔ اس کو اگر تفخیم کے لیے مانا جائے تو اس کے معنی یوں ہوں گے کہ یہ ایک عظیم سورت ہے۔

﴿وَأَنْزَلْنَاهَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾ ”اور ہم نے اس میں بڑی روشن آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

**آیت ۲** ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۝﴾ ”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو“

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ ۝﴾ ”اور تمہیں نہ روکے ان کے ساتھ مہربانی اللہ کے دین (کی تنفیذ) کے معاملے میں“

یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا معاملہ ہے۔ ایسے معاملے میں حد جاری کرتے ہوئے کسی کے ساتھ کسی کا تعلق، انسانی ہمدردی یا فطری نرم دلی وغیرہ کچھ بھی آڑے نہ آنے پائے۔

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝﴾ ”اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یومِ آخرت پر۔“

یہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے حد ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسول بھی شریعت اسلامی کا ایک مستقل بالذات ماخذ ہے۔ رجم کی سزا کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ شریعت موسویٰ میں یہ سزا موجود تھی اور



حضور ﷺ نے سابقہ شریعت کے ایسے احکام جن کی قرآن میں نفی نہیں کی گئی اپنی امت میں جوں کے توں جاری فرمائے ہیں۔ ان میں رجم اور قتل مرتد کے احکام خاص طور پر اہم ہیں۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا متعدد احادیث رسول اللہ ﷺ کی سنت خلفائے راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲) ”اور چاہیے کہ ان دونوں کی اس سزا کے وقت

اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔“

اس حد کو عام پبلک میں کھلے عام جاری کرنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلامی شریعت دراصل تعزیرات اور حدود کو دوسروں کے لیے لائق عبرت بنانا چاہتی ہے۔ اگر کسی مجرم کو جرم ثابت ہونے کے بعد چپکے سے پھانسی دے دی جائے اور لوگ اسے ایک خبر کے طور پر سنیں تو ان کے ذہنوں میں اس کا وہ تاثر قائم نہیں ہوگا جو اس سزا کے عمل کو براہ راست دیکھنے سے ہوگا۔ اگر کسی مجرم کو سرعام تختہ دار پر لٹکایا جائے تو اس سے کتنے ہی لوگوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ چنانچہ اسلامی شریعت سزاؤں کے تصور کو معاشرے میں ایک مستقل سدِ راہ (deterrent) کے طور پر موثر دیکھنا چاہتی ہے۔ اس میں بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ ایک کو سزا دی جائے تو لاکھوں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

آیت ۳ ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً﴾ ”زانی مرد کو روا نہیں کہ وہ نکاح کرے مگر کسی زانیہ

ہی سے یا مشرکہ سے“

یہ حکم قانون کے درجے میں نہیں بلکہ اخلاق کے درجے میں ہے۔ یعنی اس شرمناک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر کے اس شخص نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی پاک دامن، عفت مآب مومنہ کے لائق ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اس قانونی بندھن کے لیے بھی اپنے جیسی ہی کسی بدکار عورت یا پھر مشرکہ عورت کا انتخاب کر لے۔

﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۳) ”اور زانیہ

عورت بھی اس لائق نہیں کہ اس سے کوئی نکاح کرے مگر صرف بدکار مرد یا کوئی مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ (زانی اور زانیہ سے نکاح) مومنین پر۔“

آیت ۴ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ ”اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں“

”محصنات“ سے مراد خاندانی عورتیں بھی ہیں اور منکوحہ عورتیں بھی۔ گویا عورتوں کے حق میں احسان (حفاظت کا حصار) کی دو صورتیں ہیں۔ جو عورتیں کسی معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہیں وہ اپنے اس خاندان کی حفاظت کے حصار میں ہیں اور جو کسی کے نکاح کی قید میں ہیں انہیں اپنے خاوند اور نکاح کے اس تعلق کی حفاظت حاصل ہے۔ اس طرح خاندانی منکوحہ خاتون کو دو ہرا ”احسان“ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن خاندانی یا منکوحہ عورت پر زنا کا الزام لگائے اور:

﴿ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ ”پھر وہ نہ لاسکیں چار گواہ تو ایسے

لوگوں کو لگاؤ اسی کوڑے“

﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ اور آئندہ کبھی ان کی شہادت

قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ فاسق ہیں۔“

اگر کوئی شخص کسی پاکدامن خاتون پر بدکاری کا الزام لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ چار چشم دید گواہ پیش کرے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتا ہے تو اس کے اس الزام کو بہتان تصور کیا جائے گا اور زنا کے بہتان کی سزا کے طور پر اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ شریعت میں اسے ”حدِ قذف“ کہا جاتا ہے۔

دیکھا جائے تو یہ سزا زنا کی سزا (سو کوڑے) کے قریب ہی پہنچ جاتی ہے۔ اس میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ خواہ مخواہ برائی کی تشہیر نہ ہو۔ دراصل برائی کا چرچا بھی معاشرے کے لیے برائی ہی کی طرح زہرناک ہے اور شریعت کا مقصد اس زہرناکی کا سدباب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کہیں ایسی غلطی کا ارتکاب ہو تو قصور وار افراد کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔ لیکن اگر کسی قانونی شتم کی وجہ سے یا گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث جرم ثابت نہ ہو سکتا ہو اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو پھر بہتر ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے اور برائی کی تشہیر کر کے معاشرے کی فضا میں ہیجانی کیفیت پیدا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

**آیت ۵** ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”سوائے ان

لوگوں کے جو توبہ کر لیں اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں، تو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے۔“

مثلاً کسی شخص پر قذف کی حد جاری کی گئی اور اسلامی عدالت میں طویل عرصے تک اس کی گواہی بھی ناقابل قبول رہی، لیکن سزا ملنے کے بعد اس شخص نے اللہ کے حضور توبہ کر لی اور اپنی پرانی روش کو مستقل طور پر تبدیل کر لیا۔ اس کے مثبت رویے کو دیکھتے ہوئے معاشرے میں پھر سے اسے ایک با اعتماد صالح اور پرہیزگار مسلمان کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اب ایسے شخص پر سے گواہی کے ناقابل قبول ہونے کی قدغن ختم ہو سکتی ہے۔

**آیت ۶** ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی

بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے سوا اور گواہ نہ ہوں“

یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لے اور اس کے پاس اپنے علاوہ موقع کے تین اور گواہ بھی نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ چونکہ معاملہ اس کی اپنی بیوی کا ہے اس لیے وہ خاموشی اختیار کر کے اس کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔ عام حالات میں تو اگر کوئی شخص اپنے علاوہ تین چشم دید گواہوں کے بغیر کسی پر ایسا الزام لگائے تو اسے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے گی، لیکن میاں بیوی کے معاملے میں ایسی صورت حال کے لیے یہاں ایک خصوصی قانون دیا گیا ہے جسے اصطلاح میں ”لعان“ کہا جاتا ہے۔

﴿فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ”تو ایسے ایک شخص کی گواہی

یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ یقیناً سچا ہے۔“

ایسے شخص سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر چار دفعہ واقعہ کی گواہی دے اور دعویٰ کرے کہ وہ جو کچھ کہہ

رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔

**آیت ۷** ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝﴾ ”اور پانچویں باریہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔“

اس طرح ایسے شخص کی مذکورہ گواہی چار گواہوں کے برابر سمجھی جائے گی۔

**آیت ۸** ﴿وَيَذَرُوهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝﴾ ”اور اس عورت سے یہ بات سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ چار دفعہ گواہی دے اللہ کی قسم کے ساتھ کہ وہ (اس کا شوہر) یقیناً جھوٹا ہے۔“

**آیت ۹** ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝﴾ ”اور پانچویں دفعہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہو۔“

اگر شوہر چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر الزام میں اپنی سچائی کی گواہی دے دے اور پانچویں دفعہ یہ بھی کہہ دے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کی طرف سے چار گواہ پیش کرنے کا قانونی تقاضا پورا ہو گیا۔ اس کے بعد متعلقہ عورت کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ اگر وہ اس الزام کو تسلیم کر لے یا خاموش رہے تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی، لیکن اگر وہ اس سے انکار کرے تو اسے بھی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یہ کہنا ہوگا کہ اس کا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہنا ہوگا کہ اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اگر وہ عورت ایسا کہہ دے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور وہ دنیا کی سزا سے بچ جائے گی۔ البتہ اس کے بعد ان کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ دونوں بطور میاں بیوی اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔

**آیت ۱۰** ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ ۝﴾ ”اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی“  
﴿وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ۝﴾ ”اور یہ کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے۔“

یہاں پر کچھ الفاظ مقدر (understood) مانے گئے ہیں۔ گویا تقدیر عبارت یوں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت تم لوگوں کے شامل حال نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور صاحب حکمت ہے تو بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں غلط راستے پر ڈال دیتا اور تم کوئی بہت بڑا قدم اٹھا لیتے۔ ان ابتدائی آیات کی صورت میں اس واقعہ کی تمہید بیان ہوئی ہے جو آگے آرہا ہے۔

## آیات ۱۱ تا ۲۰

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِيُكْشَلَ  
أَمْرٌ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا  
إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝



كُلُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ  
الْكَاذِبُونَ ۝ وَكُلُوا فَبِإِذْنِ اللَّهِ عَلَى كُمُورٍ حُبَّتْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ  
فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنِّينَ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ  
وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّئًا ۚ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ وَكُلُوا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ  
بِهَذَا ۖ سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ  
مُؤْمِنِينَ ۝ وَيَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ  
الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا  
تَعْلَمُونَ ۝ وَكُلُوا فَبِإِذْنِ اللَّهِ عَلَى كُمُورٍ حُبَّتْ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

**آیت ۱۱** ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۖ﴾ “جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں، یہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔“

﴿لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُم ۖ﴾ “اسے تم اپنے لیے بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔“

یہ واقعہ گویا اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام اور قوانین کے نزول کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے امت کو شریعت کے اہم امور کی تعلیم دی جائے گی۔ اس واقعہ کا خلاصہ یوں ہے:

۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آپ ایک الگ ہودج (کجاوہ) میں سفر کرتی تھیں۔ واپسی کے سفر کے دوران ایک جگہ جب قافلے کا پڑاؤ تھا آپ صبح منہ اندھیرے قضاے حاجت کے لیے گئیں۔ واپسی آپ کا ہار کہیں گر گیا اور اس کی تلاش میں آپ کو اتنی دیر ہو گئی کہ قافلے کے کوچ کا وقت ہو گیا۔ جن لوگوں کو آپ کا ہودج اونٹ پر باندھنے اور اتارنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی تھی انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیا۔ آپ چونکہ بہت دُبی پتلی تھیں اور آپ سمیت ہودج کا وزن بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے اٹھاتے ہوئے وہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہودج خالی ہے اور آپ اس میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال جب آپ پڑاؤ کی جگہ پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ واپس آ کر آپ نے سوچا ہوگا کہ اگر پیدل قافلے کے پیچھے جانے کی کوشش کروں گی تو نہ جانے رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک کر کس طرف چلی جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اسی جگہ پر بیٹھی رہوں تا وقتیکہ لوگوں کو میرے بارے میں پتا چلے کہ میں ہودج میں نہیں ہوں اور وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ آپ وہیں بیٹھ گئیں۔ بیٹھے بیٹھے آپ کو نیند آ گئی اور آپ وہیں زمین پر سو گئیں۔

اس زمانے میں عام طور پر سفر کے دوران ایک شخص قافلے کے پیچھے پیچھے سفر کرتا تھا تا کہ بیماری وغیرہ کی

وجہ سے اگر کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا ہو تو اس کی مدد کرے یا قافلے کی کوئی گری پڑی چیز اٹھالے۔ اس سفر کے دوران اس ذمہ داری پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ وہ اجالے کے وقت قافلے کے پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے تو دور سے انہیں ایک گٹھڑی سی پڑی دکھائی دی۔ قریب آئے تو اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو زمین پر پڑے پایا۔ نیند کے دوران آپ کا چہرہ کھل گیا تھا اور حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے چونکہ انہوں نے آپ کو دیکھا تھا اس لیے پہچان گئے۔ (حجاب کا حکم سورۃ الاحزاب میں ہے جو ایک سال پہلے ۵ ہجری میں نازل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے خواتین حجاب نہیں کرتی تھیں۔) حضرت صفوانؓ نے آپ کو دیکھ کر اونچی آواز میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ یہ سن کر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے آپ کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ آپ خاموشی سے سوار ہو گئیں اور وہ نکیل پکڑے آگے آگے چلتے رہے۔ جب وہ آپ کو لے کر قافلے میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی نے اپنے ٹبٹ باطن کا اظہار کرتے ہوئے شور مچا دیا کہ خدا کی قسم تمہارے نبی کی بیوی بچ کر نہیں آئی! (معاذ اللہ!) باقی منافقین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور یوں یہ بے سرو پا بات بڑھتے بڑھتے ایک طوفان کا روپ دھا ر گئی۔ منافقین کی اس سازش سے بعض بہت ہی مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے جن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (دربار نبوی کے شاعر) بھی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیات نازل فرما کر آپ کی پاکدامنی اور پاکبازی پر گواہی دی تو تب جا کر یہ معاملہ ختم ہوا۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ”واقعہ افک“ کے نام سے مشہور ہے۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ﴾ ”ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو گناہ اُس نے کمایا۔“

جس کسی کا جتنا حصہ اس طوفان کے اٹھانے میں ہے اس کو اسی قدر اس کا بدلہ ملے گا۔

﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اپنے سر لیا اس کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔“

اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے جو اس بہتان کے باندھنے اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔

**آیت ۱۲** ﴿لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِنَّ خَيْرًا﴾ ”ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے بارے میں اچھا گمان کرتے“

﴿وَقَالُوا هَذَا افْكٌ مِّنْهُمْ﴾ ”اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا بہتان ہے!“

**آیت ۱۳** ﴿لَوْلَا جَاءُوْهُ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾ ”کیوں نہیں وہ لے کر آئے اس پر چار گواہ؟“

اس طرح کے الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا حکم اس سے پہلے سورۃ النساء آیت ۱۵ میں نازل ہو چکا تھا (سورۃ النساء ۴ ہجری میں نازل ہو چکی تھی)۔ چنانچہ ان لوگوں کے لیے لازمی تھا کہ چار گواہ پیش کرتے ورنہ خاموش رہتے۔

﴿فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالْشُّهَدَاءِ فَاولئك عندَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ ”تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو

اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔“

چار گواہوں کی عدم موجودگی میں اسلامی قانون کے مطابق وہ لوگ جھوٹے ہیں۔

**آیت ۱۴** ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں، تو ضرور تمہیں پہنچتا بہت بڑا عذاب اس معاملے کے باعث جس کا تم نے چرچا کیا تھا۔“

**آیت ۱۵** ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنِّتِ﴾ ”جب تم لے رہے تھے اسے اپنی زبانوں سے“  
ادھر سے بات سن کر ادھر پہنچا دینا انسانی کمزوری ہے اور اسی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی بھی ہيجان انگیز بات ”منہ سے نکلی کوٹھے چڑھی“ کے مصداق دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔  
﴿وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ ”اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تھا“

اس بارے میں جتنی باتیں تھیں سب سنی سنائی تھیں ان کے پیچھے نہ کوئی علمی ثبوت تھا اور نہ کوئی گواہ۔  
﴿وَتَحْسِبُونَهُ هِينًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ﴾ ”اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے جبکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔“

کسی بھی مسلمان خاتون پر اس طرح کی تہمت لگا دینا بہت قبیح حرکت ہے، چہ جائیکہ ”بازی بازی باریش بابا ہم بازی!“ کے مصداق اُمّ المؤمنینؓ زوجہ رسول کو ایسی تہمت کا ہدف بنا لیا جائے۔ اللہ کے نزدیک یہ حرکت کس قدر ناپسندیدہ ہوگی!

**آیت ۱۶** ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا﴾ ”اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم کہتے کہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں!“  
﴿سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ ”(اور کہتے کہ) اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے!“

**آیت ۱۷** ﴿يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ کبھی بھی ایسی کوئی حرکت مت کرنا، اگر تم مؤمن ہو۔“

**آیت ۱۸** ﴿وَيَسِّرُ اللَّهُ لَكُمْ الْأَيْتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر رہا ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔“

**آیت ۱۹** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“



یعنی وہ لوگ جو مختلف حربوں سے معاشرے میں بے حیائی کو عام کرتے ہیں۔ آیت کے الفاظ اشاعتِ فحش کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ آج کل اس کا بہت بڑا ذریعہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ہے۔ کمرشل اشتہارات میں عورتوں کی نیم عریاں تصاویر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ برائی کی اشاعت یوں بھی ہو رہی ہے کہ ناجائز تعلقات کے سیکنڈ لڑکی تشہیر کی جاتی ہے اور بغیر کسی معقول اور مناسب تحقیق کے اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی کرامت سے ان کی خبریں دنیا بھر میں گھر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی عمر کے بچے اور بچیاں بھی ایسے بے ہودہ سیکنڈ لڑکی پڑھتے سنتے اور اس موضوع پر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ بہر حال ایسے واقعات کو خبر بنا کر شائع کر دینا بہت بڑا جرم ہے اور جو لوگ بھی اس کے ذمہ دار ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہیں۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو حتیٰ الوسع برائی کا چرچا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر قانونی تقاضے پورے ہوتے ہوں تو مجرموں کو کٹہرے میں ضرور لایا جائے اور انہیں ایسی سزا دلوائی جائے کہ ایک کو سزا ہو اور ہزاروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۱۹﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“  
**آیت ۲۰** ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ رءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۲۰﴾ ”اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تم لوگوں پر نہ ہوتی اور یہ کہ یقیناً اللہ بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔“  
 تو یہ جو طوفان اٹھایا گیا تھا اس کے نتائج بہت دور تک جاتے۔ (اس مفہوم کے الفاظ یہاں محذوف ہیں۔)

## آیات ۲۱ تا ۲۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ  
 بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا ۚ  
 وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يُشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۲۱ وَلَا يَأْتِلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ  
 أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا  
 تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۲۲ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ  
 الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۲۳ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ  
 وَأَيْدِيُهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ يَوْمَ لَا يُفِيهِمُ اللّٰهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ  
 اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝۲۴ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۚ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ  
 وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۲۵

**آیت ۲۱** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ﴾ ”اے اہل ایمان! شیطان کے نقش قدم

کی پیروی نہ کرو۔“

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ”اور جو کوئی شیطان کے نقشِ

قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اُسے بے حیائی اور بُرائی ہی کا حکم دے گا۔“

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَاىَ مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا﴾ ”اور اگر اللہ کا فضل اور

اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ تم لوگوں کی برائیوں کی ستر پوشی کرتا رہتا ہے اور اس طرح تمہارے راہِ راست پر آنے کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر انسان کی برائی کا پردہ ایک دفعہ چاک ہو جائے تو وہ ڈھیٹ بن جاتا ہے اور اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کی فوری پکڑ نہیں کرتا اور اس طرح ان کے لیے اصلاح اور توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا

ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

**آیت ۲۲** ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ ”اور قسم نہ کھالیں تم میں سے فضیلت اور کشادگی والے لوگ۔“

﴿أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اس پر کہ وہ (اپنے

اموال میں سے) دیں، قرابت داروں کو، مساکین کو اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں۔“

یہاں فضیلت اور کشادگی کے روحانی اور مادی دونوں پہلو مراد ہیں، یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان، نیکی اور مال و دولت میں فضیلت دے رکھی ہے۔ اس آیت میں اشارہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ بد قسمتی سے آپ کے ایک قریبی عزیز مسطح بن اثاثہ بھی مذکورہ بہتان کی مہم میں شریک ہو گئے تھے۔ وہ انتہائی غریب اور نادار تھے۔ آپ ان کے خاندان کی کفالت کرتے اور ہر طرح سے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے اس رویے سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ اس شخص نے نہ رشتہ داری کا لحاظ کیا، نہ میرے احسانات کو مد نظر رکھا اور بغیر سوچے سمجھے میری بیٹی پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے غصے میں آ کر قسم کھالی کہ آئندہ میں اس شخص کی بالکل کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس قسم پر گرفت فرمائی کہ اس شخص سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی، لیکن آپ تو بھلائی اور احسان کی روش ترک کرنے کی قسم مت کھائیں! یہ رویہ کسی طرح بھی آپ کی فضیلت و مرتبت کے شایانِ شان نہیں۔

﴿وَلْيَغْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾ ”اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔“

﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں

معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“

خطا تو کسی بھی شخص سے ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگ خطائیں کرتے ہو اور اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے لیے یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے تو پھر تمہیں بھی چاہیے کہ تم دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ آیت سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: بلی واللہ انا نحبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا يَا رَبَّنَا ”کیوں نہیں! اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! ہم ضرور یہ پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے۔“ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سے پہلے کی طرح بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے لگے۔

**آیت ۲۳** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن بے خبر مومنات پر ان پر پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

”غافلات“ سے مراد ایسی سیدھی سادھی بھولی بھالی معصوم عورتیں ہیں جن کے دل پاک ہیں جو ان معاملات سے بالکل بے خبر ہیں کہ بد چلنی کیا ہوتی ہے۔ ایسی باتیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

**آیت ۲۴** ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”جس دن اُن کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں اُن کے ہاتھ اور ان کے پاؤں اس بارے میں کہ جو عمل وہ کرتے رہے تھے۔“

شہد کے بعد جب علی آتا ہے تو یہ کسی کے خلاف شہادت دینے کا مفہوم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے حوالے سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ انسان کا جسم اور اس کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی عضو کو اللہ کی نافرمانی یا گناہ کے کسی کام میں استعمال کرتا ہے تو وہ عضو اپنی جگہ احتجاج تو کرتا ہے مگر انسان کی حکم عدولی نہیں کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اعضاء کو اس کے تابع کر رکھا ہے۔ لیکن قیامت کے دن یہ اعضاء اس طرح انسان کے تابع نہیں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خلاف گواہ بن کر اس کے گناہوں کی ایک ایک تفصیل کے بارے میں بتائیں گے۔

**آیت ۲۵** ﴿يَوْمَئِذٍ يُوفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ﴾ ”جس دن اللہ ان لوگوں کو پورا پورا دے گا ان کا واقعی بدلہ“

یہاں پر لفظ ”دین“ بدلے کے معنی میں آیا ہے جیسے سورۃ الفاتحہ میں ”يَوْمَ الدِّينِ“ کے معنی ہیں ”بدلے کا دن۔“ ﴿وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ﴾ ”اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے کھول کر بیان کرنے والا۔“

**آیت ۲۶** ﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ﴾ ”ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے۔“



﴿وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ ”اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لیے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے۔“

﴿أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ﴾ ”یہ لوگ بری ہیں اُن باتوں سے جو لوگ کہتے ہیں۔“

﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ ”اُن کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔“

یہ ایک اصولی بات فرمائی گئی کہ ناپاک اور بدکردار مرد و زن ایک دوسرے کے لیے کشش رکھتے ہیں اور پاک باز مرد و زن ایک دوسرے سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس کی نوعیت بھی درحقیقت ایک اخلاقی تعلیم کی ہے جیسا کہ قبل ازیں آیت ۳ میں بھی اخلاقی تعلیم دی گئی تھی کہ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرے اور اسی طرح ایک زانیہ بھی صرف کسی زانی اور مشرک سے ہی نکاح کرے۔ دراصل ان ہدایات سے مراد اور مدعا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا مجموعی مزاج اس قدر پاکیزہ ہو اس کی اخلاقی حس اتنی جاندار ہو اور اس کی اخلاقی اقدار اس حد تک استوار ہوں کہ کسی بھی غلط کار فرد کے لیے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، مسلم معاشرے میں کوئی جگہ نہ ہو۔ ایسا فرد خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو کر معاشرے سے مکمل طور کٹ کر رہ جائے۔

## آیات ۲۷ تا ۳۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ  
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى  
يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۚ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝  
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا  
تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ  
أَزْكَىٰ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ  
وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ  
جُيُوبِهِنَّ ۚ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ  
أَخْوَانِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَىٰ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا  
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا  
عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۚ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ ۚ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتَوْبُوا إِلَىٰ  
اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَنْكَحُوا الْأَيَّامَ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ  
عِبَادِكُمْ وَأَمَّا بَكُمْ ۚ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝  
وَلَيْسَتْ تَعْفِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ

الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ  
الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَنُوا عَرْضَ الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا ۖ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ  
آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

ع

ان آیات میں متعدد ایسے معاشرتی احکام دیے گئے ہیں جو ایک صاف ستھرا انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں، جس میں فحاشی اور بے حیائی کے لیے جگہ پانے کا دور دور تک کوئی امکان نہ ہو۔ اس سلسلے میں سورہ بنی اسرائیل کا یہ حکم بڑا جامع اور بہت بنیادی نوعیت کا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۳۳﴾ ”تم زنا کے قریب بھی مت پھٹکو، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔“ اس سے اسلام کا مدعا و منشا واضح ہوتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں ہر اس فعل اور طریقے کا سد باب کرنا چاہتا ہے جو فواحش کے زمرے میں آتا ہے۔

اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو الگ الگ جنسوں یعنی عورت اور مرد کی صورت میں پیدا کر کے ایک حکمت اور مقصد کے تحت ان میں سے ہر ایک کے لیے اپنی مخالف جنس میں بے پناہ کشش رکھی ہے۔ یہ کشش یعنی جنسی خواہش ایک ایسا منہ زور گھوڑا ہے جسے ہر وقت لگام دے کر قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسلام نے ہر ایسا اقدام کیا ہے جو انسان کے جنسی جذبے کو ایک خاص ڈسپلن کا پابند رکھنے میں معاون ہو اور ہر وہ راستہ بند کرنا ضروری سمجھا ہے جس پر چل کر انسان کے لیے جنسی بے راہ روی کی طرف مائل ہونے کا ذرا سا بھی احتمال ہو۔ یہی فکر و فلسفہ اسلام کے معاشرتی نظام کا بنیادی ستون ہے اور اس ستون کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے قرآن میں ایسے جامع اور دور رس قسم کے احکام جاری کیے گئے ہیں جو ایسے معاملات سے متعلق چھوٹی چھوٹی جزئیات تک کا احاطہ کیے نظر آتے ہیں۔ ان میں گھر کی چار دیواری کا تقدس، شخصی تخیلی (privacy) کا تحفظ، ستر کا التزام، پردے کا اہتمام، غصہ بصر سے متعلق ہدایات، مخلوط محافل و مواقع کی حوصلہ شکنی جیسے احکام و اقدامات شامل ہیں۔

**آیت ۲۷** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ﴾ ”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتیٰ کہ ان کی رضا معلوم کر لو اور گھر والوں کو سلام کر لو!“

گھر کی چار دیواری کے تقدس اور اس کے مکینوں کے تخیلی (privacy) کے آداب کو ملحوظ رکھنے کے لیے یہ تاکید حکم ہے، یعنی کسی کو کسی دوسرے کے گھر میں اُس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اجازت لینے اور رضامندی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے لیے آنے والا شخص دروازے کے باہر سے اونچی آواز میں ”السلام علیکم“ کہے اور پوچھنے پر اپنی پہچان کرائے تاکہ



اہل خانہ اُسے اندر آنے کی اجازت دینے یا نہ دینے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ کوئی کسی کے گھر میں بے دھڑک چلا آئے۔

﴿ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (۲۷) ”یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“  
**آیت ۲۸** ﴿فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ ”پھر اگر تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دے دی جائے“

گویا خالی گھر میں بھی اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔  
 ﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ اَرْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ ”اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو یہ طریقہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (۲۸) ”اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔“  
 آپ کسی سے ملاقات کا وقت طے کیے بغیر اس کے گھر پہنچ گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ کو وقت دینا اس کا فرض ہے حالانکہ ممکن ہے اس وقت وہ صاحب آرام کر رہے ہوں کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں یا کسی مجبوری کے باعث آپ سے ملاقات کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ اگر اندر سے اطلاع دی جائے کہ صاحب خانہ کے لیے اس وقت آپ سے ملاقات کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ آپ پھر کسی وقت تشریف لائیں تو ایسی صورت میں آپ بغیر برامانے واپس چلے جائیں۔ آپ کو ایسے ریمارکس دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ بہت متکبر شخص ہے میں اس سے ملنے گیا تو اس نے ملاقات سے ہی انکار کر دیا۔ البتہ ایسی کسی بھی صورت حال سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ پیشگی اطلاع دے کر اور وقت ملاقات طے کر کے کسی سے ملنے کے لیے جائیں۔

**آیت ۲۹** ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ ”اس میں تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم غیر رہائشی گھروں میں (بغیر اجازت) چلے جاؤ جن میں تمہارے لیے کچھ سامان ہو۔“

اس سے مراد دکانیں، سٹور اور گودام وغیرہ ہیں۔  
 ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ﴾ (۲۹) ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔“

قانون کی اصل روح کو سمجھنا اور اس کے مطابق اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دراصل گھر میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع کرنے کا مقصد گھر میں سکونت پذیر خاندان کی privacy کے تقدس کو یقینی بنانا ہے۔ لہذا کسی دکان یا گودام پر اس قانون کے اطلاق کا کوئی جواز نہیں ہے کہ آدمی دکان کے دروازے پر اس لیے کھڑا رہے کہ جب تک مالک مجھے اجازت نہیں دے گا میں اندر نہیں جاؤں گا۔

**آیت ۳۰** ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ (۳۰) ”اے نبی ﷺ! (مؤمنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“



﴿ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ ﴿۳۰﴾ ”یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یقیناً اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

**آیت ۳۱** ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ ”اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“  
﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ”اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں“ سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے“

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ ”اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے ٹکڑے مار لیا کریں“

اپنے معمول کے لباس کے اوپر وہ اپنی اوڑھنیوں کو اس طرح لپیٹے رکھیں کہ ان کے گریبان اور سینے ڈھکے رہیں۔ خُمُر جمع ہے، اس کا واحد خمار ہے اور اس کے معنی اوڑھنی (دوپٹہ) کے ہیں۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹ میں خواتین کے لباس کے حوالے سے جَلَابِيب کا لفظ آیا ہے جس کی واحد جلاباب ہے۔ ہمارے ہاں ”جلباب“ کا مترادف لفظ چادر ہے۔ چنانچہ یوں سمجھئے کہ دوپٹہ اور چادر دونوں ہی عورت کے لباس کا لازمی حصہ ہیں۔ عرب تمدن میں اسلام سے پہلے اگرچہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ رائج نہیں تھا مگر چادر اور اوڑھنی اس دور میں بھی عورت کے لباس کا لازمی حصہ تھیں۔ اوڑھنی وہ ہر وقت اوڑھے رہتی تھی (گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی) جبکہ گھر سے باہر نکلنا ہوتا تو چادر اوڑھ کر نکلتی تھی۔ البتہ وہ اوڑھنی اس انداز سے لیتی تھیں کہ گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے ٹکڑے مار لیا کریں تاکہ ان کے گریبان اور سینے اچھی طرح ڈھکے رہیں۔ زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں چادر نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کے لباس کا بھی لازمی حصہ تھی۔ چادر مرد کی عزت کی علامت سمجھی جاتی اور چادر کے معیار سے کسی شخص کے مقام و مرتبے کا تعین بھی ہوتا تھا۔ معمولی چادر والے شخص کو ایک عام آدمی جبکہ قیمتی دو شالہ اوڑھنے والے کو معزز اور اہم آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح کسی کے کاندھے سے اس کی چادر کا کھینچنا یا گھسیٹنا اس کو بے عزت و بے توقیر کرنے کی علامت تھی۔ چادر کا یہی تصور اس حدیث قدسی میں بھی ملتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: ((الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي))<sup>(۱)</sup> ”تکبر میری چادر ہے“۔ یعنی جو شخص تکبر کرتا ہے وہ گویا میری چادر گھسیٹ رہا ہے۔

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ ”اور وہ نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو“

آگے اس حکم سے استثناء کے طور پر مردوں کی ایک طویل فہرست دی جا رہی ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب، کھلے چہرے کے ساتھ آسکتی ہے۔ مقام غور ہے کہ اگر عورت کے چہرے کا پردہ لازمی نہیں ہے تو محرم مردوں کی یہ طویل فہرست بیان فرمانا (معاذ اللہ!) کیا ایک بے مقصد مشق (excercise in futility) ہے؟

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الکبر، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں عورت کے چہرے کا پردہ لازمی ہے اور اس حکم سے جن مردوں کو استثناء حاصل ہے وہ یہ ہیں:

﴿اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبَائِهِنَّ﴾ ”(وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں کسی پر) سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے“

باپ کے مفہوم میں چچا، ماموں، دادا اور نانا بھی شامل ہیں۔

﴿اَوْ اَبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ﴾ ”یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے“

یعنی شوہر کا وہ بیٹا جو اس کی دوسری بیوی سے ہے وہ بھی نامحرم نہیں ہے۔

﴿اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنَاتِ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنَاتِ اِخْوَاتِهِنَّ﴾ ”یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں (بھانجوں) کے“

﴿اَوْ نِسَائِهِنَّ﴾ ”یا اپنی (جان پہچان کی) عورتوں کے“

یعنی عام عورتیں بھی نامحرم تصور کی جائیں گی۔ البتہ اپنے میل جول اور جان پہچان کی عورتیں اس استثنائی فہرست میں شامل ہیں۔

﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ ”یا اُن کے جن کے مالک ہیں ان کے داہنے ہاتھ“

یعنی غلام اور لونڈیاں۔ لیکن اکثر اہل سنت علماء کے نزدیک یہ حکم صرف لونڈیوں کے لیے ہے اور غلام اس میں شامل نہیں ہیں۔

﴿اَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ اُولَى الْاُذْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ ”یا ایسے زبردست مردوں کے جو اس طرح کی غرض نہیں رکھتے“

یعنی ایسے زبردست لوگ جو صرف خدمت گار ہوں اور اپنی عمر یا زبردستی و محکومی کی بنا پر خواتین خانہ کے متعلق کوئی بری نیت دل میں نہ لاسکیں۔ اس شرط پر پورا اترنے والے مرد بھی اس استثنائی فہرست میں شمار ہوں گے۔ مثلاً ایسے خاندانی ملازمین جو کئی پشتوں سے گھریلو خدمت پر مامور ہوں۔ پہلے باپ ملازم تھا پھر اس کا بیٹا بھی اسی گھر میں پلا بڑھا اور بچپن سے ہی گھر کی خواتین کی خدمت میں رہا۔ ایسے لڑکے یا مرد سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ گھر کی خواتین کے بارے میں برا خیال ذہن میں لائے۔

﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِي لَمْ يَظْهَرْ وَاَعْلٰی عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ ”یا اُن لڑکوں کے جو عورتوں کے مخفی

معاملات سے ابھی ناواقف ہیں“

یعنی وہ نابالغ لڑکے جن میں عورتوں کے لیے فطری رغبت ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ ان محرم لوگوں کی فہرست ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے آسکتی ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں مزید ذہن نشین کر لیجیے:

پہلی یہ کہ اس آیت میں **إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** (سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے) کے الفاظ سے بعض لوگ چہرہ مراد لیتے ہیں جو بالبداهت بالکل غلط ہے۔ سورۃ الاحزاب میں وارد احکام حجاب اور احادیث نبویہ کی رو سے عورت کے لیے چہرے کا پردہ لازمی ہے۔ عہد نبویؐ میں حکم حجاب آ جانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں۔ میرے نزدیک ان قرآنی الفاظ سے مراد نسوانی جسم کی ساخت یا اس کی ایسی کوئی کیفیت ہے جسے عورت چھپانا چاہے بھی تو نہیں چھپا سکتی۔ مثلاً کسی خاتون نے برقعہ پہن رکھا ہے چہرے کے پردے کا اہتمام بھی کیا ہے مگر اس کے لمبے قد کی کشش یا متناسب جسم کی خوبصورتی اس سب کچھ کے باوجود بھی اپنی جگہ موجود ہے جو بہر حال چھپائے نہیں چھپ سکتی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ محرموں کے سامنے عورت کو صرف چہرے کے پردے کے بغیر آنے کی اجازت ہے۔ ستر کے کسی حصے کو ان کے سامنے بھی کھولنے کی اسے اجازت نہیں (اس میں صرف اس کے خاوند کو استثناء حاصل ہے)۔ واضح رہے کہ عورت کے چہرے پہنچوں سے نیچے ہاتھوں اور ٹخنوں سے نیچے پیروں کے سوا اس کا تمام جسم اس کے ستر میں شامل ہے۔ چنانچہ کسی عورت کو کھلے بالوں کے ساتھ یا مذکورہ تین اعضاء کے علاوہ جسم کے کسی حصے کو کھلا چھوڑ کر اپنے والد بھائی یا بیٹے کے سامنے بھی آنے کی اجازت نہیں۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بَارِجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ ”اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی اس زینت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے جسے وہ چھپاتی ہیں۔“

عورت کی چال ایسی نہ ہو جس کی وجہ سے چادر یا برقعے کے باوجود اس کے بناؤ سنگھار زیورات وغیرہ میں سے کسی قسم کی زینت کے اظہار کا امکان ہو۔

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”اور اے اہل ایمان! تم سب کے سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

**آیت ۳۲** ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ﴾ ”اور نکاح کر دیا کرو بیواؤں کا اپنے میں سے“

یہ بہت اہم حکم ہے۔ خصوصی طور پر ہمارے اس معاشرے کے لیے اس میں بہت بڑی راہنمائی ہے جہاں ہندوانہ رسم و رواج کے اثرات کے باعث بیوہ کا نکاح کرنا معیوب اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ خوشی سے کوئی شخص بھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔

﴿وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ ”اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو ذی صلاحیت ہوں“

تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو سمجھدار ہوں اور ان کے کردار کے بارے میں بھی تمہیں اعتماد ہو ان کے آپس میں نکاح کر دیا کرو۔ غلاموں اور کنیزوں کے نکاح ان کے آقاؤں کی اجازت سے ہوں گے اور جب کسی کنیز کا نکاح ہو جائے گا تو پھر اس کے آقا کو اس کے ساتھ تمتع کی اجازت نہیں ہوگی۔

﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے



فضل سے غنی کر دے گا۔“

چنانچہ یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان میں مہر وغیرہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں تو نکاح کیونکر کریں!

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌۭ﴾ ”اور اللہ بہت وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وہ بہت کثادگی والا ہے اور اپنے بندوں کے احوال واقعی سے بخوبی واقف بھی ہے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ کوئی انسان اپنی تنگ دستی کو اپنے نکاح کے راستے کی رکاوٹ نہ سمجھے۔ اسے امید رکھنی چاہیے کہ اس کی بیوی اپنی قسمت اور اپنا رزق اپنے ساتھ لے کر آئے گی اور یہ کہ نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اس کے لیے رزق کا کوئی نیا دروازہ کھول دے گا۔

آیت ۳۳ ﴿وَلَيْسَتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا﴾ ”اور خود کو بچائے رکھیں وہ لوگ جو نکاح کی قدرت نہ پائیں“

جو لوگ نکاح کرنے کی بالکل استطاعت نہ رکھتے ہوں، یعنی ان کے پاس نہ تو مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہو، نہ نان نفقہ کے لیے کوئی ذریعہ معاش ہو اور نہ ہی سرچھپانے کے لیے کسی قسم کی چھت کا بندوبست، تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرتے رہیں اور اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھیں۔

﴿حَتّٰی يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِۦ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔“

﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ”اور جو مکاتبت کرنا چاہیں تمہارے مملوکوں میں سے“

آقا اور غلام کے درمیان آزادی کے معاہدے کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ غلام کی خواہش اور آقا کی رضامندی سے طے پاتا تھا کہ آقا اگر اپنے غلام کو آزاد کر دے تو وہ ایک مقررہ مدت تک طے شدہ رقم اپنے آقا کو معاوضے کے طور پر ادا کرے گا۔

﴿فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ ”تو ان سے مکاتبت کر لیا کرو اگر تم سمجھو کہ ان میں بھلائی ہے“

اگر تم میں سے کسی کو اپنے غلام پر اعتماد ہو کہ وہ اپنا معاہدہ پورا کرے گا اور بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا تو اسے ضرور ایسا معاہدہ کر لینا چاہیے۔ اس حکم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے ہر اس اقدام کی حوصلہ افزائی کی ہے اور ہر وہ راستہ کھولنے کا اہتمام کیا ہے جس سے تدریجاً غلاموں کو آزادی میسر آئے اور غلامی کا خاتمہ ہو سکے۔

﴿وَاتُؤْتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیۡ اٰتٰكُمْ﴾ ”اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے“

یعنی جن غلاموں نے مکاتبت کی ہو تم لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کی زیادہ سے زیادہ مالی معاونت کیا کرو تا کہ وہ جلد از جلد مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکیں۔

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فِتْيٰتِكُمْ عَلٰی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ ”اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کیا

کر و جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہیں“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ خود پاک دامن نہ رہنا چاہتی ہوں تو ان کو مجبور کرنے کی اجازت ہے۔ ”اِنْ ارَدْنَ تَحَصُّنًا“ کی قید یہاں بطور شرط کے نہیں بلکہ صورت واقعہ کی تعبیر کے لیے ہے۔

﴿لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”تا کہ تم حاصل کرو دنیا کی زندگی کا سامان۔“

عربوں کے ہاں یہ بھی رواج تھا کہ وہ اپنی باندیوں سے پیشہ کرواتے اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی خود کھاتے تھے۔ چنانچہ اس حکم سے زمانہ جاہلیت کی اس شرمناک روایت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح قبل از اسلام عربوں میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ اپنے باپ کی بیواؤں یعنی سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اس فبیح رسم کے خاتمے کا حکم سورۃ النساء کی آیت ۲۲ میں دیا گیا ہے۔ گویا قبل از اسلام عرب معاشرے میں جو معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں ایک ایک کر کے ان کی اصلاح کر دی گئی۔

﴿وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور اگر کوئی انہیں مجبور کرے

گا تو یقیناً اللہ ان کے جبر کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

اگر کوئی اپنی باندی کو بدکاری پر مجبور کرے گا اور خود اس باندی کی مرضی اس میں شامل نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی مجبوری کے باعث اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا اور اس گناہ کا وبال اس پر ہوگا جس نے اسے اس کام کے لیے مجبور کیا ہوگا۔

**آیت ۳۲** ﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ﴾ ”اور ہم نے نازل

کر دی ہیں تمہاری طرف یہ روشن آیات اور ان لوگوں کے احوال بھی جو تم سے پہلے تھے“

جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے تھے اور ان کے اندر جو جو معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں ہم نے ان سب کی نشان دہی بھی اس کتاب میں کر دی ہے۔

﴿وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور اہل تقویٰ کے لیے نصیحت بھی۔“

سورۃ یونس کی آیت ۵۷ میں بھی قرآن کو موعظہ (نصیحت) قرار دیا گیا ہے: ﴿قَدْ جَاءَ نَكْمٌ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ

رَبِّكُمْ﴾ ”آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔“

## آیات ۳۵ تا ۴۰

اللَّهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مِثْلُ نُوْرٍ كَاشِكُوْۤهٖ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِی زُجَاجَةٍ ۚ الزُّجَاجَةُ كَاَنۡهَآ كَوْكَبٌ دُرِّیُّ یُّوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَا شَرْقِیَّةٍ وَلَا غَرْبِیَّةٍ ۚ یَكَادُ زَیۡتُهَا یُضِیُّ ؕ وَكُلُوۡمُ تَمَسِّسُهُ نَارٌ ۚ نُّوْرٌ عَلٰی نُّوْرِ ۚ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَیَضۡرِبُ اللّٰهُ الْاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌ ۝۴۰ فِیۡ بُیُوۡتٍ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرَفَعَ وَیَذۡكُرَ فِیۡہَا اَسْمَہٗ ۚ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغَدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝۴۱ رِجَالٌ لَا تُلۡہِیۡہُمُ

تِجَارَةً وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۚ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ يَّقِيعَةٍ يَّحْسِبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرِيهَا ۖ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۝

یہ اس سورت کا پانچواں رکوع ہے جو اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دوسرے حصے میں ایمان کی بحث کے ضمن میں ایک اہم درس (درس ۷) اس رکوع پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت (آیت ۳۵) قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑا ہونے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں کے درمیان بہت سی دوسری مناسبتوں اور مشابہتوں کے علاوہ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ بھی اسی موضوع پر ہے، یعنی ایمان اور اسلام کی کیفیات کے حوالے سے یہ دونوں آیات قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

اس رکوع میں ایمان کے حوالے سے انسانوں کی تین اقسام زیر بحث آئی ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی دعوت حق کے رد عمل کے حوالے سے تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ دراصل دین کی دعوت اور اسلامی تحریک کے جواب میں کسی بھی معاشرے کے اندر عام طور پر تین طرح کا رد عمل سامنے آتا ہے۔ کچھ لوگ تو نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اس دعوت پر دل و جان سے لبیک کہتے ہیں اور پھر اپنے عمل سے اپنے ایمان اور دعویٰ کی سچائی ثابت بھی کر دکھاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگ دوسری انتہا پر ہوتے ہیں۔ وہ تعصب، حسد، ضد اور تکبر کی وجہ سے انکار اور مخالفت پر کمر کس لیتے ہیں اور آخر دم تک اس پر ڈٹے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ معاشرے میں ایک تیسری قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ پورے یقین اور خلوص کے ساتھ اس دعوت کو قبول بھی نہیں کرتے اور کچھ دنیوی مفادات اور متفرق وجوہات کے پیش نظر مکمل طور پر اسے رد بھی نہیں کرتے۔ جب حالات کچھ سازگار ہوں تو اہل حق کا ساتھ دینے کے لیے تیار بھی ہو جاتے ہیں، لیکن جو نہی کوئی آزمائش آتی ہے یا قربانی کا تقاضا سامنے آتا ہے تو فوراً اپنی راہ الگ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دلی کیفیات اور کردار کا نقشہ سورۃ الحج کی آیت ۱۱ میں یوں کھینچا گیا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝﴾ ”اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر، تو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس کے ساتھ مطمئن رہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آجائے تو منہ کے بل الٹا پھر جائے۔ یہ خسارہ ہے دنیا اور آخرت کا، یہ بہت ہی بڑی تباہی ہے۔“



زیر مطالعہ آیات میں ایک دوسرے زاویے سے معاشرے کے تین کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں پہلی قسم ایسے سلیم الفطرت انسانوں کی ہے جن کے دلوں میں اللہ کی معرفت فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ پھر جب وحی کے پیغام تک ان کی رسائی ہوتی ہے تو وہ اس کے فیوض و برکات سے بھی بہترین انداز میں مستفیض ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ان کا باطن ایمان حقیقی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ ایسے لوگوں کی اس کیفیت کو یہاں ”نور علی نور“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری انتہا پر وہ لوگ ہیں جن کے دل نور ایمان سے محروم ہیں۔ وہ خالص دنیا پرست انسان ہیں جن کے دامن جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں۔ ان کے دلوں میں زندگی بھر نفسانی خواہشات کے علاوہ کسی اور خیال اور جذبے کا گزر تک نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی اس کیفیت کا نقشہ ”ظَلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ“ کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان ایک تیسرا کردار بھی ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس کردار کے حامل وہ لوگ ہیں جن کے دل اگرچہ حقیقی ایمان سے محروم ہیں، لیکن وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے یا دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے نیکی کے کام بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نیک اعمال کو یہاں سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔“

﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ﴾ ”اُس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق“

نور سے مراد یہاں نور ایمان ہے، یعنی اللہ پر ایمان کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے:

﴿فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ﴾ ”اس (طاق) میں ایک روشن چراغ ہے، وہ چراغ

شیشے (کے فانوس) میں ہے۔“

وہ چراغ شیشے کے فانوس میں رکھا گیا ہے، جیسے پچھلے زمانے میں شیشے کی چینیوں میں چراغ رکھے جاتے تھے۔

﴿الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾ ”اور وہ شیشہ ایک چمکدار ستارے کی مانند ہے“

اس مثال میں انسانی سینے کو طاق اور دل کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ انسانی پسلیوں کا ڈھانچہ جسے ہم

سینہ کہتے ہیں، یہ نیچے سے چوڑا اور اوپر سے تنگ ہونے کی وجہ سے پرانے زمانے کے طاق سے مشابہت رکھتا

ہے۔ ڈایا فرام (diaphragm) جو نچلے دھڑ کے اندرونی حصے (abdominal cavity) کو سینے کے

اندرونی حصے (chest cavity) سے علیحدہ کرتا ہے اس طاق کا گویا فرش ہے جس کے اوپر یہ چراغ یعنی دل

رکھا گیا ہے۔ یہ دل ایک بندہ مؤمن کا دل ہے جو نور ایمان سے جگمگا رہا ہے۔ یہ نور ایمان مجموعہ ہے نور فطرت

(جو اس کی روح کے اندر پہلے سے موجود تھا) اور نور وحی کا۔

﴿يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ﴾ ”وہ (چراغ) جلایا جاتا ہے زیتون

کے ایک مبارک درخت سے، جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی“

کسی درخت پر جس سمت سے دھوپ پڑتی ہو اسی سمت کے حوالے سے وہ شرقی یا غربی کہلاتا ہے۔ اگر کوئی

درخت کسی اوٹ میں ہو یا درختوں کے جھنڈ کے اندر ہو تو اس پر صرف ایک سمت سے ہی دھوپ پڑ سکتی ہے۔ اس

لحاظ سے ایسا درخت یا شرقی ہوگا یا غربی۔ لیکن یہاں ایک مثالی درخت کی مثال دی جا رہی ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ وہ نہ تو کسی اوٹ میں ہے اور نہ ہی درختوں کے جھنڈ میں، بلکہ وہ کھلے میدان میں بالکل یکہ و تنہا کھڑا ہے اور پورے دن کی دھوپ مسلسل اس پر پڑتی ہے۔ اس مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ زیتون کا وہ درخت جس پر زیادہ سے زیادہ دھوپ پڑتی ہو اور مشرق و مغرب دونوں سمتوں سے پڑتی ہو، اس کے پھلوں کا روغن بہت صاف، شفاف اور اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ ”قرب ہے کہ اُس کا روغن (خود بخود) روشن ہو جائے چاہے اسے آگ نے ابھی چھوا بھی نہ ہو۔“  
گویا وہ آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہے۔

﴿نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾ ”روشنی پر روشنی!“

یعنی جب اسے آگ دکھائی جائے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور نور علی نور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خوبصورت مثال ایمان کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں ہے اور میں نے مختلف مواقع پر اس مثال کی وضاحت بہت تفصیل سے کی ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت یا اس پر ایمان کی کیفیت پیدائشی طور پر موجود ہے، مگر دنیا میں رہتے ہوئے یہ معرفت ماحول اور حالات کے منفی اثرات کے باعث عام طور پر غفلت اور مادیت کے پردوں میں چھپ کر شعور سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس حد تک سلیم الفطرت ہوتے ہیں کہ اُن کے اندر معرفت خداوندی خارجی حالات کے تمام تر منفی اثرات کے باوجود بھی مسلسل اجاگر اور فعال رہتی ہے۔

فطری معرفت کی اس روشنی کے بعد انسانی ہدایت کا دوسرا بڑا ذریعہ یا منبع وحی الہی ہے۔ وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی ہدایت بنیادی طور پر انسانی فطرت کے اندر پہلے سے موجود غیر فعال اور خوابیدہ (dormant) ایمان اور معرفت خداوندی کو بیدار اور فعال (activate) کرنے میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ جب وحی کا پیغام لوگوں تک پہنچتا ہے تو اس پر ہر انسان کا ردِ عمل اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی فطرت میں تکدر ہے تو وہ وحی کے اس پیغام کی طرف فوری طور پر متوجہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی فطرت کی کثافت کو دور کرنے اور اس کے اندر فطری طور پر موجود معرفت خداوندی کو غفلت کے پردوں سے نکال کر شعور کی سطح پر لانے کے لیے وقت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف ایک سلیم الفطرت انسان وحی کے پیغام کو پہچاننے میں ذرہ بھرتا مل و تاخیر نہیں کرتا۔ فطری معرفت اس کے اندر چونکہ پہلے سے شعوری سطح پر موجود ہوتی ہے اس لیے نور وحی جو نہی اس کے سامنے آتا ہے اس کے دل کا آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور وہ فوراً اس پیغام کی تصدیق کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ پیغام وحی کی فوری تصدیق کی وجہ سے ”صدیقین“ کہلاتے ہیں۔ اس حوالے سے نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ: ”میں نے جس کسی کو بھی ایمان کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ توقف یا تردد ضرور کیا، سوائے ابوبکرؓ کے جنہوں نے ایک لمحے کا بھی توقف نہیں کیا۔“۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں جن خوش نصیب لوگوں کو: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ﴾ کا خطاب ملا، یہ وہی لوگ تھے جن کی فطرت کے آئینے

غیر معمولی طور پر شفاف تھے۔ دوسری طرف اسی ماحول میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی فطرت کے تکرار کو دور کرنے کے لیے اضافی وقت اور محنت کی ضرورت پڑی۔ ایسے لوگ بعد میں اپنی اپنی طبیعت کی کیفیت اور استطاعت کے مطابق ”سابقون الاولون“ کی پیروی کرنے والوں کی صف میں شامل ہوتے رہے۔ ان لوگوں کا ذکر اسی آیت میں ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ کے الفاظ میں ہوا ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں دی گئی مثال کو سمجھنے کے لیے تیل کی مختلف اقسام کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ پرانے زمانے میں تیل کے دیے جلائے جاتے تھے۔ ہمارے ہاں عام طور پر ان میں سرسوں کا تیل جلایا جاتا تھا جسے کڑوا تیل کہا جاتا تھا۔ یہ تیل زیادہ کثیف ہونے کی وجہ سے دیا سلائی دکھانے پر بھی آگ نہیں پکڑ سکتا۔ چنانچہ اسے کپڑے یا روئی کے فٹیلے (بتی) کی مدد سے جلایا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں پٹرول بھی ایک تیل ہے جو جلنے کے لیے ہر وقت بیتاب رہتا ہے اور چھوٹی سی چنگاری بھی اگر اس کے قریب آجائے تو بھڑک اٹھتا ہے۔ جلنے کے اعتبار سے جس طرح کڑوے تیل اور پٹرول میں فرق ہے اسی نوعیت کا فرق انسانی طبائع میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اعلیٰ قسم کے زیتون سے حاصل شدہ انتہائی شفاف تیل گویا ”صدیقین“ کی فطرتِ سلیم ہے جو وحی الہی کے نور سے مستفیض ہونے اور ”نور علی نور“ کی کیفیت کو پانے کے لیے ہر وقت بے تاب و بے چین رہتی ہے۔ گویا انسانی روح ایک نورانی یا ملکوتی چیز ہے۔ اس ملکوتی روح سے جب وحی یا قرآن کے نور کا اتصال ہوتا ہے تو نور علی نور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے جس سے بندہ مومن کا دل منور ہوتا ہے۔

﴿يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ﴾ ”اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔“  
 ﴿وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ یہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے جبکہ اللہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“  
 یہ مثال لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کی گئی ہے کیونکہ انسانی ذہن ایسے لطیف حقائق کو براہِ راست نہیں سمجھ سکتا۔ اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کے کردار و عمل کی جھلک دکھائی جا رہی ہے جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں۔

**آیت ۳۶** ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ”(اُس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں (پائے جاتے ہیں) جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے“

ان گھروں سے مراد مساجد ہیں اور انہیں بلند کرنے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مساجد کی تعمیر اس انداز اور ایسی جگہوں پر کی جائے کہ وہ پوری آبادی میں بہت نمایاں اور مرکزی حیثیت کی حامل ہوں اور دوسرے یہ کہ ان کے معنوی ترفع کو یقینی بنایا جائے اور ہر قسم کی معنوی نجاست سے انہیں پاک رکھا جائے۔

﴿يَسْبَحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ ”وہ تسبیح کرتے ہیں اللہ کی ان (مساجد) میں صبح اور شام۔“



یہ صاحبِ ایمان لوگ جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی قدیلیں روشن ہیں وہ اللہ کے ان گھروں میں صبح و شام اُس کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

**آیت ۳۷** ﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ﴾ ”وہ جو ان مرد جنہیں غافل نہیں کرتی کسی قسم کی کوئی تجارت یا خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے“

﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ ”(اس سب کچھ کے باوجود بھی) وہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اُس دن کے تصور سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور نگاہیں۔“

**آیت ۳۸** ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ﴾ ”تا کہ اللہ انہیں بہترین جزا دے ان کے اعمال کی اور ان کو اپنے فضل سے مزید نوازے۔“

﴿وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”اور اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے بغیر حساب کے۔“

یہ تو تھی ایک مومن صادق کے دل اور اس کی کیفیتِ ایمان کے بارے میں تمثیل اور اس کے کردار کی ایک جھلک۔ اب اگلی دو آیات میں اُن لوگوں کے اعمال کے بارے میں دو تمثیلیں بیان کی گئی ہیں جن کے دل ایمانِ حقیقی کی روشنی سے یکسر خالی ہیں مگر وہ اپنے دل کی تسلی اور اپنے ضمیر کے اطمینان کے لیے نیکی کے مختلف کام سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ان تمثیلوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی نیکیاں اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہیں۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۷ (آیت البر) کے الفاظ اور ان الفاظ کا مفہوم ایک دفعہ اپنے ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ  
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ  
إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا  
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۸﴾

”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر، یومِ آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر۔ اور وہ مال خرچ کرے اس (مال) کی محبت کے باوجود، قرابت داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز اور ادا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب کوئی عہد کر لیں، اور صبر کرنے والے ہیں فقر و فاقہ میں، تکالیف میں اور جنگ کی حالت میں۔ یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں اور یہی حقیقت میں متقی ہیں۔“

اب ملاحظہ کیجیے ایمانِ حقیقی کے بغیر انجام دیے گئے نیک اعمال کی مثال:

**آیت ۳۹** ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۖ﴾ ”اور جو کافر ہیں ان

کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کسی چٹیل میدان میں، پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے۔“  
 ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۖ﴾ ”یہاں تک کہ وہ جب اس کے پاس آیا تو اس نے وہاں کچھ نہ پایا، البتہ اس نے اس کے پاس اللہ کو پایا، تو اس نے پورا پورا چکا دیا اسے اس کا حساب۔“

﴿وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۳۹﴾ ”اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“  
 یعنی اگر کسی شخص کا دل حقیقی ایمان سے محروم ہے تو خدمت خلق کے میدان میں اس کے کارناموں اور دوسرے نیک کاموں کی اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔ ایسی نیکیاں تو گویا سراب (دھوکہ) ہیں۔ جیسے صحرا میں ایک پیاسا شخص سراب (چمکتی ہوئی ریت) کو پانی سمجھتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے اعمال کو نیکیوں کا ڈھیر سمجھتے ہیں، لیکن روزِ حساب ان پر اچانک یہ حقیقت کھلے گی کہ ان کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت نہیں پاسکا۔ سورہ ابراہیم کی آیت ۱۸ میں ایسے لوگوں کے اعمال کو راکھ کے اس ڈھیر سے تشبیہ دی گئی ہے جو تیز آندھی کی زد میں ہو۔

اس سلسلے کی دوسری مثال ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی زندگیاں ایسی جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں اور ان کے باطن سراسر شہواتِ نفس اور دنیا پرستی کی گندگی سے بھرے پڑے ہیں:  
**آیت ۴۰** ﴿أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ﴾ ”یا بہت گہرے سمندر میں اندھیروں کی مانند اسے ڈھانپ لیتی ہو ایک موج، اس کے اوپر ہو ایک اور موج، اس کے اوپر ہوں بادل“

یعنی اندھیری رات ہے، سمندر کی گہرائی میں موج در موج کی کیفیت ہے اور اوپر فضا میں گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ گویا روشنی کی کسی ایک کرن کا بھی کہیں کوئی وجود نہیں۔

﴿ظُلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْذِبْهَا ۖ﴾ ”اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔“

مطلق تاریکی (absolute darkness) کی اس کیفیت کو اردو محاورے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ ایک فرنیچ ایڈمرل اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی ساری عمر سمندروں میں گزری تھی اور پانی کے نیچے absolute darkness کی کیفیت اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہ آیت پڑھ کر اسے بجا طور پر یہ تجسس ہوا کہ کیا محمد (ﷺ) نے بحری سفر بھی کیے تھے؟ اور جب اسے معلوم ہوا کہ آپ نے کبھی بھی کوئی بحری سفر نہیں کیا تو اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ اُن کا کلام نہیں اللہ کا کلام ہے، کیونکہ ایسی تشبیہ تو صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو سمندر میں غوطہ خوری کرتا رہا ہو اور سمندر کی گہرائی میں اندھیروں کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا چکا ہو۔



﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ﴾ اور جس کو اللہ نے ہی کوئی نور عطا نہ کیا ہو تو اس کے لیے کہیں کوئی نور نہیں ہے۔

یعنی وہ لوگ جن کی زندگیاں ملمع کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں ان کے لیے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔

## آیات ۴۱ تا ۵۷

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْخَرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَوَّطٌ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ وَيَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۖ يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ ۖ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۖ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۖ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۖ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْبَاقُونَ ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۖ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تَقْسِمُوا طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۖ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُكَفِّرَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۖ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۖ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ



الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا وُجُوْهُ النَّارِ وَلَيُسْـَٔلُنَّ الْمَصِيْرُ ۝

آیت ۲۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں“

نہ صرف آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اللہ کی تسبیح کرتی ہیں بلکہ ان دونوں (آسمان و زمین) کے مابین جو مخلوق ہے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

﴿وَالطَّيْرُ صَفَّتْ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾ ”اور پروں کو پھیلانے ہوئے پرندے بھی۔ ہر ایک نے جان لی ہے اپنی نماز اور تسبیح۔“

یہی مضمون سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۴۴ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ کہ کوئی چیز اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگوں کو ان کے طریقہ تسبیح کا شعور نہیں ہو سکتا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔“

آیت ۲۲ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَاِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

آیت ۲۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزِجُ سَحَابًا﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ ہانک کر لاتا ہے بادلوں کو“ سمندر کے بخارات سے بادل بنتے ہیں اور ہواؤں کے دوش پر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے کہیں کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

﴿ثُمَّ يُوَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا﴾ ”پھر وہ انہیں آپس میں جوڑ دیتا ہے پھر انہیں تہہ برتہ کر دیتا ہے“ جن لوگوں کو ہوائی سفر کا تجربہ ہے انہوں نے بادل کے تہہ برتہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔ ابر آلود موسم میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بادلوں کی ایک تہہ میں سے جہاز اوپر چڑھتا ہے اور اس کے بعد فضا صاف ہوتی ہے۔ پھر اوپر جا کر بادلوں کی ایک اور تہہ ہوتی ہے۔ اس طرح متعدد تہیں ہو سکتی ہیں۔

﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ﴾ ”تو تم دیکھتے ہو کہ بارش ان کے درمیان میں سے برستی ہے“ ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ مَّوَدٍّ﴾ ”اور اللہ آسمان سے — اس کے اندر کے پہاڑوں سے — اولے برساتا ہے۔“

جب زمین پر اولے پوری شدت سے برس رہے ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔

﴿فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ”تو وہ پہنچاتا ہے ان (اولوں) کو جس پر

چاہتا ہے اور ان کا رخ پھیر دیتا ہے جس سے چاہتا ہے۔“  
 جب کسی کھیتی کو کسی وجہ سے برباد کرنا مقصود تو اس پر اللہ کی مشیت سے یہ اولے برس پڑتے ہیں اور جس کھیتی کو وہ تباہ کرنا نہیں چاہتا اس کی طرف سے ان کا رخ پھیر دیتا ہے۔ بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک کھیت اولوں سے تباہ ہو گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا کھیت بالکل سلامت رہا۔  
 ﴿يَكَادُ سَنًا بَرِّقَهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝﴾ ”قریب ہے کہ اس کی بجلی کی کوند لوگوں کی نگاہوں کو اُچک لے جائے۔“

**آیت ۲۴** ﴿يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝﴾ ”اللہ ادا لدا بدلتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ یقیناً اس میں عبرت کا سامان ہے آنکھوں والوں کے لیے۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۚ﴾ ”اور اللہ نے بنایا ہے ہر جاندار کو پانی سے، تو ان میں کچھ ایسے (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔“

یہ وہ جاندار ہیں جنہیں ہم reptiles کہتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں وغیرہ نہیں ہوتیں اور وہ پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔  
 ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ ۚ﴾ ”اور ان میں کچھ وہ ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔“

خود ہم انسان بھی اسی مخلوق میں شامل ہیں۔ انسانوں کے علاوہ پرندے، بن مانس (champanzies) اور گوریلے بھی دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ کوئی اور مخلوق بھی ایسی ہو سکتی ہے جو دو ٹانگوں پر چلتی ہو۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ ۚ﴾ ”اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔“  
 زمینی حیوانات میں سے چار ٹانگوں والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

﴿يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾ ”اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آئندہ آیات میں منافقین کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورہ یونس سے لے کر سورہ المؤمنون تک چودہ سورتیں مسلسل مکیات تھیں۔ مکہ میں منافقین تو تھے نہیں لہذا ان تمام مکی سورتوں میں نہ تو نفاق کا ذکر آیا اور نہ ہی منافقین کا تذکرہ ہوا۔ ان مکی سورتوں میں گفتگو کا رخ زیادہ تر مشرکین مکہ کی طرف ہی رہا ہے۔ کہیں کہیں اہل کتاب کا ذکر بھی آیا ہے، لیکن انہیں براہ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں حضور ﷺ کو اور آپ کی وساطت سے اہل ایمان کو بھی مخاطب کیا جاتا رہا ہے۔ سورہ النور کا نزول مدنی دور کے عین وسط یعنی ۶ ہجری میں ہوا تھا اور اُس وقت مدینہ کے اندر اچھی خاصی تعداد میں منافقین موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار کا تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔

**آیت ۲۶** ﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مُبِينًا ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝﴾ ”ہم نے نازل کر دی ہیں روشن آیات۔ اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔“

**آیت ۴۷** ﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا﴾ ”اور (کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو) کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور ہم نے اطاعت قبول کی“

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾ ”پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر جاتا ہے۔“

یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا اقرار بھی کرتے ہیں، اطاعت کا دم بھی بھرتے ہیں لیکن اس کے بعد ان کا طرز عمل کچھ اور ہوتا ہے۔

﴿وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور یہ لوگ درحقیقت مومن نہیں ہیں۔“

**آیت ۴۸** ﴿وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ”اور جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ کئی کترا جاتا ہے۔“

منافقین کے اس رویے کا ذکر سورۃ النساء میں بھی آیا ہے۔ یہ لوگ فیصلوں کے لیے اپنے تنازعات رسول اللہ ﷺ کے بجائے یہودیوں کے پاس لے جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے فیصلے مبنی برانصاف ہونے کی وجہ سے عام طور پر ان کے خلاف ہی جاتے تھے۔

**آیت ۴۹** ﴿وَأَن يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ﴾ ”اور اگر حق ان کے لیے ہو تو وہ آتے ہیں رسول کی طرف بڑے اطاعت کیش بن کر۔“

اگر کسی معاملہ یا تنازعہ میں وہ حق بجانب ہوں اور انہیں یقین ہو کہ فیصلہ انہی کے حق میں ہوگا تو اس معاملے کو لے کر بڑے اطاعت شعار بنتے ہوئے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ وہ حضور ﷺ کے پاس آ جاتے ہیں۔

**آیت ۵۰** ﴿أَفَبَىٰ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ﴾ ”کیا ان کے دلوں میں روگ ہے؟ یا یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں؟ یا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ نا انصافی کریں گے؟“

﴿بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”بلکہ حقیقت میں یہی لوگ ظالم ہیں۔“

چونکہ یہ لوگ حقیقی ایمان سے محروم ہیں، اس لیے اس کھوٹ کا عکس ان کے کرداروں میں نمایاں ہے۔

**آیت ۵۱** ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ ”حقیقی مومنین کو تو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو ان کا قول بس یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا!“

کہ ہم تو فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہیں۔ آپ ﷺ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں بسر و چشم قبول ہوگا۔



﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔“

**آیت ۵۲** ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ کا خوف رکھتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔“

**آیت ۵۳** ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ﴾ ”اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، اپنی امکانی حد تک پکی قسمیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے۔“

منافقین سے جب بھی کسی قربانی کا تقاضا کیا جاتا یا جہاد کے لیے نکلنے کا مرحلہ آتا تو وہ بہانے تراشتے ہوئے قسمیں کھاتے کہ ہمیں فلاں مجبوری ہے، فلاں مسئلہ درپیش ہے، لیکن اگر آپ حکم دیں گے تو ہم بہر حال آپ کے ساتھ ضرور نکلیں گے۔ جماعتی زندگی میں یہ نمونہ آج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ امیر کی طرف سے ایک واضح حکم آجانے کے بعد بھی کچھ لوگ بہانے بناتے ہیں، اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہیں اور مجبوریاں گنوانے کے بعد یوں بھی کہتے ہیں کہ ”ویسے اگر آپ حکم دیں تو ہم حاضر ہیں!“ گویا جو پہلے حکم دیا گیا ہے وہ حکم نہیں ہے؟ امیر کی بات کو آپ حکم کیوں نہیں سمجھ رہے؟

تو کیا جہاد کے لیے ایک واضح حکم کے بعد منافقین یہ توقع رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ خوشامد کر کے اسے راضی کریں کہ اجی! آپ ضرور جہاد کے لیے تشریف لے جائیں!

﴿قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةً مَّعْرُوفَةً﴾ ”آپ ان سے کہیے کہ تم لوگ قسمیں نہ کھاؤ، بس معروف طریقے سے اطاعت اختیار کرو۔“

جب تم لوگ مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرنے اور مجھ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو باقی تمام اہل ایمان کی طرح میری اطاعت اختیار کرو۔ میری طرف سے جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اسے قبول کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

**آیت ۵۴** ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی۔“

قبل ازیں سورۃ النساء کے مطالعہ کے دوران وضاحت کی جا چکی ہے کہ منافقین پر تین امور بہت بھاری تھے۔ یعنی حضور ﷺ کی شخصی اطاعت، جہاد و قتال کے لیے نکلنا اور ہجرت۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں ان تین میں سے پہلے معاملے یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت کے بارے میں تاکید کی جا رہی ہے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ﴾ ”پھر اگر تم منہ موڑتے ہو تو سُن رکھو کہ

ہمارے نبی پر صرف وہی ذمہ داری ہے جو اُن پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی حد تک ہے اور آپ سے اسی ذمہ داری کے

سلسلے میں پوچھا جائے گا۔ اب جب آپ ﷺ نے تم لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا کر اپنی یہ ذمہ داری ادا کر دی ہے تو اس کے بعد ان احکام کی تعمیل کرنا اور اللہ کے دین کے لیے تن من دھن قربان کرنا تم لوگوں کی ذمہ داری ہے اور تم لوگ اپنی اسی ذمہ داری کے بارے میں اللہ کے ہاں مسئول ہو گے۔

ان الفاظ میں جماعتی زندگی کے نظم و ضبط کے بارے میں ایک بہت ہی اہم اور بنیادی راہنما اصول فراہم کیا گیا ہے کہ ہر کوئی اپنی اس ذمہ داری کی فکر کرے جس کے بارے میں وہ مسئول ہے۔ جماعتی زندگی میں انفرادی سطح پر اکثر شکایات پیدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ایک غزوہ کے موقع پر حضور ﷺ جب مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو بنی تمیم کے ایک شخص نے کہا: اِعْدِلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! ”اے اللہ کے رسول! آپ عدل کریں!“ گویا (نعوذ باللہ) آپ عدل نہیں کر رہے تھے۔ اس گستاخی کے جواب میں آپ ﷺ نے غصے میں فرمایا: ((وَيْلَكَ وَمَنْ يْعْدِلُ إِذَا لَمْ يَأْمُرْ)) (۱) ”تم برباد ہو جاؤ“ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟“ اسی طرح جماعتی زندگی کے معاملات میں کسی شخص کو بھی اپنے امیر سے شکایت ہو سکتی ہے کہ امیر نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ایسی صورت میں اس آیت میں دیے گئے اصول کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی جو ذمہ داری ہے اس کے بارے میں وہ اللہ کے ہاں جوابدہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری میں کمی یا کوتاہی کرے گا یا کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو اللہ کے ہاں ہر کسی کا ٹھیک ٹھیک حساب ہو جائے گا۔ چنانچہ جماعت کے اندر ایک شخص کو کسی شکایت کی صورت میں ناراض ہو کر بیٹھ رہنے کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ میں اپنی ذمہ داری کی فکر کروں جس کا مجھ سے حساب لیا جانا ہے۔ جہاں تک امیر کی زیادتی کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں وہ خود ہی اللہ کے ہاں جوابدہ ہوگا۔ اسے یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے ہاں ہر کسی کے ساتھ زیادتی کی تلافی بھی کر دی جائے گی۔ اس سورت کی آخری آیات میں جماعتی زندگی سے متعلق بہت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ ان آیات پر مشتمل ایک اہم درس ہمارے ”مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب ۲“ میں شامل ہے۔ ”منتخب نصاب ۲“ کے موضوعات جماعتی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل سے ہی متعلق ہیں۔ ظاہر ہے اقامت دین کا کام انفرادی طور پر تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے لیے ایک جماعت یا تنظیم کی تشکیل تو بہر حال ناگزیر ہے۔ قرآن نے ایسی جماعت کو ”حزب اللہ“ کا نام دیا ہے اور اس کی کامیابی کی ضمانت بھی دی ہے: ﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (المائدة)۔ حدیث میں بھی اس بارے میں يَدْ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ (۲) کی خوشخبری دی گئی ہے کہ جماعت کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ یعنی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہے۔

جیسے اقامت دین کے لیے جماعت کا قیام ناگزیر ہے اسی طرح جماعت کے لیے نظم اور ڈسپلن بھی ضروری ہے اور ڈسپلن کے لیے قواعد و ضوابط کی پابندی بھی لازمی ہے۔ پھر جماعت کے اندر پیدا ہونے والے مسائل کے تدارک اور حل کے لیے کچھ تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان سب امور سے متعلق راہنمائی کے لیے اگر ہم قرآن سے رجوع کریں تو مختلف مقامات پر ہمیں بڑی عمدہ راہنمائی ملتی ہے۔ ایسے ہی مقامات سے

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد کتب اور ابواب میں نقل ہوئی ہے۔

(۲) سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب من فارق الجماعة.....

آیات کا انتخاب کر کے منتخب نصاب (۲) مرتب کیا گیا ہے۔☆

﴿وَأَنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ﴾ اور اگر تم ان کی اطاعت پر کار بند ہو گے تو تبھی تم ہدایت یافتہ ہو گے۔ اور (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے۔“

اگلی آیت کو ”آیت استخلاف“ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ایک طویل آیت ہے اور قرآن کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔

**آیت ۵۵** ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں“

یہ وعدہ محض موروٹی اور نام کے مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، جو اللہ کے احکام کی کلی تعمیل کو اپنا شعار بنانے اور اس کے راستے میں جان و مال کی قربانی دینے کے لیے سنجیدہ نہ ہوں، بلکہ یہ وعدہ تو ان مومنین صادقین کے لیے ہے جو ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کریں۔ یعنی جو ایمان حقیقی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے ہوں۔

﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا جیسے اُس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی۔“

یعنی اے اُمّتِ محمد! اگر تم لوگ ایمان حقیقی اور اعمال صالحہ کی دو شرائط پوری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں اسی طرح غلبہ اور اقتدار عطا کرے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو خلافت عطا کی تھی یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کو مگابی سلطنت کی صورت میں اقتدار عطا کیا تھا۔ اس آیت میں خلافت کے وعدے کو تین مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اول تو یہ تاکید ہے کہ اللہ لازماً مسلمانوں کو بھی خلافت عطا فرمائے گا جیسے اس نے سابقہ امت کے اہل ایمان کو خلافت عطا کی تھی۔ پھر فرمایا:

﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ﴾ ”اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو اُن کے لیے اُس نے پسند کیا ہے“

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کو لازماً غالب کرے گا۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں مسلمانوں کی خلافت ہوگی وہاں لازماً اللہ کے دین کا غلبہ ہوگا اور اگر کسی حکومت میں اللہ کا دین غالب ہوگا تو وہ لازماً مسلمانوں ہی کی خلافت ہوگی۔ گویا بنیادی طور پر تو یہ ایک ہی بات ہے، لیکن صرف خلافت کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے پہلی بات کو یہاں دوسرے انداز میں دہرایا گیا ہے۔ البتہ یہاں اس دین کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو اللہ نے

☆ محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف ”حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق“ منتخب نصاب (۲) کے دروس پر ہی مشتمل ہے۔ (مرتب)



مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۳ میں باقاعدہ نام لے کر بتایا گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کی تکمیل فرمادی ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمادیا ہے اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے“۔ بہر حال دوسری بات یہاں یہ بتائی گئی کہ خلافت ملے گی تو اس کے نتیجے کے طور پر اللہ کا دین لازماً غالب ہوگا۔ اور تیسری بات:

﴿وَلَيَبْذِلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ ”اور وہ ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کے بعد اس کو

لازماً امن سے بدل دے گا۔“

یہ اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے جو ہجرت کے فوراً بعد کے زمانے میں مسلمانوں پر طاری تھی۔ اس زمانے میں مدینہ کے اندر مسلسل ایمر جنسی کی سی حالت تھی۔ فلاں قبیلے کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے! فلاں قبیلہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے! کل قریش مکہ کی طرف سے ایک خوفناک سازش کی خبر پہنچی تھی! آج ابو عامر راہب کے ایک شیطانی منصوبے کی اطلاع آن پہنچی ہے! غرض ہجرت کے بعد پانچ سال تک مسلمان مسلسل ایک خوف کی کیفیت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے۔ اس صورت حال میں انہیں خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اب خوف کی وہ کیفیت امن سے بدلنے والی ہے۔

تینوں وعدوں کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہاں بار بار حروف تاکید استعمال ہوئے ہیں۔ تینوں افعال میں مضارع سے پہلے لام مفتوح اور بعد میں ”ن“ مشدود آیا ہے گویا تینوں وعدے نہایت تاکید و وعدے ہیں۔

﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾ ”وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو

شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

میرے نزدیک یہ حکم مستقبل سے متعلق ہے۔ یعنی جب میرا دین غالب آجائے گا تو پھر مسلمان خالص میری بندگی کریں گے اور کسی قسم کا شرک گوارا نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی حکومت قائم نہیں ہوگی تو معاشرہ شرک سے کُل طور پر پاک نہیں ہو سکے گا۔ جیسے ہم پاکستان کے مسلمان شہری آج قومی اور اجتماعی اعتبار سے کفر و شرک کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج اگر ہم سب انفرادی طور پر اپنے ذاتی عقائد بالکل درست بھی کر لیں اور اپنے آپ کو تمام مشرکانہ اوہام سے پاک کر کے عقیدہ توحید کو راسخ بھی کر لیں تو بھی ہم خود کو شرک سے کُل طور پر پاک کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ یعنی جب تک ملک میں اللہ کا قانون نافذ اور اللہ کا دین عملی طور پر غالب نہیں ہو جاتا اور جب تک ملک میں دوسرے قوانین کے بجائے اللہ کے قانون کی بالادستی قائم نہیں ہو جاتی اُس وقت تک اس ملک کے شہری ہونے کے اعتبار سے ہم کفر اور شرک کی اجتماعیت میں برابر کے شریک رہیں گے۔ چنانچہ کسی ملک یا علاقے میں عملاً توحید کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب اللہ کے فرمان کے مطابق دین کُل کا کُل اللہ کے لیے ہو جائے گا: ﴿وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الانفال: ۳۹)۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ”اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے

لوگ ہی فاسق ہیں۔“

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ دین کے غلبے کے ماحول میں بھی جو شخص کفر کرے گا تو اس کے اندر گویا خیر کا مادہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ باطل کے غلبے میں کسی شخص کا ایمان لانا اس پر قائم رہنا اور اس کے مطابق عمل کرنا انتہائی مشکل ہے، لیکن جب دین غالب ہو جائے اور ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں تو اس کے بعد صرف وہی شخص دین سے دور رہے گا جس کی فطرت ہی بنیادی طور پر مسخ ہو چکی ہے۔

ان دو مفاہیم کے علاوہ میرے نزدیک اس فقرے کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے اور اس مفہوم کے مطابق ”بَعْدَ ذَلِكَ“ کے الفاظ کا تعلق مذکورہ تین وعدوں سے ہے کہ جب اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ لازماً تمہیں خلافت سے نوازے گا، وہ لازماً تمہارے دین کو غالب کرے گا اور وہ لازماً تمہارے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا تو اس کے بعد بھی جو شخص کمر ہمت نہ باندھے اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اٹھ کھڑا نہ ہو تو اسے گویا ہمارے وعدوں پر یقین نہیں اور وہ عملی طور پر ہمارے ان احکام سے کفر کا مرتکب ہو رہا ہے!

یہ آیت ۶ ہجری میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کے فوراً بعد ہی اس کے مصداق کا ظہور شروع ہو گیا۔ ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ طے پا گئی جسے خود اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے ”فتح مبین“ قرار دیا: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝۱﴾ (الفتح)۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ۷ ہجری میں ہی خیبر فتح ہوا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کثرت سے مال غنیمت عطا کیا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا۔ ۹ ہجری کو حج کے موقع پر mopping up operation کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے مطابق آئندہ کے لیے مسجد حرام کے اندر مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کے تمام مشرکین کو میعادِ معاہدوں کی صورت میں اختتامِ معاہدہ تک اور عمومی طور پر چارہ ماہ کی مہلت دے دی گئی اور اس کے ساتھ ہی واضح حکم دے دیا گیا کہ اس مدتِ مہلت میں اگر وہ اسلام قبول نہیں کریں گے تو سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے۔ یوں ۱۰ ہجری تک جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین غالب ہو گیا، اللہ کی حکومت قائم ہو گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح محمد رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے خلیفہ بن گئے۔

حضور ﷺ کے بعد خلافت راشدہ قائم ہوئی اور پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ حالات میں بگاڑ آنا شروع ہو گیا جو مسلسل جاری ہے۔ سورۃ الانبیاء کے آخری رکوع کے مطالعہ کے دوران میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی تھی جس میں امت مسلمہ کے قیامت تک کے حالات کی واضح تفصیل ملتی ہے۔ زیر مطالعہ آیت کے مضمون کے سیاق و سباق میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بہت اہم ہے لہذا ہم اس کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((تَكُونُ النَّبُوءَةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونُ)) ”تمہارے درمیان نبوت موجود رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے۔“ یعنی جب تک اللہ چاہے گا میں بنفس نفیس تمہارے درمیان موجود رہوں گا۔ ((ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا)) ”پھر اللہ اس کو اٹھالے گا جب اسے اٹھانا چاہے گا۔“ یعنی جب اللہ چاہے گا میرا انتقال ہو جائے گا اور یوں یہ دور ختم ہو جائے گا۔ ((ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوءَةِ)) ”پھر خلافت ہوگی نبوت کے نقش قدم پر۔“ یعنی میرے قائم کردہ نظام کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوة کے ذریعے یہ نظام ایک بال کے فرق کے بغیر جوں کا توں قائم رہے گا۔ ((فَتَكُونُ مَا

شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونُ)) ”پھر یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ رہے۔ ((ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا)) ”پھر اس دور کو بھی اللہ اٹھالے گا جب اٹھانا چاہے گا۔ ((ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاصًا)) ”پھر کاٹ کھانے والی ظالم ملوکیت ہوگی۔ ((فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونُ)) ”پس یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ ((ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا)) ”پھر اس کو بھی اللہ اٹھالے گا جب اٹھانا چاہے گا۔ ((ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً)) ”پھر غلامی کی ملوکیت کا دور آئے گا۔ یہ چوتھا دور ہمارا دور ہے۔ تیسرے دور کی ملوکیت میں سب کے سب حکمران (بنو امیہ بنو عباس اور ترک بادشاہ) مسلمان تھے۔ ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی مگر سب کلمہ گو تھے جبکہ چوتھے دور کی ملوکیت میں مختلف مسلمان ممالک غیر مسلموں کے غلام ہو گئے۔ کہیں مسلمان تاج برطانیہ کی رعایا بن گئے، کہیں ولندیزیوں کے تسلط میں آ گئے اور کہیں فرانسیسیوں کے غلام بن گئے۔ اس طرح پورا عالم اسلام غیر مسلموں کے زیر تسلط آ گیا۔

اکیسویں صدی کا موجودہ دور عالم اسلام کے لیے ”مُلْكًا جَبْرِيًّا“ کا ہی تسلسل ہے۔ اگرچہ مسلم ممالک پر سے غیر ملکی قبضہ بظاہر ختم ہو چکا ہے اور ان ممالک پر قابض اقوام کی براہ راست حکومتوں کی بساط لپیٹ دی گئی ہے لیکن عملی طور پر یہ تمام ممالک اب بھی ان کے قبضے میں ہیں۔ استعماری قوتیں آج بھی ریموٹ کنٹرول اقتدار کے ذریعے ان ممالک کے معاملات سنبھالے ہوئے ہیں۔ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور دوسرے بہت سے ادارے ان کے مہروں کے طور پر کام کر رہے ہیں اور یوں وہ اپنے مالیاتی استعمار کو اب بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چوتھا دور بھی ختم ہو جائے گا: ((ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا)) ”پھر اللہ اسے بھی اٹھالے گا جب اٹھانا چاہے گا۔ اور پھر اُمت کو ایک بہت بڑی خوشخبری دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ((ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوَّةِ)) ”اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوة کا دور آئے گا۔ یہ خوشخبری سنانے کے بعد راوی کہتے ہیں: ثُمَّ سَكَتَ ”پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ شاید اس لیے خاموش ہو گئے کہ اس کے بعد دنیا کے خاتمے کا معاملہ تھا۔

اس کے علاوہ ہم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی پڑھ آئے ہیں جس میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوة کا نظام تمام روئے ارضی کے لیے ہوگا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ زَوَىٰ لِي الْأَرْضَ)) ”اللہ نے میرے لیے تمام زمین کو لپیٹ دیا۔“ ((فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا)) ”تو میں نے اس کے سارے مشرق اور مغرب دیکھ لیے۔“ ((وَأَنَّ أُمَّتِي سَيَلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَىٰ لِي مِنْهَا)) ”اور میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہوگی جو مجھے دکھائے گئے۔“

اسی طرح ہم نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا مطالعہ بھی کیا تھا جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”روئے ارضی پر کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر اور کوئی کبلوں کا بنا ہوا خیمہ ایسا نہیں رہے گا جس میں دین اسلام داخل نہ ہو جائے“ خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں۔ یعنی یا تو اس گھر والا اسلام قبول کر کے اعزاز حاصل کر لے گا یا پھر اسے ذلت کے ساتھ اسلام کی بالادستی



قبول کرنا پڑے گی۔ دین کے غلبے کی صورت میں غیر مسلم رعایا کے لیے یہ وہ اصول ہے جو سورۃ التوبہ میں اس طرح بیان ہوا: ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ یعنی وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

آنے والے اس دور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان فرمودات کے ساتھ ساتھ اس معاملے کو منطقی طور پر یوں بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں تین مقامات (التوبہ: ۳۳، الفتح: ۲۸ اور الصف: ۹) پر واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا گیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ”وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق دے کرتا کہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظام زندگی) پر“۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں پانچ مرتبہ حضور ﷺ کی بعثت کے بارے میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ آپ کو پوری نوع انسانی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس مضمون میں سورۃ سبا کی یہ آیت بہت واضح اور نمایاں ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”ہم نے آپ کو پوری نوع انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگوں کا اس کا ادراک نہیں ہے“۔ سورۃ الانبیاء میں یہی مضمون ایک نئی شان سے اس طرح آیا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے“۔ ان دونوں آیات کا مشترک مفہوم یہی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد تب پورا ہوگا جب پورے عالم انسانیت پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔ چنانچہ قیامت سے پہلے تمام روئے ارضی پر دین حق کا غلبہ ایک طے شدہ امر ہے۔

**آیت ۵۶** ﴿وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

یہاں روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کی شخصی اطاعت والا معاملہ ان پر بہت شاق گزرتا تھا اور ایسے ہر حکم پر وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ آپ قرآنی آیات کے نزول کے بغیر ہی اپنی اطاعت کے بارے میں احکام جاری کرتے رہتے ہیں!

**آیت ۵۷** ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”ان کافروں کی نسبت یہ گمان نہ کرو کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کر دیں گے۔“

ان کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ یہ زمین میں اللہ کے قابو سے باہر نکل جائیں گے۔

﴿وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ ”اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

## آیات ۵۸ تا ۶۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمُ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ

صَلَاةَ الْعِشَاءِ ۖ تِلْكَ عَوْرَتٌ لَّكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ۖ طَوُّقُونَ  
 عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ  
 الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
 لَكُمْ آيَاتِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ  
 عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَغْفِنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۖ  
 وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ  
 حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ  
 إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ  
 خَلَتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقَكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ  
 أَشْتَاتًا ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةً طَيِّبَةً ۖ  
 كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ع

اب سورت کے آخر میں معاشرتی و سماجی معاملات کے بارے میں دوبارہ کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔  
 مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کی مثال ایک ایسے خوبصورت ہار کی سی ہے جس کے درمیان میں  
 ایک بہت بڑا ہیرا ہے اور اس کے دونوں اطراف میں موتی جڑے ہوئے ہیں۔ سورت کا پانچواں رکوع (جو اس  
 کا وسطی رکوع ہے) اس طرح شروع ہوتا ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا  
 مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ﴾۔ یہ اس سورت کی آیت ۳۵ ہے جو سورت کے تقریباً وسط میں کوہ نور ہیرے  
 کی مانند ہے اور اس کے دونوں اطراف میں معاشرتی و سماجی احکام موتیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں  
 سے کچھ احکام پہلے چار رکوعات میں ہیں اور کچھ آخری چار رکوعات میں۔

**آیت ۵۸** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! چاہیے کہ تم  
 سے اجازت لیا کریں تمہارے غلام اور لونڈیاں“

﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ تِلْكَ مَرْثٌ ۖ﴾ ”اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغت کی عمر  
 کو نہیں پہنچے تین اوقات میں۔“

دن رات میں تین اوقات تمہاری خلوت (privacy) کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں تمہارے غلام  
 باندیاں اور بچے بھی بلا اجازت تمہاری خلوت میں نخل نہ ہوں۔ ان اوقات کی تفصیل یہ ہے:

﴿مَنْ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ﴾ ”فجر کی نماز سے پہلے اور جب  
 تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت“

﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ﴾ ”اور عشاء کی نماز کے بعد۔“

﴿تِلْكَ عَوْرَاتُ لَكُمْ﴾ ”یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔“

یعنی یہ تمہاری خلوت (privacy) کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں تمہارے خادموں اور تمہارے بچوں کا اچانک تمہارے پاس آ جانا مناسب نہیں، لہذا انہیں یہ ہدایت کر دی جائے کہ وہ ان اوقات میں تمہاری خلوت کی جگہ آنے لگیں تو پہلے اجازت لے لیا کریں۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ﴾ ”ان اوقات کے بعد (وہ بلا اجازت آئیں تو) تم پر اور ان پر کوئی حرج نہیں۔“

یعنی ان اوقات کے علاوہ تمہارے غلام، باندیاں یا بچے اگر تمہارے پاس بغیر اجازت آئیں جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿طَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ ”تم ایک دوسرے کے پاس پھرتے پھراتے ہی رہتے ہو۔“

یعنی گھر کے اندر ادھر ادھر مختلف کاموں کے لیے مختلف افراد کو وقتاً فوقتاً آنا جانا ہوتا ہے۔ اس طرح کی آمد و رفت پر ان خاص اوقات کے علاوہ کوئی پابندی نہیں ہے۔

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”اسی طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات۔ اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے۔“

**آیت ۵۹** ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”اور جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں۔“

گھروں میں داخلے کے آداب کے سلسلے میں ایک عمومی حکم اس سے پہلے (اسی سورۃ کی آیت ۲۷ میں) نازل ہو چکا ہے۔ تمہارے بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ بھی اس حکم کی تعمیل کریں۔

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے۔“

**آیت ۶۰** ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا﴾ ”اور (گھروں میں) بیٹھ رہنے والی عورتیں جو اب نکاح کی امیدوار نہ ہوں“

جن عورتوں کی نکاح کرنے کی عمر نہ رہی ہو اور وہ عمر ہو چکی ہوں۔

﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ ”تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنے (اضافی) کپڑے اتار دیا کریں“



یعنی ایسی عورتوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بڑی چادر ہی اوڑھ کر گھر سے باہر نکلیں۔ اسی طرح گھر کے اندر بیٹھے ہوئے ان پر جوان عورتوں کی طرح ہر وقت دوپٹے اوڑھے رکھنے کی پابندی نہیں ہے۔

﴿غَيْرَ مُتَّبِعَةٍ بِزِينَةٍ﴾ ”بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔“

اپنی چادریں اتار کر رکھ دینے سے ان کی نیت دوسروں پر اپنی زینت ظاہر کرنے کی نہ ہو اور نہ وہ بظاہر ایسا کریں۔  
﴿وَأَنْ يَسْتَغْفِرَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اگر وہ اس معاملے میں احتیاط ہی کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“

ان کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے انہیں جو رعایت دی جا رہی ہے اگر وہ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں اور اپنے کپڑوں کے بارے میں حتی الوسع احتیاط ہی کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے کیونکہ شیطان تو ہر وقت انسان کی تاک میں رہتا ہے۔ کیا خبر کس وقت وہ کوئی فتنہ کھڑا کر دے۔

**آیت ۶۱** ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ﴾ ”کسی اندھے پر کوئی تنگی نہیں“

یہاں پر اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر کسی خاندان، گھریا برادری میں کوئی معذور شخص ہو جو معذوری کے سبب اپنی آزاد معاش کا اہل نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے شریعت کی ان پابندیوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر وہ تمہارے گھروں میں رہیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔

﴿وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ﴾ ”اور نہ کسی لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ کسی مریض پر کوئی تنگی ہے اور نہ خود تمہارے اپنے اوپر (اس ضمن میں) کوئی تنگی ہے“

﴿أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ﴾ ”کہ تم کھانا کھایا کرو اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے“

﴿أَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقَكُمْ﴾ ”یا (ایسے گھروں سے) جن کی چابیاں تمہارے پاس ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔“

جیسے کوئی کارخانہ ہو اور اس کے مالک کے پاس اس کی چابیاں ہوں وہ جب چاہے وہاں جائے اور بیٹھ کر کھائے پئے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾ ”تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔“

بعض لوگوں نے ان الفاظ سے خواہ مخواہ یہ مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے کہ یہاں مردوں اور عورتوں کو اکٹھے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ دراصل یہ مجلسی احکام ہیں اور خصوصی طور پر اس حکم میں ایسی صورت حال مراد ہے جس میں کچھ لوگ کھانے کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں جبکہ بعض دوسرے لوگ ابھی نہیں پہنچتے اور پہلے آنے والوں کو اس سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں اجازت دی گئی ہے کہ جیسے سہولت ہو ویسے کھاپی لیا جائے، سب کا اکٹھے کھانا ہی ضروری نہیں ہے۔ الگ الگ گروہوں میں بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے اور الگ الگ افراد بھی کھا سکتے ہیں۔ اس میں خواہ مخواہ تکلف یا تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ ان مجلسی احکام سے ایسا مفہوم نکالنے کی کوشش کرنا سراسر زیادتی ہے کہ یہاں ستر و حجاب کے احکام بھی نعوذ باللہ معطل کر دیے گئے ہیں اور کھانے پینے کی مخلوط پارٹیوں کی اجازت دے دی گئی ہے۔ معاذ اللہ!

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾ ”تو جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے (لوگوں) پر سلام بھیجا کرو“

یعنی جس گھر میں تم بطور مہمان جا رہے ہو اس میں موجود لوگ تمہارے اپنے ہی لوگ ہیں، وہ تمہارے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ تم اپنے ان لوگوں کو ضرور ”السلام علیکم“ کہا کرو۔ خود اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو ”السلام علیکم“ کہا کرو۔

﴿تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَرَكَاةٌ طَيِّبَةٌ﴾ ”یہ دعا ہے اللہ کی طرف سے مبارک بھی اور پاک بھی“ ”السلام علیکم“ ایک ایسی بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے جو ایسے مواقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو خصوصی طور پر سکھائی ہے۔

﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو۔“

## آیات ۶۲ تا ۶۴

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا أَسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَنْ لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمُ اللَّوَاذِيَ ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ ۚ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۚ وَيَوْمَ يُدْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِأَعْمَلِهِمْ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

آخری رکوع جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے، اس میں خالص جماعتی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔  
**آیت ۶۲** ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”مومن تو صرف وہی ہیں جو ایمان لائے  
 اللہ پر اور اس کے رسول پر“

﴿وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ﴾ ”اور جب وہ کسی اجتماعی کام  
 کے ضمن میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہاں سے جاتے نہیں جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لیں۔“  
 نبی مکرم ﷺ کے بعد یہی حکم آپ کے جانشینوں اور اسلامی نظم جماعت کے امراء کے لیے ہے۔ اس حکم  
 کے تحت کسی جماعت کے تمام ارکان کو ایک نظم (discipline) کا پابند کر دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نظم و ضبط اس  
 جماعت کے اندر نہیں ہوگا تو کسی کام یا مہم پر جاتے ہوئے کوئی شخص ادھر کھسک جائے گا، کوئی ادھر چلا جائے گا۔ ایسی  
 صورت حال میں کوئی بھی اجتماعی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ اس حکم کے تحت لازمی قرار دے دیا گیا کہ کسی  
 مجبوری یا عذر وغیرہ کی صورت میں اگر کوئی رخصت چاہتا ہو تو موقع پر موجود امیر سے باقاعدہ اجازت لے کر جائے۔  
 ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”یقیناً جو لوگ آپ سے  
 اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر۔“

﴿فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنُ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ ”پھر جب وہ آپ سے اجازت  
 مانگیں اپنے کسی عذر کی وجہ سے تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیجیے“  
 رخصت دینے کا اختیار تو آپ ہی کے پاس ہے۔ یعنی اسلامی نظم جماعت کے لیے یہ اصول دے دیا گیا کہ  
 اجتماعی معاملات میں رخصت دینے کا اختیار امیر کے پاس ہے۔ چنانچہ امیر یا کمانڈر اپنے مشن کی ضرورت اور  
 درپیش صورت حال کو دیکھتے ہوئے اگر مناسب سمجھے تو رخصت مانگنے والے کو اجازت دے دے اور اگر مناسب نہ  
 سمجھے تو اجازت نہ دے۔ چنانچہ کوئی بھی ماتحت یا مامور شخص اجازت مانگنے کے بعد رخصت کو اپنا لازمی استحقاق نہ سمجھے۔  
 ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ﴾ ”اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے۔“

اس لیے کہ وہ اجتماعی کام جس کے لیے حضور ﷺ اہل ایمان کی جماعت کو ساتھ لے کر نکلے ہیں، آپ کا  
 ذاتی کام نہیں بلکہ دین کا کام ہے۔ اب اگر اس دین کے کام سے کوئی شخص رخصت طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب  
 یہ ہے کہ اس نے اپنے ذاتی کام کو دین کے کام پر ترجیح دی ہے اور ذاتی کام کے مقابلے میں دین کے کام کو کم اہم  
 سمجھا ہے۔ بظاہر یہ ایک بہت سنجیدہ معاملہ اور نازک صورت حال ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے  
 لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

یہاں یہ نکتہ نوٹ کیجیے کہ یہی مضمون سورۃ التوبہ میں بھی آیا ہے، لیکن وہاں اس کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔  
 اس فرق کو یوں سمجھئے کہ سورۃ النور ۶ ہجری میں نازل ہوئی تھی جبکہ سورۃ التوبہ ۹ ہجری میں۔ اسلامی تحریک لمحہ بہ لمحہ  
 اپنے ہدف کی طرف آگے بڑھ رہی تھی۔ حالات بتدریج تبدیل ہو رہے تھے اور حالات کے بدلنے سے تقاضے



بھی بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہاں (۶ ہجری) فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ آپ سے باقاعدہ اجازت طلب کرتے ہیں وہ واقعی ایمان والے ہیں جبکہ تین سال بعد سورۃ التوبہ میں غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا گیا کہ جو ایمان رکھتے ہیں وہ اجازت لیتے ہی نہیں۔ دراصل وہ امیر جنسی کا موقع تھا اور اس موقع پر غزوہ تبوک کے لیے نکلنا ہر مسلمان کے لیے لازم کر دیا گیا تھا۔ ایسے موقع پر کسی شخص کا رخصت طلب کرنا ہی اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص منافق ہے۔ چنانچہ وہاں (سورۃ التوبہ میں) رخصت دینے سے منع فرمایا گیا: ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنَتْ لَهُمْ﴾ (آیت ۴۳) ”اللہ آپ کو معاف فرمائے (یا اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا) آپ نے ایسے لوگوں کو کیوں اجازت دے دی؟“ اگر آپ اجازت نہ بھی دیتے تو یہ لوگ پھر بھی نہ جاتے لیکن اس سے ان کے نفاق کا پردہ تو چاک ہو جاتا! اس کے برعکس یہاں حضور ﷺ کو اختیار دیا جا رہا ہے کہ آپ جسے چاہیں رخصت دے دیں۔

اس مضمون کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھیں تو ایسے مواقع پر کسی اسلامی جماعت کے افراد کے درمیان ہمیں تین سطحوں پر درجہ بندی ہوتی نظر آتی ہے۔ پہلا درجہ ان ارکان کا ہے جو اپنے آپ کو دین کے کام کے لیے ہمہ تن وقف کر چکے ہیں۔ ان کے لیے دنیا کا کوئی کام اس کام سے زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہے۔ لہذا ان کے رخصت لینے کا کوئی موقع محل ہے ہی نہیں۔ اس سے نچلا درجہ ان ارکان کا ہے جو ایسے مواقع پر کسی ذاتی مجبوری اور ضرورت کے تحت باقاعدہ اجازت لے کر رخصت لیتے ہیں جبکہ اس سے نچلے درجے پر وہ لوگ ہیں جو اجازت کے بغیر ہی کھسک جاتے ہیں۔ گویا ان کا دین کے اس کام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس درجہ بندی میں اوپر والے زینے کے اعتبار سے اگرچہ درمیان والا زینہ کم تر درجے میں ہے لیکن نچلے زینے کے مقابلے میں بہر حال وہ بھی بہتر ہے۔ یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ اسلامی جماعتوں کے اجتماعات کے موقع پر بعض رفقاء نہ تو اجتماع میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنے نظم سے رخصت لیتے ہیں۔ نہ وہ پہلے بتاتے ہیں نہ ہی بعد میں معذرت کرتے ہیں۔ گویا انہیں کوئی احساس ہی نہیں، نہ نظم کی پابندی کا اور نہ اپنی ذمہ داری کا۔ ان سے وہ رفقاء یقیناً بہتر ہیں جو اپنا عذر پیش کر کے اپنے امیر سے باقاعدہ رخصت لیتے ہیں۔ لیکن ان سب درجات میں سب سے اونچا درجہ بہر حال یہی ہے کہ دین کے کام کے مقابلے میں دنیا کے کسی کام کو ترجیح نہ دی جائے۔ اس درجے پر فائز لوگوں کے ذاتی کام اللہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کو پس پشت ڈال کر اللہ کے کام کے لیے نکلتے ہیں تو ان کے کاموں کو اللہ خود سنوارتا ہے۔

**آیت ۶۳ ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾** ”تم لوگ رسول کے

بلانے کو ایسے نہ سمجھو جیسے تمہارا آپس میں ایک دوسرے کو بلانا۔“

یعنی رسول اللہ ﷺ کا بلاوا غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے بلانے پر تم نہ جاؤ تو کوئی بڑی بات نہیں، لیکن رسول کے بلانے پر تم لیک نہ کہو تو اپنے ایمان کی خیر مناد۔ اب ایک بلانا یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو اس کے کسی دوست نے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کجا اور ایک عام آدمی کی دعوت کجا! — لیکن ایک بلانا اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے بلانا ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو بلارہے ہیں کہ آؤ اللہ کی

راہ میں میرے ساتھ چلو اور دوسری طرف کوئی عام شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی مدد کے لیے بلا رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے بلانے اور ایک عام آدمی کے بلانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

”دُعَاءَ الرَّسُولِ“ کا ایک مفہوم ”رسول کو پکارنا“ بھی ہے۔ یعنی جیسے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہو رسول اللہ ﷺ کو تم ایسے مخاطب نہیں کر سکتے۔ آپ کے ادب اور احترام کے بارے میں سورۃ الحجرات میں بہت واضح ہدایات دی گئی ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (۲) ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ آپ سے اونچی آواز میں بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے سارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے“۔ سورۃ الحجرات کے مطالعہ کے دوران اس بارے میں مزید تفصیل سے بات ہوگی۔

﴿قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا﴾ ”اللہ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو ایک دوسرے کی اوٹ لے کر کھسک جاتے ہیں۔“

یہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن کی نیت میں پہلے سے ہی فتور ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ یوں ہوتا ہے کہ جب لوگ کسی مہم کے لیے نکلے تو یہ بھی نکل پڑے۔ پھر جب دیکھا کہ ان کا نام جانے والوں میں شامل ہو چکا ہے تو اس کے بعد آنکھ بچا کر چپکے سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک گئے۔ یا اس کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی اجتماع میں شریک ہوئے وہاں اچانک کسی مہم کے لیے کچھ رضا کاروں کی ضرورت پڑ گئی تو اب اس سے پہلے کہ رضا کاروں کے نام پوچھنے کا مرحلہ آتا یہ آنکھ بچا کر وہاں سے کھسک گئے۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرٍ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”تو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو کوئی دردناک عذاب آ پکڑے۔“

**آیت ۶۲** ﴿إِنَّا لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم جس حال پر ہو۔“

اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم ایمان و یقین کے حوالے سے کس مقام پر کھڑے ہو۔ وہ تمہارے ایمان کی کیفیت، نیت کے اخلاص اور عمل کی تڑپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا﴾ ”اور جس دن یہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف تو وہ انہیں بتلا دے گا جو کچھ بھی عمل انہوں نے کیے ہوں گے۔“

﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۝۰





# سُورَةُ الْفُرْقَانِ

## تمہیدی کلمات

سورة النور کے اختتام کے ساتھ ہی مکی مدنی سورتوں کا تیسرا گروپ ختم ہوا۔ یہ گروپ چودہ مکی (سورة یونس سے لے کر سورة المؤمنون تک) اور ایک مدنی سورت (سورة النور) پر مشتمل تھا۔ اب سورة الفرقان سے مکی مدنی سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورة الفرقان تا سورة السجدة آٹھ مکی سورتیں ہیں جبکہ آخر میں ایک مدنی سورت (سورة الاحزاب) ہے۔ گویا ان دونوں گروپس کی ترتیب میں یہ خوبصورت مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان دونوں کے آخر میں ایک ایک مدنی سورت ہے یعنی سورة النور اور سورة الاحزاب۔ معنوی اعتبار سے ان دونوں مدنی سورتوں کا آپس میں جوڑے کا تعلق بھی ہے۔

سورة الفرقان سے شروع ہونے والا یہ گروپ مکی مدنی سورتوں کی تقسیم کے حوالے سے چوتھا جبکہ صرف مکی سورتوں کے اعتبار سے تیسرا گروپ ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ پہلے گروپ میں صرف سورة الفاتحہ مکی سورت ہے جو اصولی طور پر مکی اور مدنی تقسیم سے بالا ہے۔ اس طرح مکی سورتوں کا پہلا گروپ گویا سورة الانعام سے شروع ہوتا ہے اور اس گروپ میں صرف دو مکی سورتیں ہیں یعنی سورة الانعام اور سورة الاعراف۔ دوسرا گروپ سورة یونس سے لے کر سورة المؤمنون تک چودہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے جبکہ سورة الفرقان سے شروع ہونے والے اس تیسرے گروپ میں سورة السجدة تک آٹھ مکی سورتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی سورت یعنی سورة الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ سورة الشعراء اور سورة القصص کا آغاز طسّم سے ہوتا ہے جبکہ ان کے درمیان میں سورة النمل ہے جو طس سے شروع ہوتی ہے۔ باقی چاروں سورتیں (سورة العنکبوت، سورة الروم، سورة لقمان اور سورة السجدة) الّٰم سے شروع ہوتی ہیں۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ سورة الفرقان سے شروع ہونے والی مکی سورتیں اگرچہ مختلف گروپس میں تقسیم ہیں لیکن ان سب کا مرکزی مضمون توحید ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۹

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانِ عَلٰی عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ الَّذِیْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَمْ يَتَّخِذُ وَلَدًا وَكَمْ یَكُنْ لَهُ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِیْرًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہِ الْہِیَۡةَ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَہُمْ یُحْكَمُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ

لَا أَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَوَةً وَلَا نُشُورًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكُ إِفْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ أَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَقَالُوا مَا لِي هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْشِئُ فِي الْأَسْوَاقِ ۚ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ ۖ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

**آیت ۱** ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ ”بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے الفرقان نازل فرمایا اپنے بندے پر“

یہ تیسری سورت ہے جس کے مطلع (پہلی آیت) میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ”عبد“ کی نسبت سے آیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی دو سورتیں سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الکہف ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا: ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ.....﴾۔ اس کے بعد سورہ الکہف کا آغاز اس طرح ہوا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ.....﴾۔

”الفرقان“ سے مراد حق و باطل میں امتیاز کر دینے والی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے۔

﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝﴾ ”تا کہ وہ ہوتا تمام جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا۔“ یعنی اس قرآن کے ذریعے سے حضور ﷺ کی رسالت تا قیام قیامت جاری و ساری رہے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا، اس تک گویا آپ کا انداز پہنچ گیا۔ سورہ الانعام کی آیت ۱۹ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۖ﴾ ”اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں خبردار کروں تمہیں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے۔“ چنانچہ آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن کے پیغام کو پھیلانا اور اس کے ذریعے سے انداز کے سلسلے کو تا قیام قیامت جاری و ساری رکھنا امت کی ذمہ داری ہے۔

**آیت ۲** ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”وہ ہستی جس کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی“

﴿وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ”اور جس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے حکومت (کے اختیارات) میں“

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾ ”اور اُسی نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کے لیے ایک اندازہ مقررہ کیا۔“

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے بہت مشابہ ہے۔

**آیت ۳** ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾ ”اور انہوں نے اُس کے سوا

ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کچھ بھی تخلیق نہیں کرتے، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں“

﴿وَلَا يَمْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نُشُورًا﴾

”اور وہ اختیار نہیں رکھتے خود اپنے بارے میں بھی کسی نقصان یا نفع کا، اور نہ ہی انہیں اختیار ہے موت کا،

نہ زندگی کا اور نہ جی اٹھنے کا۔“

**آیت ۴** ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ لِأَفْكَاءٍ افْتَرَاهُ وَاعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ﴾ ”اور کافر

کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس ایک من گھڑت چیز ہے، جس کو اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کی مدد کی

ہے اس پر کچھ اور لوگوں نے۔“

قرآن مجید میں فراہم کردہ معلومات اور تفصیلات کو دیکھتے ہوئے مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اکیلا

آدمی ایسا کلام مرتب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپ کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی ہیں

جو خفیہ طور پر اس کتاب کی تصنیف میں آپ کی مدد کر رہے ہیں۔ گویا آپ نے اس کام کے لیے ایک ادارہ تحریر

تشکیل دے رکھا ہے۔

﴿فَقَدْ جَاءَ وَ ظُلْمًا وَ زُورًا﴾ ”یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔“

یعنی ایسی باتیں کر کے یہ لوگ یقینی طور پر افترا اور ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

**آیت ۵** ﴿وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا﴾ ”اور کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے قصے ہیں جو اس

نے کسی سے لکھوا لیے ہیں“

كَتَبَ يَكْتُبُ: لکھنا۔ اس سے اِكْتَتَبَ باب افتعال ہے، یعنی کسی سے لکھوا لینا۔

﴿فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ ”پھر یہ املا کرائی جاتی ہیں اس کو صبح و شام۔“

ان کے پیچھے خفیہ طور پر جو لوگ یہ قصے کہانیاں گھڑ رہے ہیں وہ صبح شام ان سے ملتے ہیں اور اپنی گھڑی

ہوئی باتیں انہیں لکھوا دیتے ہیں۔ پھر وہی باتیں یہ ہمیں سنا کر دھونس جماتے ہیں کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔

**آیت ۶** ﴿قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ اس کو اُس نے

نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ”یقیناً وہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

**آیت ۷** ﴿وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا

رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے!“

کہ ایک ایسا شخص اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے جس کو کھانے کی حاجت بھی ہو اور وہ عام انسانوں کی



طرح بازاروں میں خرید و فروخت بھی کرتا پھرتا ہو۔

﴿لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۝﴾ ”کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ کہ وہ اس

کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا؟“

ہاں اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے پرواز کرتے ہوئے نازل ہوتا، ان کے رسول ہونے کی گواہی دیتا اور پھر یہ جدھر بھی جاتے، وہ فرشتہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہٹو بچو کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا!

**آیت ۸** ﴿أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۝﴾ ”یا اتارا جاتا اس پر کوئی خزانہ یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا، جس میں سے یہ کھاتا پیتا۔“

اور کچھ نہیں تو ان کے لیے زرد جواہر کا کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا، یا پھر معجزانہ طور پر اس ”وادی غیر ذی زرع“ میں پھلوں سے لدا ہوا ایک باغ ہی ان کے لیے وجود میں آ جاتا اور یہ اس باغ کے پھل کھاتے ہوئے ہمیں نظر آتے۔ اس باغ سے یہ با فراغت روزی حاصل کرتے۔ یہ مشرکین مکہ کا وہی اعتراض ہے جس کا ذکر اس سے پہلے سورہ بنی اسرائیل میں بھی آچکا ہے۔

﴿وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝﴾ ”اور ان ظالموں نے تو یہ تک کہا کہ تم

لوگ صرف ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔“

کہ یہ جو کہتے ہیں کہ مجھ پر فرشتہ نازل ہوتا ہے ان کے اس دعوے میں کوئی سچائی نہیں۔ یہ سب جادو اور آسیب کا اثر ہے۔

**آیت ۹** ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝﴾ ”دیکھئے! یہ آپ

کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں، تو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں، اب یہ سیدھے رستے پر نہیں آ سکتے۔“

یہ لوگ ایک ضد پر اڑ گئے ہیں، لہذا اب ان کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان نہیں۔ ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ یہ سورت مکی دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ مکی سورتوں کی ترتیب نزولی اور ترتیب مصحف کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ مکی دور کے ابتدائی چار سال کے دوران میں نازل ہونے والی سورتیں مصحف کی ترتیب میں ساتویں یعنی آخری منزل میں شامل کی گئی ہیں۔

(آخری منزل میں کچھ مدنی سورتیں بھی شامل ہیں اور اس اعتبار سے اس منزل کی مکی سورتوں کو دو گروپس میں

تقسیم کیا گیا ہے۔) آخری چار سال میں نازل شدہ سورتوں کو مصحف کے پہلے حصے میں رکھا گیا ہے۔ ان میں

سورة الانعام، سورة الاعراف، اور سورة يونس سے لے کر سورة المؤمنون تک کل سولہ سورتیں شامل ہیں۔ البتہ

زیر مطالعہ سورت یعنی سورة الفرقان سے شروع ہونے والے گروپ اور اس کے بعد والے گروپ کی سورتیں مکی

دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہوئی ہیں اور مصحف کے اندر بھی انہیں درمیان میں رکھا گیا ہے۔

## آیات ۱۰ تا ۲۰

تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝ إِذَا رَأَوْهُم مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيرًا ۖ وَإِذَا أَلْقَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرَنَيْنِ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۖ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۖ قُلْ أَذَلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَمَصِيرًا ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۖ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدٌ مَّسْئُولًا ۖ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ عَأَنْتُمْ أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۖ قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يُخْبِعِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۖ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۖ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۖ وَمَنْ يَظْلِم مِّنْكُمْ نَذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۖ أَتَصْبِرُونَ ۖ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۖ

ع ۱۲

**آیت ۱۰** ﴿تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ﴾ ”بڑی ہی بابرکت ہے وہ ہستی جو اگر

چاہے تو آپ کے لیے ان سے کہیں بہتر چیزیں بنا دے“

یہ لوگ تو آپ پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی طرف سے بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں اور اپنے فہم و شعور کے مطابق مختلف چیزوں کے نام گناتے ہیں کہ آپ کو فلاں آسائش میسر ہونی چاہیے اور فلاں چیز آپ کے تصرف میں ہونی چاہیے۔ ان بے چاروں کو ہماری قدرت کا اندازہ ہی نہیں۔ ہم اگر چاہیں تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے کہیں بہتر ایسی چیزیں آپ کے لیے پیدا کر دیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں۔

﴿جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝﴾ ”ایسے باغات جن کے نیچے

نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے محلات تعمیر کر دے۔“

یہ لوگ تو ایک باغ کی بات کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے لیے باغات کے ان گنت سلسلے اور بے شمار محلات بنا

سکتے ہیں۔

**آیت ۱۱** ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝﴾ ”اصل بات یہ ہے کہ ان

لوگوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے اور جو قیامت کو جھٹلاتا ہے اُس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

**آیت ۱۲** ﴿إِذَا رَأَتْهُمْ مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيرًا ۚ﴾ ”وہ جب دور سے ان کو دیکھے گی تو وہ سنیں گے اس کے جوش اور اس کی پھنکار کو۔“

جہنم جب دور سے ہی ایسے مجرموں کی صورت میں اپنے شکار کو آتے دیکھے گی تو غضبناک ہو کر جوش مارے گی اور اس کے دھاڑنے اور پھنکارنے کی خوفناک آوازوں کو مجرم لوگ بہت دور سے سن سکیں گے۔

**آیت ۱۳** ﴿وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَنَا ضَيْقًا مُّقْرَّنَيْنِ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۚ﴾ ”اور جب وہ پھینک دیے جائیں گے اس کی ایک تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو اُس وقت وہ موت کو پکاریں گے۔“

اس وقت وہ دعا کریں گے کہ انہیں موت آجائے۔ شعور کی زندگی کا قصہ تمام ہو اور انہیں نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔

**آیت ۱۴** ﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۚ﴾ ”(تب ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو!“

اب تم موت کو پکارتے رہو اس کے لیے مسلسل دعائیں مانگتے رہو مگر تمہاری ان دعاؤں سے تمہیں موت آئے گی نہیں۔ اب تو تمہیں مسلسل زندہ رہنا اور عذاب کی تکلیف کو جھیلنا ہوگا۔ اس عذاب کی شدت میں نہ تو کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی موت آکر تمہیں اس سے چھٹکارا دلانے گی۔

**آیت ۱۵** ﴿قُلْ أَذِلَّكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ﴾ ”آپ کہیے کہ کیا یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کی وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقی بندوں سے؟“

﴿كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيًّا ۚ﴾ ”ان کے لیے وہ ہوگی بدلہ اور ان کے لوٹنے کی جگہ۔“ وہ ان کے اعمال کا بدلہ اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔

**آیت ۱۶** ﴿لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ﴾ ”ان کے لیے اس میں ہر وہ شے ہوگی جو وہ چاہیں گے وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

﴿كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْنُورًا ۚ﴾ ”یہ آپ کے رب کے ذمہ ایک واجب الادا وعدہ ہے۔“ اس وعدہ کے ایفا کی آپ کے رب پر حتمی ذمہ داری ہے۔ اس کے حوالے سے سورہ آل عمران کی یہ دعا بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے: ﴿رَبَّنَا وَاتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۚ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے جو وعدے کیے ہیں وہ پورے فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوائہ کرنا بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔“ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے ان وعدوں کو پورا فرمائے گا اور یہ اس کی بے پایاں رحمت کا اظہار ہے کہ وہ ان وعدوں کو اپنی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

**آیت ۱۷** ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”اور جس دن وہ ان کو اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سب کو جمع کرے گا“

جن جن ہستیوں کے ناموں پر مشرکین نے بت بنا رکھے تھے یا جن کو وہ براہ راست اللہ کا شریک ٹھہراتے



تھے چاہے وہ فرشتے ہوں، اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا:

﴿فَيَقُولُ ءَ أَنْتُمْ أَضَلُّتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝۱۷﴾ ”اور فرمائے گا: کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود ہی راستے سے بھٹک گئے تھے؟“

**آیت ۱۸** ﴿قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يُنْبِغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ﴾ ”وہ کہیں گے: تو پاک ہے ہمارے لیے تو یہ روا ہی نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا ولی بناتے“

اللہ اور اہل ایمان کے درمیان ولایت باہمی کا مضبوط رشتہ قائم ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہل ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ میں اس رشتے کا ذکر یوں فرمایا گیا: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”اللہ ولی ہے مومنین کا، وہ انہیں اندھیروں سے نکالتا ہے نور کی طرف۔“

سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۶۱﴾ ”آگاہ رہو! یقیناً جو اللہ کے ولی ہیں نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔“ چنانچہ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو ضرور اپنے بندوں کے ساتھ ولایت کا رشتہ قائم کیے ہوتے، لیکن وہ تو پوچھنے پر صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا ولی تو اللہ ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ ولایت کا رشتہ کیسے استوار کر سکتے تھے!

﴿وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ﴾ ”لیکن (اے پروردگار!) تُو نے انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو دنیا

کا ساز و سامان دیا“

ان کو دنیا میں مال و دولت اور حیثیت و وجاہت سے بہرہ مند کیا اور پشت در پشت خوشحالی اور فارغ البالی عطا کیے رکھی۔

﴿حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝۱۸﴾ ”یہاں تک کہ وہ یاد دہانی کو بھول گئے۔ اور یہ تباہ

ہونے والے لوگ تھے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو مخاطب کر کے فرمائیں گے:

**آیت ۱۹** ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۝۱۹﴾ ”تو انہوں نے جھٹلادیا تمہاری ان باتوں کو“

کہ جن ہستیوں کو تم لوگ اپنے معبود اور ولی مانتے تھے انہوں نے تو تمہارے دعووں کو رد کر دیا۔

﴿فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا﴾ ”تو اب نہ تمہارے بس میں ہے (عذاب کو) لوٹانا اور نہ

ہی کوئی مدد۔“

﴿وَمَنْ يَظْلِم مِّنْكُمْ نُدْفِعْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۝۱۹﴾ ”اور جو کوئی تم میں سے ظلم کا مرتکب ہوا ہے ہم اسے

چکھائیں اب بہت بڑا عذاب۔“

**آیت ۲۰** ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۝۲۰﴾

”اور آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے

پھرتے بھی تھے۔“

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ ”اور ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔“

﴿اتَّصِرُونَ﴾ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۲۰﴾ ”(اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب

سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اس مصلحت کو سمجھ لینے کے بعد اب تمہارے لیے صبر و استقامت کی روش ناگزیر ہے۔

## آیات ۲۱ تا ۳۲

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ يَقُولُونَ هَجْرًا مَنُجُورًا ﴿۲۲﴾ وَقَدْ مَنَّآ إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ﴿۲۳﴾ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقُّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿۲۵﴾ الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ﴿۲۶﴾ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَتَنَبَّيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۸﴾ لِيَتَنَبَّيْ لِمَ اتَّخَذْتُ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿۲۹﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ﴿۳۰﴾ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الرَّسُولُ يَرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿۳۲﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۳۳﴾ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ﴿۳۵﴾ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا يَأْتُوكَ بِشَيْءٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿۳۷﴾ الَّذِينَ يُجَاهِدُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۳۸﴾

الجزء التاسع عشر (۱۹)

**آیت ۲۱** ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِكَةُ﴾ ”اور کہتے ہیں وہ لوگ جو

ہماری ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ کیوں نہیں اتارے جاتے ہم پر فرشتے؟“

﴿أَوْ نَرَى رَبَّنَا﴾ ”یا ہم خود اپنے رب کو دیکھیں!“

اللہ کے حضور حاضری پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی طبیعتوں میں سرکشی اور لا پرواہی پائی جاتی

ہے۔ چنانچہ ایمان کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے جواب میں وہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ

اگر اللہ نے ہمیں کوئی پیغام بھیجنا ہی تھا تو اپنے فرشتوں کے ذریعے بھجواتا یا وہ خود ہمارے سامنے آ جاتا اور ہم اپنی

آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے۔ یا یہ کہ اللہ کی طرف سے ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھایا جاتا جس سے ہم پر واضح ہو جاتا

کہ محمد (ﷺ) واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ایسے مطالبات کا ذکر کئی سورتوں میں بار بار کیا گیا ہے۔  
 ﴿لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا﴾ (۲۱) ”انہوں نے اپنے آپ میں بہت زیادہ تکبر کیا ہے اور وہ بہت بڑی سرکشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔“

ان کے یہ مطالبات ان کے استکبار کا ثبوت اور ان کی سرکشی کی دلیل ہیں۔ گویا وہ خود کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ ان پر فرشتوں کا نزول ہو اور اللہ خود ان کے روبرو ان سے ہم کلام ہو۔

**آیت ۲۲** ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ﴾ ”جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن مجرموں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہوگی“

جس دن انہیں فرشتے نظر آئیں گے وہ دراصل قیامت کا دن ہوگا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ بھی نزول فرمائے گا اور غیب کے سارے پردے بھی اٹھا دیے جائیں گے۔ وہ دن مجرموں کے لیے کڑے احتساب کا دن ہوگا۔ تب ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا اور انہیں کہیں سے بھی کوئی اچھی خبر نہیں مل پائے گی۔  
 ﴿وَيَقُولُونَ حَبْرًا مَّحْجُورًا﴾ (۲۳) ”اور وہ کہیں گے کہ کوئی روک حائل ہو جائے۔“

اس وقت وہ دہائی دے رہے ہوں گے کہ کسی طرح سے انہیں بچایا جائے اور قیامت کے عذاب کو ان پر مسلط ہونے سے روکا جائے۔ کاش ان کے اور اس عذاب کے مابین کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے!

**آیت ۲۳** ﴿وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا﴾ (۲۴) ”اور ہم آگے بڑھیں گے ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا اور کر دیں گے اسے اڑتا ہوا غبار۔“

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمان حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابلِ حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ ان دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہر کی نیکیوں کے انبار لے کر میدانِ محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانٹی تھیں، یتیم خانے کھولے تھے، ہسپتال بنائے تھے، مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، مدارس کی سرپرستی کی تھی، حج و عمرے کیے تھے، مگر ان اعمال کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کو کہیں بھی مد نظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزت و شہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی و پرہیزگاری کا سکہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنایا تھا۔ کبھی الیکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمتِ خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے متقیانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو علیم بذاتِ الصدور ہے، اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بدقسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمالِ صالحہ کے پہاڑ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد و غبار کے ذرات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

یہ مضمون یہاں تیسری بار آیا ہے۔ سورہ ابراہیم میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسے اعمال کی بے بضاعتی کو اس



طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝۱۸﴾ ”مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں راکھ کی مانند جس پر زوردار ہوا چلے آندھی کے دن۔ انہیں کچھ قدرت نہیں ہوگی ان (اعمال) میں سے کسی پر بھی جو انہوں نے کمائے ہوں گے۔ یہی تو ہے دور کی گمراہی۔“ پھر سورۃ النور میں بغیر ایمان کی نیکیوں کی حقیقت ایک دوسری تمثیل میں یوں واضح کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۳۹﴾ ”اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کسی چٹیل میدان میں پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آیا تو اس نے اسے کچھ نہ پایا البتہ اس نے اس کے پاس اللہ کو پایا تو اس نے پورا پورا چکا دیا اسے اس کا حساب۔ اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“

**آیت ۲۳** ﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝۴۰﴾ ”جنت والے اُس روز بہت اچھے ٹھکانوں میں ہوں گے اور ان کے قیلولہ کرنے کی جگہ بھی بہت ہی اچھی ہوگی۔“

**آیت** ﴿وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝۴۱﴾ ”اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے فوج در فوج۔“

**آیت ۲۶** ﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۝۴۲﴾ ”اُس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمن کی ہوگی۔“  
بادشاہی اور حکمرانی تو آج بھی اللہ ہی کی ہے، لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے حقیقت کو مختلف پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ آج بظاہر کئی صاحبان اختیار و اقتدار نظر آتے ہیں، لیکن اُس دن ہر طرح کا اختیار صرف اس بادشاہ حقیقی کے پاس ہی ہوگا۔

﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝۴۳﴾ ”اور وہ دن کافروں پر بہت کٹھن ہوگا۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ ۝۴۴﴾ ”اور جس دن ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔“  
عَضُّ يَعَضُّ کے معنی دانتوں سے پکڑنا یا کاٹنا کے ہیں۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ کے ضمن میں جو حدیث بیان ہوئی ہے اس میں مُلْكًا عَاصًا کا لفظ اسی مادے سے مشتق ہے، یعنی کاٹ کھانے والی ملوکیت۔ اس دن ہر گنہگار اور مجرم شخص حسرت و یاس کی تصویر بنا جھنجھلاہٹ اور پچھتاوے میں اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا۔  
﴿يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝۴۵﴾ ”کہے گا: کاش! میں نے رسول کے ساتھ

راستہ اختیار کیا ہوتا!“

حسرت سے کہے گا کہ کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا، ان کا اتباع کیا ہوتا۔ ان کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا ہوتا!

**آیت ۲۸** ﴿يُوَيْلَتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝۴۶﴾ ”ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا!“

کہ میری زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ میرے دل پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سچائی منکشف ہونا شروع ہو گئی تھی، لیکن میرے فلاں دوست نے مجھے ورغلا کر پھر اس رستے سے بھٹکا دیا۔ کاش میں نے ایسے شخص کی دوستی اختیار نہ کی ہوتی!

**آیت ۲۹** ﴿لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي﴾ ”اُس نے مجھے گمراہ کر کے ذکر سے برگشتہ کر دیا اس کے بعد جبکہ وہ میرے پاس پہنچ گیا تھا۔“

ذکر کے پہنچ جانے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے پوری بات سنادی تھی اور دوسرے یہ کہ میری زندگی کے فلاں لمحے میں پیغام حق میرے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگا تھا اور اس کی حقانیت میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی تھی۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ کہ اے نبی ﷺ! ان سے ایسی بات کہیے جو ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ چنانچہ مذکورہ شخص اپنی ایسی ہی کیفیت کا اعتراف کرے گا کہ اس نصیحت یاد دہانی اور ہدایت کا ابلاغ میرے دل تک ہو چکا تھا، لیکن افسوس کہ میرے ساتھی نے مجھے پھر سے گمراہ کر دیا۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا﴾ ”اور شیطان تو انسان کو آخردعا دینے والا ہے۔“

شیطان انسان کے ساتھ بڑا ہی بے وفائی کرنے والا اور آخر کار اسے اکیلا چھوڑ جانے والا ہے۔

**آیت ۳۰** ﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ ”اور رسول نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔“

تاویل خاص کے مطابق حضور ﷺ کی یہ شکایت قریش مکہ کے بارے میں ہے کہ اے میرے پروردگار! میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچانے اور انہیں قرآن سنانے کی ہر امکانی کوشش کی ہے، لیکن یہ لوگ کسی طرح اسے سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں جبکہ اس آیت کی تاویل عام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی یہ شکایت قیامت کے دن اپنی امت کے ان افراد کے خلاف ہوگی جو اس ”مہجوری“ کے مصداق ہیں کہ ان لوگوں نے قرآن کو لائق التفات ہی نہ سمجھا۔ علامہ اقبال کے اس مصرعے میں اسی آیت کی تلمیح پائی جاتی ہے: ”خوار از مہجوری قرآن شدی“ کہ اے مسلمان آج تو اگر ذلیل و خوار ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ تو نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بہت اہم اور قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ قریش مکہ نے تو اپنی خاص ضد اور ڈھٹائی میں قرآن کو اس موقف کے تحت ترک کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے ہی نہیں اور محمد (ﷺ) نے خود اپنی طرف سے اسے گھڑ لیا ہے۔ لیکن آج اگر کوئی شخص کہے کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اللہ کا کلام مانتا ہوں، مگر عملی طور پر اس کا رویہ ایسا ہو کہ وہ قرآن کو لائق اعتناء نہ سمجھے نہ اسے پڑھنا سیکھے نہ کبھی اس کے پیغام کو جاننے کی کوشش کرے تو گویا اس کے حال یا عمل نے اس کے ایمان کے دعوے کی تکذیب کر دی۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیے (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ”آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اُس

پر عمل نہ کرنا، اُس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔“

مقامِ غور ہے کہ آج اگر ہم اپنی دنیا سنوارنے کے لیے انگریزی زبان میں تو مہارت حاصل کر لیں لیکن قرآن کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کی ضرورت تک محسوس نہ کریں، تو قرآن پر ہمارے ایمان کے دعوے اور اس کو اللہ کا کلام ماننے کی عملی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ چنانچہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کے حقوق کے بارے میں آگاہی حاصل کرے، اس سلسلے میں عملی تقاضوں کو سمجھے اور ان تقاضوں پر عمل کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتا رہے۔ اس موضوع پر میرا ایک نہایت جامع کتابچہ ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ دستیاب ہے۔ اس کا انگلش، عربی، فارسی اور ملایا زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کے حقوق کا ادراک حاصل کرنے کے لیے اس کتابچے کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

**آیت ۳۱ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ﴾** ”اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنادیے مجرموں میں سے۔“

یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۲ میں بھی آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی آزمائش کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی مخالفت کی بھیٹی خوب گرم ہو، ان کے خلاف کشمکش اور تصادم کا ماحول بنے اور باطل کے مقابلے میں انہیں عملی طور پر میدانِ کارزار میں اترنا پڑے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو اور ایمان کے سچے دعویدار نکھر کر سامنے آجائیں۔ ورنہ اگر ٹھنڈی سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے جنت تک پہنچنا ہو تو کوئی بھی اس سعادت میں پیچھے نہیں رہے گا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((حُبِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُبِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ))<sup>(۱)</sup>

یعنی جہنم کو انسان کے مرغوباتِ نفس سے ڈھانپ دیا گیا ہے، جبکہ جنت کو ایسی چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جو انسان کو ناپسند اور ناگوار ہیں۔

حق کے راستے پر چلتے ہوئے انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں، مصائب جھیلنے پڑتے ہیں اور کٹھن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۵ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ ”اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے، بھوک سے اور جان و مال اور فصلوں کے نقصان سے۔“ مصیبتوں اور آزمائشوں کی اس چھلنی کے ذریعے اللہ اپنے ان بندوں کو چھانٹ کر الگ کر لیتا ہے جو جنت کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں اور پھر ان لوگوں سے جنت کا سودا کرتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّهُمْ لَهِمَّ الْجَنَّةُ﴾ (التوبة: ۱۱۱) ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حجب النار بالشہوات۔ عن ابی ہریرۃؓ



﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝۳۱﴾ ”اور کافی ہے آپ کا رب ہدایت دینے والا اور مدد دینے والا۔“ جو شخص ہدایت کا طلب گار ہو اسے اللہ ہدایت بھی دیتا ہے اور پھر اس رستے پر چلانے کے لیے اس کی مدد بھی کرتا ہے۔

**آیت ۳۲** ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ﴾ ”اور ان کافروں نے یہ بھی کہا کہ اس پر یہ قرآن پورے کا پورا ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتار دیا گیا؟“

قریش مکہ کا قرآن پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر واقعی یہ اللہ کا کلام ہے تو پھر اکٹھا ایک ساتھ ہی نازل کیوں نہیں ہو جاتا؟ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری کی پوری تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ایک ہی دفعہ دے دی گئی تھی۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا پیش کرنے سے مشرکین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شاعر کا گمان ہوتا تھا، کیونکہ شاعر لوگ بھی ایک دم سے اپنا پورا کلام پیش نہیں کر سکتے۔ وہ ایک ایک دو دو غزلیں یا نظمیں لکھتے رہتے ہیں اور مدت کے بعد جا کر کہیں ان کے دیوان مکمل ہوتے ہیں۔

﴿كَذَٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ﴾ ”اس طرح (اس لیے نازل کیا گیا ہے) تاکہ اس کے ذریعے سے ہم آپ کا دل مضبوط کریں“

اس کو ہم اچھی طرح آپ کے ذہن نشین کرتے رہیں اور اس پر آپ کا دل پوری طرح ٹھک جائے۔  
﴿وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝۳۲﴾ ”اور (اسی لیے) ہم نے اسے تدریجاً و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔“  
قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ہر موقع محل کے مطابق بروقت راہنمائی ملتی رہے۔ اس کے علاوہ اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی اور تسکین کا پہلو بھی تھا کہ اللہ ہمارے حالات کو دیکھ رہا ہے۔ مشکل حالات میں سابقہ قوموں کے حالات پڑھ کر ان کے دلوں کو سہارا ملتا تھا کہ جس طرح اللہ نے حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہم السلام) کے ساتھیوں کی مدد کی تھی اور ان کے دشمنوں کو ملیا میٹ کر دیا تھا اسی طرح وہ ہمیں بھی کامیاب کرے گا۔

**آیت ۳۳** ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝۳۳﴾ ”اور یہ لوگ آپ کے پاس کوئی بھی اعتراض نہیں لائیں گے مگر یہ کہ ہم (اس کے جواب میں) آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین وضاحت لے آئیں گے۔“

قرآن حکیم کو جزءاً جزءاً نازل کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ جب کبھی بھی مخالفین اور معترضین کی طرف سے کوئی اعتراض یا سوال اٹھایا جاتا ہے تو وحی کے ذریعے اس کا مبنی برحق اور مفصل جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا جاتا ہے۔

**آیت ۳۴** ﴿الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۴﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جمع کیا جائے گا جہنم کی طرف ان کے مونہوں کے بل، وہ بہت ہی بُرے مقام پر ہوں گے اور بہت بھٹکے ہوئے ہوں گے سیدھے راستے سے۔“

## آیات ۳۵ تا ۴۲

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۖ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَرْنَهُمْ تَدْمِيرًا ۖ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۖ وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ لِمِثَالٍ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۖ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْتُ مَطَرًا سَوِيًّا ۖ أَفَكُم يَكُونُونَ ۚ وَنَهَايَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۖ وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَنْتَحِدُوا ۖ فَكَرِهْنَا أَنْ يَكُونُوا ۖ إِلَّا هَؤُلَاءِ ۖ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۖ إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۖ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَدْرُونَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلَّ سَبِيلًا ۖ أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۖ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۖ

**آیت ۳۵** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۖ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی اور اس کے ساتھ ہم نے اُس کے بھائی ہارون کو وزیر بنادیا تھا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور معاونت کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے مددگار کے طور پر رسالت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔ وزیر ”وزر“ (بوجھ) سے ہے یعنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے میں معین و مددگار۔

**آیت ۳۶** ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَرْنَهُمْ تَدْمِيرًا ۖ﴾ ”تو ہم نے حکم دیا کہ آپ دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔“

یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور ان لوگوں کے مسلسل انکار کے باعث بالآخر انہیں سمندر میں غرق کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

**آیت ۳۷** ﴿وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ﴾ ”اور قوم نوح کو بھی ہم نے غرق کر دیا جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں ہم نے نوعِ انسانی کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔“

﴿وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ﴾ ”اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔“

یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی ان قوموں کو عذابِ استیصال کی صورت میں نقد سزا تو دنیا ہی میں مل گئی تھی مگر اصل عذاب ابھی ان کا منتظر ہے۔ یہ عذاب انہیں آخرت میں ملے گا اور وہ بے حد تکلیف دہ ہوگا۔

**آیت ۳۸ ﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا﴾** ”اور قوم عادِ قوم ثمودِ کنوئیں والوں اور ان کے مابین بہت سی دوسری اقوام (کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا)۔“

”اصحاب الرس“ کے بارے میں صراحت نہیں ملتی کہ یہ کون سی قوم تھی اور ان کا زمانہ اور علاقہ کون سا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کسی کنوئیں میں بند کر دیا تھا۔ اس لیے انہیں کنوئیں والے کہا گیا ہے۔

**آیت ۳۹ ﴿وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ﴾** ”اور ان سب کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں“

اپنے اپنے وقت پر ان سب قوموں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے ان کے ماحول اور حالات کے مطابق ہم ٹھوس دلائل اور واضح حقائق پر مبنی تعلیمات ان کے سامنے پیش کرتے رہے۔

**﴿وَكُلًّا تَبَرْنَا تَبِيرًا﴾** ”لیکن (ان کے انکار کی پاداش میں بالآخر) ہم نے ان سب کو غارت کر دیا۔“

**آیت ۴۰ ﴿وَلَقَدْ آتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ﴾** ”اور یہ لوگ اُس بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بہت بری بارش برسائی گئی تھی۔“

اس سے سدوم اور عامورہ کی بستیاں مراد ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بدترین بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے۔

**﴿أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنها﴾** ”تو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہے؟“

سفر شام کے دوران آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلے جب ان بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہیں تو کیا یہ لوگ انہیں نگاہِ عبرت سے نہیں دیکھتے؟

**﴿بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا﴾** ”بلکہ وہ امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی!“

اصل بات یہ ہے کہ انہیں بعث بعد الموت پر یقین نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایسے عبرت انگیز حقائق پر سے یہ لوگ بغیر کوئی سبق حاصل کیے اندھوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

**آیت ۴۱ ﴿وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَّتَخَذُونَكَ إِلَّا هُزُوءًا﴾** ”اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق بنا لیتے ہیں۔“

قریش مکہ کے ہاں حضور ﷺ کی دعوت کی مخالفت کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ وہ بات سننے کے لیے کبھی سنجیدہ نہ ہوتے اور آپ کی دعوت کو ہمیشہ مذاق میں اڑا دیتے۔ نہ وہ آپ کی بات کو کبھی سنجیدگی سے سنتے نہ کبھی اس پر غور کرتے اور نہ ہی اس کا کوئی سنجیدہ جواب دیتے۔

**﴿أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا﴾** ”کیا یہ ہیں جنہیں اللہ نے بھیجا ہے رسول بنا کر!“

یہ اور اس طرح کے دوسرے جملوں کے ذریعے وہ لوگ آپ کا تمسخر اڑاتے تھے۔



آیت ۲۲ ﴿إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ ”قرب تھا کہ یہ شخص ہمیں اپنے

معبودوں سے ورغلا دیتا، اگر ہم اُن (کی پرستش) پر ثابت قدم نہ رہتے۔“  
اگر ہم نے اپنے ان معبودوں کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار نہ کر رکھا ہوتا تو یہ شخص ضرور ہمیں ان سے  
برگشتہ کر کے راستے سے بھٹکا دیتا۔

﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ ”عنقریب جب وہ عذاب کو  
دیکھیں گے تو جان جائیں گے کہ کون بھٹکا ہوا تھا راستے سے۔“

انہیں بہت جلد یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل گمراہ کون تھا؟ جنہیں یہ گمراہی کا الزام دیتے ہیں وہ یا یہ خود!  
آیت ۲۳ ﴿أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ﴾ ”کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو  
اپنا معبود بنا لیا ہے؟“

یہاں شرک کی ایک بہت اہم قسم بیان ہوئی ہے جو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی دعوت دیتی ہے۔  
اس پر بڑے بڑے موحدین کو غور کرنا چاہیے کہ دراصل شرک صرف ”یا علی مدد!“ کا نعرہ لگانے یا قبر پرستی تک ہی  
محدود نہیں ہے بلکہ اللہ کے کسی واضح حکم کے مقابلے میں خواہش نفس پر عمل پیرا ہونا بھی شرک کے زمرے میں آتا  
ہے۔ انسان کو اس کا نفس ہر وقت دنیا سمیٹنے اور زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے کے حسین خواب دکھاتا  
ہے۔ وہ حرام کو اپنانے کے لیے پُرکشش تو جیہات پیش کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آج کے بینک کا سود حرام نہیں ہے  
پرانے دور میں تو سود کو اس لیے حرام کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے سے غرباء کا استحصال ہوتا تھا، آج کے بینکنگ  
نظام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، آج تو بینک کی معاونت کے بغیر کوئی کاروبار چل ہی نہیں سکتا، اس لیے بینک کے  
تعاون سے فلاں کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر  
اپنے نفس کی بات مان لی تو گویا وہ اپنے نفس کا بندہ بن گیا۔ اب اس کا نفس ہی اس کا ”مطاع“ ہے اور جو کوئی بھی  
کسی کا اصل مطاع ہوگا وہی اس کا معبود ہوگا۔

عبادت دراصل مکمل غلامی کا نام ہے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کا ہر حکم ماننے کا پابند ہے اسی طرح  
ایک بندے (عبد) پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے معبود کی مکمل فرمانبرداری کرے اور اس کے کسی بھی حکم سے سرتابی  
نہ کرے۔ عبادت کا یہ مفہوم سورۃ المؤمنون میں درج فرعون کے اس جملے سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے:  
﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُونَ﴾ کہ ان دونوں (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ) کی قوم ہماری غلام اور اطاعت  
شعار ہے۔ اب اگر کوئی شخص زبان سے توحید پرستی کا دعویٰ کرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وظیفے کرے اور چلے کائے  
لیکن عملاً اطاعت اور فرمانبرداری اپنے نفس کی کرے تو حقیقت میں وہ توحید پرست نہیں بلکہ نفس پرست ہے اور  
اس کا نفس ہی اصل میں اس کا معبود ہے۔

﴿أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے  
سکتے ہیں؟“

آیت ۲۲ ﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ﴾ ”یا آپ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟“

یہ لوگ آپ کی محفل میں کچھ سننے اور سمجھنے کے لیے نہیں آتے بلکہ یہ تو اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے آتے ہیں تاکہ واپس جا کر انہیں بتا سکیں کہ ہم تو بڑے اہتمام کے ساتھ گئے تھے کہ محمد (ﷺ) کی باتوں کو خود سنیں اور سمجھیں لیکن ان سے تو ہمیں کوئی خاص بات سننے کو ملی ہی نہیں۔

﴿إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ ”یہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بڑھ کر بھٹکے ہوئے ہیں۔“

چوپائے تو کسی کلام کے مفہوم کو سمجھنے سے اس لیے معذور ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس سطح کا شعور ہی نہیں دیا، لیکن یہ لوگ انسان ہو کر بھی عقل اور شعور سے کام نہیں لیتے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ چوپایوں اور جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

## آیات ۲۵ تا ۶۰

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۖ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۚ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۖ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَاسَا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا ۖ وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۖ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۚ لِنُنْجِيَ بِهِ بَلَدَةً مَّيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ۖ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۖ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَذِيرًا ۚ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۖ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا يَلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا ۖ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْبَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۖ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۖ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ يَذُنُوبَ عِبَادِهِ خَيْرًا ۖ وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَنُ فَسَعَلُ بِهِ خَيْرًا ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۖ

**آیت ۲۵** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کی طرف کہ وہ کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟“

جب رات ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے پوری زمین پر ایک سیاہ چادر اوڑھادی گئی ہے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا﴾ ”اور اگر وہ چاہتا تو اس کو مستقل ٹھہرائے رکھتا۔“

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پوری زمین پر ہمیشہ رات ہی رہتی دن کا اجالا کبھی نمودار ہی نہ ہوتا۔ جیسے کہ سورۃ القصص میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝۴۱﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ان لوگوں سے پوچھئے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ روز قیامت تک ہمیشہ کے لیے تم پر رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟“

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا﴾ ”پھر ہم نے سورج کو اس پر راہنما بنایا۔“

تَعْرِفُ الْأَشْيَاءَ بِأَضْدَادِهَا (چیزیں اپنی مخالف چیزوں سے پہچانی جاتی ہیں) کے مصداق سورج کے وجود سے ہی ہمیں روشنی اور تاریکی کا پتا چلتا ہے۔

**آیت ۲۶** ﴿ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾ ”پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔“

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سائے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ پھر جوں جوں سورج اوپر اٹھتا ہے تو آہستہ آہستہ سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں جیسے کوئی ان کی طنابیں کھینچ رہا ہو۔

**آیت ۲۷** ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا﴾ ”اور وہی ہے جس نے رات کو بنایا تمہارے لیے اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنایا اٹھ کھڑے ہونے کا وقت۔“

رات کو انسانوں کے آرام کرنے کے لیے موزوں کیا، اور دن کے ماحول کو ان کے کام کاج کرنے کے لیے سازگار بنایا۔

**آیت ۲۸** ﴿وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ ”اور وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے آگے بشارت بنا کر۔“

بادلوں کے آگے آگے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے گویا بارانِ رحمت کی نوید سناتے جاتے ہیں۔

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ ”اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔“

بارش کا پانی پاک بھی ہے اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ جب یہ پانی برستا ہے تو سب سے پہلے فضا کی آلودگی کو صاف کرتا ہے۔ پھر زمین کی بہت سی آلودگیوں کو سمندر میں بہا لے جاتا ہے۔ سمندر کے پانی سے بخارات کی صورت میں بالکل صاف اور ہر آلودگی سے پاک پانی پھر سے فضا میں پہنچ کر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ (cycle) چلتا رہتا ہے۔

**آیت ۲۹** ﴿لَنُحْيِي بِهِ بَلَدَةً مَيِّتًا وَنُسْقِيهِ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِي كَثِيرًا﴾ ”تا کہ ہم زندہ



کریں اس کے ذریعہ سے مُردہ زمین کو اور اس سے ہم سیراب کرتے ہیں اپنی مخلوق میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو۔“

جہاں یہ پانی بہت سی آلودگیوں کو صاف کرتا ہے وہاں یہ جانوروں اور انسانوں کے پینے کے کام بھی آتا ہے۔ میڈیکل سائنس کی نظر سے دیکھا جائے تو انسانی یا حیوانی جسم کے اندر استعمال ہو کر پانی کہیں ختم (consume) نہیں ہو جاتا بلکہ یہاں بھی وہ جسم کے اندرونی نظام کو چلانے اور اس کی صفائی کرنے کا کام کرتا ہے۔ پانی کے ذریعے سے ہی جسم کے اندر خون کی گردش (circulation) ممکن ہوتی ہے اور metabolism کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فاضل اور نقصان دہ فضلات کا معدے، گردوں، پھیپھڑوں وغیرہ سے اخراج ممکن ہوتا ہے۔

**آیت ۵۰** ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا﴾ ”اور اس کو ہم نے گردش میں رکھا ہوا ہے ان کے مابین تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں“

سمندر کے بخارات سے بادلوں کا بننا، اربوں ٹن پانی کا ہواؤں کے دوش پر ہزاروں میلوں کے فاصلے طے کر کے مختلف علاقوں میں بارش برسانا، ان بارشوں سے ندی نالوں اور دریاؤں کے سلسلوں کا جنم لینا، انسانی آبادیوں سے میلوں کی بلندیوں پر گلشیرز کی صورت میں پانی کے کبھی نہ ختم ہونے والے ذخائر (over head tanks) کا وجود میں آنا، پھر گلشیرز کا پگھل پگھل کر ایک تسلسل کے ساتھ انسانی ضرورتوں کی سیرابی کا ذریعہ بننا، اور اس سب کچھ کے بعد فالتو پانی کا پھر سے سمندر میں پہنچ جانا! یہ ہے پانی کی گردش (water cycle) کا عظیم الشان نظام جو قدرت کے بڑے بڑے عجائبات میں سے ہے اور زبانِ حال سے انسانی عقل و شعور کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اس کے خالق کو پہچانے اور اس پر ایمان لائے۔

﴿فَإِنِّي أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴾ ”لیکن اکثر لوگ کفرانِ نعمت ہی کرتے ہیں۔“

اس سب کے باوجود اکثر لوگ ناشکری ہی پر اڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرنے سے انکاری ہیں۔

**آیت ۵۱** ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا﴾ ”اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر بستی میں بھی پیغمبر بھیج سکتے تھے، لیکن عام طور پر ایک قوم کی طرف ایک پیغمبر ہی مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں فرمایا گیا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ کہ ہر قوم کی طرف ایک پیغمبر بھیجا گیا۔ اور یہ پیغمبر ہمیشہ ایسے شہر میں مبعوث کیا جاتا تھا جو متعلقہ قوم یا علاقے کے ثقافتی، علمی، تہذیبی اور سیاسی مرکز کی حیثیت سے معروف ہوتا تھا۔ کیونکہ کسی بھی علاقے کے عوام ہر پہلو سے اپنے مرکزی شہر میں پروان چڑھنے والے رجحانات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی قانون اور اصول سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَّسُولًا﴾ ”اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا۔“

**آیت ۵۲ ﴿فَلَا تُطِيعُ الْكُفْرِينَ﴾** ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کفار کو کہنا نہ مانئے“

یہاں پر لفظ اطاعت حکم کی تعمیل کے مفہوم میں نہیں آیا، بلکہ اس فقرے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان حالات کے بارے میں جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے نزول کے وقت حضور ﷺ کو مکہ میں درپیش تھے۔ اُس وقت مکہ کی فضا انتہائی کشیدہ تھی اور حضور ﷺ پر ہر طرف سے شدید دباؤ تھا۔ ان حالات میں اکثر لوگ آپ کو مشورے دیتے تھے اور بار بار سمجھاتے تھے کہ آپ نے اپنی پوری قوم کے ساتھ جو لڑائی مول لے رکھی ہے یہ مناسب حکمت عملی نہیں ہے۔ اس سے قبیلے میں پھوٹ پڑ جائے گی، بھائی بھائی سے کٹ جائے گا، اولاد والدین سے جدا ہو جائے گی، قبیلے کی بنی بنائی ساکھ برباد ہو جائے گی اور اس کے نتائج سب کے لیے بہت بھیانک ہوں گے۔ اگر آپ اپنے موقف میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیں تو صلح صفائی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے اور حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کشمکش کے اس ماحول میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ولید بن مغیرہ سمیت قریش کے اکثر اکابرین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی کچھ باتیں تسلیم کر لی جائیں، اس کے جواب میں آپ بھی اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کریں، اس طرح کوئی درمیانی راہ نکل آئے اور تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ لیکن اہل مکہ کی اس سوچ اور کوشش کے باوجود آپ اپنے موقف پر پوری تندہی اور دل جمعی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ایک طرف اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا تو دوسری طرف آپ پر شدید نوعیت کا معاشرتی دباؤ تھا۔ اس صورت حال کی نزاکت اور شدت کی ایک جھلک سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات سے بھی محسوس کی جاسکتی ہے: ﴿وَأِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۝۴۱﴾ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدَّتْ تَرَكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝۴۲﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ تو تیلے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اس سے بچلا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ کچھ اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو ہی جاتے“۔ اس سیاق و سباق میں آیت زیر نظر کے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی کسی بات کو قبول کرنا تو درکنار آپ ان لوگوں کی باتوں کی طرف بالکل دھیان ہی نہ دیں۔

﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝۵۲﴾ ”اور آپ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے

ذریعے سے بڑا جہاد۔“

ان مشکل حالات میں آپ کو قرآن کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مکہ میں بارہ سال تک آپ نے جو جہاد کیا وہ جہاد بالسیف نہیں تھا بلکہ جہاد بالقرآن تھا۔ اس جہاد کی آج پھر ہمارے معاشرے میں شدید ضرورت ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے میری کتاب ”جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ“ کا مطالعہ مفید رہے گا جو میری دو تقاریر پر مشتمل ہے۔ بہر حال آج ہمیں اپنے قومی و ملکی مسائل کے حل کے لیے قرآن کی تلوار ہاتھ میں لے کر جہاد کرنے اور قرآنی دعوت، تربیت، تزکیہ، انداز اور تبشیر کے ذریعے سے اقامت دین کے لیے ایک بھرپور انقلابی جدوجہد برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اجتماعی مسائل کا حل بھی یہی ہے اور ہمارے اندرونی امراض کی دوا ﴿وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ (یونس: ۵۷) بھی اسی میں ہے۔

**آیت ۵۳** ﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبُحْرَيْنِ﴾ ”اور وہی ہے (اللہ) جس نے دو دریا چلا دیے“  
 ﴿هَذَا عَذَبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ ”یہ میٹھا ہے نہایت خوش ذائقہ اور یہ کھاری ہے نہایت کڑوا۔“

اُس کی قدرت سے نمکین اور کھارے سمندر کے اندر میٹھے پانی کی رو بھی بہہ رہی ہے۔  
 ﴿وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ ”اور ان دونوں کے درمیان اس نے ایک پردہ اور مضبوط آڑ بنا رکھی ہے۔“

یہ پردہ آڑ یا روک نظر آنے والی کوئی چیز تو نہیں ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی صنّاعی کا شاہکار ہے کہ میٹھا پانی کڑوے پانی کے ساتھ سمندر کے اندر دور تک ملنے نہیں پاتا۔

**آیت ۵۴** ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا﴾ ”اور وہی ہے جس نے پانی سے پیدا کیا انسان کو“  
 پانی سے یہاں انسان کا مادہ تولید بھی مراد ہو سکتا ہے اور عام پانی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز پانی سے ہی پیدا کی ہے۔

﴿فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ ”تو اُس نے بنایا اس کے لیے نسب اور سرالی رشتہ۔ اور آپ کا رب سب قدرتوں کا مالک ہے۔“

انسان کا نسب تو اس کے والدین سے چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی کے حوالے سے دوسرے خاندان کے ساتھ بھی اس کا رشتہ اور تعلق جوڑا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ساس اور سر کو بھی اللہ تعالیٰ نے والدین جیسا تقدس اور احترام عطا کیا ہے۔ سرالی رشتہ داریاں اگر نہ ہوتیں تو قبیلوں اور خاندانوں کا معاشرے میں باہمی ارتباط و اختلاط ممکن نہ ہوتا اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے الگ تھلگ رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سرالی رشتوں کا تانا بانا اس طرح سے بن رکھا ہے کہ اس سے نوع انسانی باہم مربوط ہوتی چلی جاتی ہے۔

**آیت ۵۵** ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ ”اور وہ بندگی کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جو نہ تو انہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔“

﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا﴾ ”اور یہ کافر لوگ اپنے رب کی طرف سے پیٹھ موڑے ہوئے ہیں۔“

یہ لوگ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ظہیر کا معنی مددگار بھی ہے اور علی مخالفت کے لیے آتا ہے۔ اس طرح ان الفاظ کا مفہوم ہوگا کہ کافر لوگ اپنے رب کے خلاف دوسروں کے مددگار بنتے ہیں۔

**آیت ۵۶** ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔“

تاکہ جو لوگ حق کا راستہ اختیار کر لیں انہیں اللہ کی رحمتوں اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دیں: ﴿فَوُوحٌ وَرِيحَانٌ ۖ وَجَنَّتٌ نَّعِيمٌ﴾ (الواقعہ)۔ اور جو لوگ انکار پر مصر رہیں انہیں جہنم کے عذاب سے خبردار کریں۔



**آیت ۵۷** ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝﴾ ”آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔“

آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ میں تمہیں دعوت دینے اور قرآن سنانے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہوں، لیکن میں نے اس کے عوض تم لوگوں سے کبھی کوئی اجر نہیں مانگی، کبھی کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا۔ تم لوگ مجھ پر شاعر کا ہن اور جادوگر ہونے کا الزام تو دھرتے ہو، مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ شاعر کا ہن، جادوگر وغیرہ سب تو ہر وقت معاوضے اور انعام کے لالچ میں رہتے ہیں جبکہ میں تو محض اخلاص اور تمہاری خیر خواہی کی بنیاد پر دعوت دین کی خدمت سرانجام دے رہا ہوں۔ اس میں میرا اجر یا معاوضہ ہے تو صرف اس قدر کہ تم میں سے کسی کو اپنے رب کے راستے پر آنے کی توفیق مل جائے اور اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے نہ کہ میری کوئی غرض یا منفعت!

**آیت ۵۸** ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۝﴾ ”اور آپ توکل کیے رکھئے اُس زندہ جاوید ہستی پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔“

﴿وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبٍ عِبَادَةٍ خَيْرًا ۝﴾ ”اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے۔“

کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے کرتوتوں کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ وہ اللہ جوالحی اور القیوم ہے اور اپنے بندوں کے حال پر ہر آن نظر رکھے ہوئے ہے۔ ان لوگوں کی ایک ایک حرکت اور ایک بات جواب دہی کے لیے اس کے ہاں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے نیک اعمال کی بھی ایک ایک تفصیل لکھی جا رہی ہے تاکہ انہیں ان کا بھرپور بدلہ دیا جاسکے۔

**آیت ۵۹** ﴿إِنَّ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۝﴾ ”وہی کہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے مابین ہے چھ دنوں میں پھر وہ متمکن ہو گیا عرش پر۔“

﴿الرَّحْمٰنُ فَسْتَلْبِ بِهِ خَيْرًا ۝﴾ ”وہ رحمن ہے! تو پوچھ لو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے۔“

اللہ تعالیٰ کی صفات اور شان کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو کسی صاحب علم سے پوچھو! جب کبھی انسان اپنے متعلق سوچتا ہے یا اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خالق کے بارے میں جاننا چاہتا ہے اس تک رسائی چاہتا ہے اسے پانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ اور یہ تجسس انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت کی اسی آواز کو کسی شاعر نے الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے:-

مجھ کو ہے تیری جستجو، مجھ کو تری تلاش ہے خالق مرے کہاں ہے تو؟ مجھ کو تری تلاش ہے!

انسانی فطرت کی اسی جستجو اور اسی تلاش کی راہنمائی کے لیے فرمایا گیا کہ اس کے بارے میں ایسے لوگوں سے پوچھو جو اس سے آشنائی رکھتے ہوں، اسے پانے کے لیے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کی اس کے ساتھ دوستی ہو: ﴿وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبة) کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے ہی تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔

**آیت ۶۰** ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ ۖ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ﴾ ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے سجدہ کرو رحمن کو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمن کون ہے؟“

مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا لفظ تو معروف تھا مگر رحمن سے وہ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ اللہ کے بجائے آپ رحمن کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہ نیا نام ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا﴾ ”کیا ہم اُسے سجدہ کریں جس کے لیے تم ہمیں حکم دے رہے ہو!“

یعنی ہم آپ کے کہنے پر اُسے سجدہ کیوں کریں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کی بات تسلیم کر لی اور آپ جیت گئے۔ یہی وہ ضد ہے جسے قرآن میں ”شِقَاق“ کہا گیا ہے۔ اس ضد اور تعصب میں وہ لوگ آپ کی مبنی بر حقیقت بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿وَزَادَهُمْ نُفُورًا﴾ ”اور اس نے بڑھا دیا انہیں نفرت میں۔“

یعنی اس طرح حق سے ان کی نفرت مزید بڑھ رہی ہے اور ان کے جذبہ فرار میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

## آیات ۶۱ تا ۷۷

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِیْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّدْکُرَ ۚ اَوْ اَرَادَ سُكُوْرًا ۝۶۲ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلٰی الْاَرْضِ هَوْنًا ۚ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰہِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳ وَالَّذِیْنَ یَبْتَیْنُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِیَامًا ۝۶۴ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۶۵ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۶۶ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝۶۷ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثْمًا ۝۶۸ یُضَعَفُ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَیَخْلُدُ فِیْهِ مُهَانًا ۝۶۹ اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۖ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۷۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۚ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ۝۷۲ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِآیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخْرُوْا عَلَیْهَا صُمًا وَعُمَیًّا ۝۷۳ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ

وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۖ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً  
وَسَلَامًا ۖ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۖ قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا  
دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۖ

اب اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے جو ہمارے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا ایک اہم درس (درس نمبر ۱۱) بھی ہے۔ منتخب نصاب کے حصہ اول میں چار جامع اسباق ہیں۔ ان میں سے دوسرا درس آیۃ البر (سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۷) پر مشتمل ہے جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ حصہ دوم میں ”مباحث ایمان“ کے عنوان کے تحت پانچ دروس ہیں جن میں سے تین مقامات (سورۃ الفاتحہ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات اور سورۃ النور کی آیات نور یعنی پانچواں رکوع) کا مطالعہ ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ منتخب نصاب کا تیسرا حصہ ”مباحث عمل صالح“ پر مشتمل ہے اور اس حصے کا پہلا درس سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے ہے جن کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ ان آیات میں ایک بندہ مؤمن کی سیرت کی تعمیر کے لیے بنیادی اساسات کے بارے میں راہنمائی کی گئی ہے جبکہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی جن آیات کا مطالعہ اب ہم کرنے چلے ہیں (منتخب نصاب کے تیسرے حصے کا دوسرا درس ان آیات کے حوالے سے ہے) ان میں بندہ مؤمن کی تعمیر شدہ (mature) شخصیت و سیرت کے خصائص اور خدوخال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ لیکن اس موضوع کو شروع کرنے سے پہلے رکوع کی ابتدائی دو آیات میں ایمان کے بارے میں قرآن حکیم کے فطری استدلال کا خلاصہ بیان ہوا ہے:

**آیت ۶۱** ﴿تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۖ﴾ ”بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں رکھ دیا ایک چراغ اور ایک روشن چاند۔“ یہاں سورج کے لیے ”سراج“ یعنی چراغ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاند کو روشن بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک یہ حقیقت انسان کے علم میں آچکی ہے کہ سورج کے اندر جلنے یا تحریق (combustion) کا عمل جاری ہے جس کی وجہ سے وہ روشنی کے ساتھ ساتھ حرارت کا منبع بھی ہے جبکہ چاند محض سورج کی روشنی کے انعطاف (reflection) کی وجہ سے روشن نظر آتا ہے اور اس میں کسی قسم کا عمل تحریق نہیں پایا جاتا۔ اس کی سطح ہماری زمین کی سطح سے ملتی جلتی ہے۔ اب تو انسان خود چاند کی سطح کا عملی طور پر مشاہدہ بھی کر چکا ہے۔

**آیت ۶۲** ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ ارَادَ أَنۢ يَّدْكَرَ ۚ أَوْ ارَادَ شُكُورًا ۖ﴾ ”اور وہی ہے جس نے دن اور رات کو بنا دیا ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اُس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔“

دن رات اور ان کا الٹ پھیر آیات الہیہ میں سے ہیں اور آیات الہیہ پر غور کرنے سے انسان کو اللہ کی ذات اس کے علم اور اس کی قدرت و حکمت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب انسان اللہ کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرتا ہے تو اسے کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی توحید اس کی صنایع اور اس کی قدرت پر دلالت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔



ایمان کے ضمن میں یہ دو آیات گویا اس مضمون کی تمہید ہے جس میں ”عباد الرحمن“ یعنی اللہ کے محبوب اور چہیتے بندوں کی سیرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر بندہ مسلمان کو اپنے دل میں ایک خواہش اور امنگ ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے ان خاص بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پھر اسے ان بندوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے عملی طور پر کوشش بھی کرنی چاہیے۔

**آیت ۶۳ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾** ”اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور نرمی کے ساتھ چلتے ہیں“

وہ اپنے آپ کو آقا اور مالک نہیں بلکہ اللہ کے بندے اور غلام سمجھتے ہیں۔ وہ چلتے بھی غلاموں ہی کی طرح ہیں۔ ان کی چال میں اکڑ کی بجائے عاجزی اور فروتنی ہوتی ہے۔

**﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾** ”اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔“

عربی میں جاہل کا معنی اُن پڑھ یا بے علم آدمی نہیں، بلکہ اس سے مراد اُجڈ اور مشتعل مزاج شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے اور کسی شریف آدمی سے بدتمیزی کا برتاؤ کرے۔

”عباد الرحمن“ کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جاہل اور اُجڈ قسم کے لوگ ان کی بات کو سمجھنے اور اس سے اثر لینے کی بجائے پنجابی محاورہ کے مطابق ان سے محض سینگ پھنسانا چاہتے ہیں یعنی انہیں خواہ مخواہ بحث و مباحثہ میں الجھانا چاہتے ہیں تو انہیں سلام کر کے وہ اپنی راہ لیتے ہیں۔ کیونکہ ایسی گفتگو یا بحث سے وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک سمجھدار اور معقول آدمی کو چاہیے کہ وہ مناسب انداز میں دوسرے کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرے، لیکن جب اسے محسوس ہو کہ اس کا مخاطب جان بوجھ کر بات کو سمجھنا نہیں چاہتا اور خواہ مخواہ کی بحث میں الجھنا چاہتا ہے تو وہ کسی قسم کی بد مزگی پیدا کیے بغیر خود کو ایسی صورت حال سے الگ کر لے۔

**آیت ۶۴ ﴿وَالَّذِينَ يَسْتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾** ”اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہوئے۔“

جہاں تک پانچ نمازوں کا تعلق ہے وہ تو فرائض میں شامل ہیں۔ ان نمازوں کی پابندی بندہ مؤمن کی سیرت کی بنیاد ہے۔ چنانچہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں جب بندہ مؤمن کے کردار کی اساسات پر بات ہوئی تو وہاں نماز پنج گانہ کی محافظت کا ذکر ہوا: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ ۹۔ لیکن یہاں چونکہ اللہ کے ان خصوصی بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ سے دوستی کا شرف اور اس کا قرب نصیب ہو چکا ہے اس لیے یہاں جس نماز کا ذکر ہوا ہے وہ نماز بھی خصوصی ہے یعنی نماز تہجد۔ چنانچہ اللہ کے یہ نیک بندے اپنے رب کے حضور راتوں کی تنہائیوں میں اس وقت حاضر ہوتے ہیں جب دوسرے لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور یوں وہ اپنی راتیں اُس کے سامنے اس طرح گزار دیتے ہیں کہ کبھی حالت قیام میں ہیں اور کبھی سر بسجود ہیں۔

**آیت ۶۵** ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ ﴿۶۵﴾ ”اور (اس کے باوجود) وہ لوگ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! عذابِ جہنم کو ہم سے پھیر دے، یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والی شے ہے۔“

سورۃ النور میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کی ایسی ہی کیفیت بیان فرمائی ہے: ﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ ﴿۳۷﴾ ”وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن (کے خیال) سے جس میں دل اور نگاہیں الٹ دیے جائیں گے۔“ یعنی اگرچہ وہ اپنی ہر مصروفیت پر اللہ کے ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر حالت میں نماز قائم کرتے ہیں، مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ احتسابِ آخرت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

**آیت ۶۶** ﴿إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا﴾ ﴿۶۶﴾ ”یقیناً وہ بہت بُری جگہ ہے مستقل ٹھکانے کے لیے بھی اور عارضی قیام کے لیے بھی۔“

دنیا میں عام طور پر انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ہر دم تبدیلی چاہتا ہے۔ تبدیلی کے طور پر وہ تھوڑی دیر کے لیے بری سے بری جگہ پر بھی تفریح محسوس کرتا ہے اور اگر اسے اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل رہنا پڑے تو وہاں اسے بہت جلد اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کے برعکس جنت اور جہنم کی کیفیت یکسر مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق جنت ایسی پُرکشش جگہ ہے کہ وہاں مستقل رہنے کے باوجود اہل جنت کو اس کی دلچسپیوں اور رعنائیوں میں ذرہ بھر کمی محسوس نہیں ہوگی اور جہنم میں اگر کوئی انسان ایک لمحہ کے لیے بھی چلا گیا تو وہ اپنی ساری سختیاں اس پر اسی ایک لمحے میں ظاہر کر دے گی۔

**آیت ۶۷** ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ ﴿۶۷﴾ ”اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔“

اگرچہ کسی بھی معاملے میں اعتدال قائم رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے مگر اللہ کے ان بندوں کی سیرت ایسی پختہ (mature) ہوتی ہے کہ انہیں اپنے اخراجات کے اندر اعتدال اور توازن قائم رکھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

**آیت ۶۸** ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ ”اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو“

﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ ”اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو جس کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی کبھی وہ زنا کرتے ہیں“

حق سے مراد یہاں وہ قانونی صورتیں ہیں جن صورتوں میں کسی انسان کی جان لی جاسکتی ہے، یعنی قتل کے بدلے قتل، مرتد کا قتل، حربی کافر کا قتل اور شادی شدہ زانی کا رجم۔

اس آیت میں تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہوا ہے: شرک، قتلِ ناحق اور زنا۔ شرک کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو دفعہ فرما دیا کہ مشرک کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اور قتل ایسا بھیانک گناہ اور جرم ہے جس

سے تمدن کی جڑ کٹتی ہے جبکہ زنا سے معاشرہ گندگی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ایسے کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے لیے چھوٹے گناہوں سے معافی کی خوشخبری سنائی ہے: ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّمَّا تَنْهَوْنَ عَنْهُ نَغْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (النساء) ”اگر تم لوگ بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ بخش دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ داخل کریں گے۔“ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ (۶۸) ”اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا وہ اس کی سزا کو حاصل کر کے رہے گا۔“

**آیت ۶۹** ﴿يُضَعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا﴾ ”قیامت کے دن اُس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں رہے گا ہمیشہ ہمیش ذلیل ہو کر۔“

یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس سے قیامت کے دن سے پہلے کا عذاب ثابت ہوتا ہے یعنی جو عذاب اس شخص کو اس سے پہلے دیا جا رہا ہوگا قیامت کے دن اس عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ منکرینِ حدیث عذابِ قبر کو نہیں مانتے۔ ان کا اصرار ہے کہ قرآن مجید میں عذابِ قبر کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگرچہ قرآن میں صراحتاً عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے، لیکن بعض آیات سے واضح طور پر برزخی زندگی کا عذاب ثابت ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے مجرمین عذابِ جہیل رہے ہوں گے اور یقیناً اس عذاب سے عذابِ قبر یا عذابِ برزخ ہی مراد ہے۔ بہر حال احادیث میں عذابِ قبر کے بارے میں بہت تفصیلات ملتی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اور یہ کہ قبر میں یا تو جنت کی ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں سے ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی ہے یا پھر دوزخ کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے آگ کی لپٹ اور لو آتی ہے۔

**آیت ۷۰** ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ”سوائے اُس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے“

گویا جو شخص اس طرح کے کبیرہ گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اگرچہ قانوناً اس کا شمار کافروں میں نہیں ہوتا مگر حقیقی ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے یہاں توبہ کے بعد ایمان کی شرط بھی رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کی توبہ دراصل از سر نو ایمان لانے کے مترادف ہے۔ بہر حال اگر اس نے موت کے آثار نظر آنے سے پہلے پہلے (مَا لَمْ يُغْرِغْ) توبہ کر لی تو اس کو عذاب سے استثناء مل سکتا ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ ”تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔“

اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نامہ اعمال میں جو برائیوں کا اندراج تھا وہ صاف کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ نیکیوں کا اندراج ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ توبہ کرنے سے انسان کے دامنِ اخلاق کے دھبے دھل جاتے ہیں اور اس کا دامن صاف شفاف ہو جاتا ہے۔



﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ”اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔“

**آیت ۷۱** ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾ ”اور جس نے توبہ کی اور نیک

اعمال کیے تو ایسا شخص توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق۔“

یعنی توبہ کے بعد گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا اور تقویٰ کی روش اختیار کر لی تو یہی اصل توبہ ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ ادا کرتا رہے اور استغفار کی تسبیحات پڑھتا رہے، سوالا کھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھوا کر ختم بھی دلائے مگر اس کی حرام خوری جوں کی توں رہے اور وہ گناہوں سے باز نہ آئے تو اس کی توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

**آیت ۷۲** ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ ”اور وہ لوگ جو جھوٹ پر موجود نہیں رہتے“

یہ صرف جھوٹ کی گواہی سے بچنے کی بات نہیں بلکہ اس سے ایسی بلند تر کیفیت کا ذکر ہے جس کے اندر جھوٹی گواہی سے بچنے کا مفہوم ضمنی طور پر خود بخود آ جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے یہ نیک بندے حق و صداقت کی غیرت و حمیت میں اس قدر پختہ ہوتے ہیں کہ کسی ایسی جگہ پر وہ اپنی موجودگی بھی گوارا نہیں کرتے جہاں جھوٹ بولا جا رہا ہو یا جھوٹ پر مبنی کوئی دھند اہور ہا ہو۔

﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ ”اور جب وہ کسی لغو کام پر سے گزرتے ہیں تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔“

اگر ان لوگوں کا کہیں اتفاق سے کسی کھیل تماشے اور لغو کام پر سے گزر ہو تو وہ اس سے اپنا دامن بچا کر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں۔ یہی مضمون سورۃ المؤمنون میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ کہ مؤمنین ہر قسم کی لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

**آیت ۷۳** ﴿وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾ ”اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔“

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جب قرآنی آیات کو پڑھتے یا سنتے ہیں تو ان کا رویہ اندھوں یا بہروں جیسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان پر غور و فکر اور تدبیر کرتے ہیں۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ وہ قریش مکہ کی طرح اندھے اور بہرے بن کر اللہ کی آیات کی مخالفت پر کمر نہیں کس لیتے۔ اس مفہوم میں اس آیت کا انداز طنزیہ ہوگا کہ جو رویہ مشرکین مکہ نے کلام اللہ کے ساتھ اپنا رکھا ہے اللہ کے نیک بندوں کا ایسا رویہ نہیں ہوتا۔ سورۃ محمد میں کفار کے اس رویے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ ”کیا یہ لوگ قرآن میں تدبیر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟“ بہر حال ”عباد الرحمن“ کے مقام و مرتبہ سے یہ بات فروتر ہے کہ وہ قرآن کو اندھے اور بہرے ہو کر مانیں یا پڑھیں۔

**آیت ۷۴** ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ ”اور وہ لوگ کہہ جاتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما“

یعنی جس راستے پر ہم چل رہے ہیں ہمارے اہل و عیال کو بھی اسی راستے پر چلنے والا بنادے تاکہ ان کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، کیونکہ اللہ کے ان نیک بندوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو اسی میں ہوگی کہ ان کے گھر والے بھی اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں اور اللہ کی بندگی کے راستے کو اختیار کریں۔ اس کے برعکس اگر گھر کا سربراہ اللہ کے دین پر چلنے والا ہو اور اس کے اہل و عیال کی ترجیحات کچھ اور ہوں تو گھر کے اندر کشیدگی اور کش مکش کا ماحول پیدا ہو جائے گا جو ان میں سے کسی کے لیے بھی باعث سکون نہیں ہوگا۔

﴿وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ ”اور ہمیں متقیوں کا امام بنا!“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ”عباد الرحمن“ امامت اور پیشوائی کے لیے بے قرار ہیں بلکہ اس دعا کو اس حوالے سے سمجھنا چاہیے کہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کے بیوی بچے اس کے تابع اور پیروکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ گھر کے سربراہ کی دعا اور خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اہل و عیال کو بھی متقی بنادے۔ اس امامت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ میدانِ حشر میں ہر انسان کے اہل و عیال اور اس کی نسل کے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ عباد الرحمن کی یہ دعا اس لحاظ سے بھی بر محل ہے کہ اے اللہ! میدانِ حشر میں ہم جن لوگوں کے سربراہ یا لیڈر بنیں ان کو بھی نیک اور پرہیزگار بنادے تاکہ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہو کر ہماری خوشی اور اطمینان کا باعث بنیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھے آنے والی نسلوں کے لوگ جہنم کے مستحق ٹھہریں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))<sup>(۱)</sup> کہ تم میں سے ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی سی ہے اور تم میں سے ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔ اس لحاظ سے ہر آدمی کے اہل و عیال اس کی رعیت ہیں اور اپنی اس رعیت کے بارے میں وہ مسئول ہوگا۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے لیے اسے کوشش بھی کرنی چاہیے اور دعا بھی۔

**آیت ۷۵** ﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں

بالا خانے ملیں گے“

اللہ تعالیٰ دنیا میں بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ ایک نیک انسان کی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جب اس کے سامنے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔ یہ راستہ بے حد پُرکشش بھی ہے اور آسان بھی۔ دوسری طرف نیکی اور اللہ کی فرمانبرداری کے راستے پر استقامت کے ساتھ چلنے کے لیے قدم قدم پر انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے اور شہواتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک بندہ مؤمن کی پوری زندگی ہی صبر سے عبارت ہے۔ چنانچہ اس کے اس صبر کا بدلہ اسے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کی صورت میں دیا جائے گا۔

﴿وَيُلْقَوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا﴾ ”اور ان میں ان کا استقبال کیا جائے گا دعاؤں اور سلام

(۱) یہ حدیث بخاری و مسلم کی متعدد کتب و ابواب میں موجود ہے۔

کے ساتھ۔“

**آیت ۷۶** ﴿خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾ ”وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل قیام کے لیے بھی اور تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لیے بھی۔“

یہ گویا ان الفاظ کا تقابل (contrast) ہے جو آیت ۶۶ میں وارد ہوئے: ﴿سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾ **آیت ۷۷** ﴿قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۝﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں، اگر نہ ہوتا تمہیں پکارنا۔“

بنی نوع انسان کو راہ ہدایت دکھانے اور اس سلسلے میں ان پر اتمام حجت کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس قانون کی وضاحت سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝﴾ کہ ہم کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان کے درمیان رسول مبعوث نہ کر دیں۔ اسی حوالے سے یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور حق کی دعوت دینا مشیت الہی کے تحت ضروری نہ ہوتا تو میرے رب کو تم لوگوں کی کچھ بھی پروا نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت اور قانون کے تحت تمہاری طرف مبعوث فرما کر مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میں اس کا پیغام تم لوگوں تک پہنچاؤں۔ اس کے لیے میں سالہا سال سے تمہارے پیچھے خود کو ہلکان کر رہا ہوں۔ گلیوں اور بازاروں میں تمہارے پیچھے پھرتا ہوں، تمہارے گھروں میں جا کر تم لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ خفیہ اور علانیہ ہر طرح سے تم لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔ تم لوگ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے یا تمہارے بغیر میرے رب کا کوئی کام ادھورا پڑا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے رب کے حضور تمہاری حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔ اگر اللہ کو تمہیں راہ ہدایت دکھا کر اتمام حجت کرنا منظور نہ ہوتا، اور اس کے لیے میرا تمہیں مخاطب کرنا ناگزیر نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے پیچھے نہ پھرتا۔

﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝﴾ ”اب جبکہ تم نے جھٹلادیا ہے تو عنقریب یہ (عذاب تمہیں) چٹ کر رہے گا۔“

یعنی تمہارے اس انکار کی پاداش میں تم لوگوں کو سزا مل کر رہے گی۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰



# سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

## تمہیدی کلمات

سورة الفرقان کے تمہیدی کلمات کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ اس گروپ کی آٹھ مکی سورتوں میں سے سورة الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ ان میں سے دو سورتوں (الشعراء اور القصص) کا آغاز طسّم سے ایک سورت (النحل) کا طسّ سے اور چار سورتوں (العنكبوت، الروم، لقمان اور السجدة) کا آغاز آلّم سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اضافی طور پر یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کی کل چھ سورتیں آلّم سے شروع ہوتی ہیں جن میں سے سورة البقرة اور سورة آل عمران مدنی ہیں جبکہ مذکورہ چار مکی ہیں۔

سورة الشعراء کو مکی سورتوں میں اس اعتبار سے امتیاز حاصل ہے کہ اس کی آیات کی تعداد (۲۲۷) مکی سورتوں میں سب سے زیادہ ہے۔ (حجم کے اعتبار سے مکی سورتوں میں سورة الاعراف سب سے بڑی ہے لیکن اس کی آیات ۲۰۷ ہیں۔) سورة الشعراء اپنی چھوٹی چھوٹی آیات، تیز ردھم اور مؤثر صوتی آہنگ کی بنا پر سورة الحجر سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس کی آیت ۲۱۴ کے حوالے سے تاریخی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول ابتدائی چار برس کے دوران ہوا تھا۔ ویسے تو ابتدائی دور میں نازل ہونے والی اکثر و بیشتر سورتیں مصحف کی ترتیب میں سورہ ق کے بعد یعنی آخری منزل میں رکھی گئی ہیں لیکن سورة الحجر اور سورة الشعراء کو مشیت الہی سے مصحف کے درمیانی حصے میں رکھا گیا ہے یعنی پچھلے گروپ میں سورة الحجر اور اس گروپ میں سورة الشعراء۔

میرے خیال میں اس ترتیب میں یہ حکمت ہے (ممکن ہے کوئی اور بڑی حکمت بھی ہو جس تک میرے فہم کی رسائی نہ ہو) کہ ان دونوں گروپس میں یکے بعد دیگرے بہت سی ایسی سورتیں ہیں جو اپنے انداز اور مضامین کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔ چنانچہ ایک جیسی سورتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے دونوں گروپس میں مختلف انداز کی ایک ایک سورت شامل کر دی گئی ہے تاکہ تلاوت کے دوران انسان کی دلچسپی میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ سورة الشعراء کا زیادہ تر حصہ انباء الرسل پر مشتمل ہے اور اس میں بھی انہی چھ رسولوں اور ان کی قوموں کے واقعات کی تفصیل ہے جن کا ذکر اس سے پہلے سورة الاعراف اور سورة ہود میں بھی آچکا ہے۔ البتہ اس سورت میں ان واقعات کی ترتیب مختلف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ بھی ہے۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل تذکرہ ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اس کے بعد باقی پانچ رسولوں کے حالات بالکل اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں جس ترتیب سے مذکورہ دونوں سورتوں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ سورت کا آخری رکوع خاصا طویل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ کی وساطت سے دراصل اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۵

طَسَمَ ۱ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۳ إِنَّ نَسْأًا نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۴ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحَدِّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۵ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۶ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۷ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۸ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۹ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۰

آیت ۱ ﴿طَسَمَ ۱﴾ ”ط س م۔“

آیت ۲ ﴿تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲﴾ ”یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔“

آیت ۳ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۳﴾ ”(اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس صدمے میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے۔“

آیت ۴ ﴿إِنَّ نَسْأًا نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۴﴾ ”اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔“  
انہیں ایسی کوئی نشانی دکھا دینا ہماری قدرت سے کچھ بعید نہیں، لیکن اپنی خاص حکمت اور مشیت کے تحت ہم ایسا نہیں کر رہے۔ آگے چل کر اسی سورت میں اس حکمت کا ذکر بھی آئے گا۔

آیت ۵ ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحَدِّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۵﴾ ”اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔“  
انہیں مختلف انداز سے سمجھایا جا رہا ہے، انداز بدل بدل کر آیات نازل کی جا رہی ہیں، مگر یہ لوگ ہیں کہ کسی نصیحت اور کسی یاد دہانی سے اثر لینے کو تیار ہی نہیں۔

آیت ۶ ﴿فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۶﴾ ”تو اب جبکہ وہ جھٹلا چکے ہیں تو عنقریب ان تک پہنچ جائیں گی خبریں اس چیز کی جس کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“  
یعنی عذابِ الہی کے ذریعے عنقریب ان کی پکڑ ہونے والی ہے۔

آیت ۷ ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۷﴾ ”کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس میں ہم نے کس قدر عمدہ چیزیں اُگائی ہیں ہر قسم کی!“

آیت ۸ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۸ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۹﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔“

لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

اگر یہ لوگ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ پوری کائنات ہی معجزہ ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ان کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿البقرة﴾

”یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے الٹ پھیر میں، اور کشتیوں (جہازوں) میں جو سمندروں (یا دریاؤں) میں لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے، پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات اس کے اندر پھیلا دیے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان، یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔“

**آیت ۹ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾** ”اور یقیناً آپ کا رب بہت غالب، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

یہاں ایک نکتہ لائق توجہ ہے کہ قرآن میں عام طور پر العزیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دوسرا صفاتی نام الحکیم آتا ہے، مگر اس سورت میں العزیز الرَّحِيم کی تکرار ہے۔ دراصل اس کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ”العزیز“ ہے یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے، وہ جو چاہے کرے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت مہربان، شفیق اور رحیم بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پلک جھپکنے میں آسمان سے ایسا معجزہ اتار دے جس کے سامنے انہیں اپنی گردنیں جھکانے کے سوا چارہ نہ رہے۔ جیسا کہ قبل ازیں آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ﴿إِنْ نَشَأْ نُنْزِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ﴾ ”اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔“ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عظیم مظہر ہے کہ وہ فوری طور پر کوئی حسی معجزہ دکھا کر ان لوگوں کی مدتِ مہلت کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس دودھ کو کچھ دیر اور بلولیا جائے، شاید کہ اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ شاید ان میں بھلائی کی استعداد رکھنے والے مزید کچھ لوگ موجود ہوں اور اس طرح انہیں بھی راہِ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔ بہر حال اس وجہ سے ان کے مسلسل مطالبے کے باوجود بھی انہیں معجزہ نہیں دکھایا جا رہا تھا، مگر وہ نادان اپنے اس مطالبے کے پورا نہ ہونے کو آپ ﷺ کے خلاف ایک دلیل کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

## آیات ۱۰ تا ۱۵

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿قَوْمٌ فَرَعُونَ﴾ ۱۰ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿قَالَ رَبِّ



إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونُ ۖ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأُرْسِلُ إِلَى هَارُونَ ۖ  
وَلَهُمْ عَلَى ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۗ قَالَ كَلَّا ۖ فَادْهَبَا بِأَيَّتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ۖ  
فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَنْ أُرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ قَالَ  
أَلَمْ نُرِكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَيْسَتْ فِينَا مِنْ عُمَرِكَ سِنِينَ ۖ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ  
وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۖ قَالَ فَعَلْتُمَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ ۖ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْكُمْ  
فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي  
إِسْرَءِيلَ ۖ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۖ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ  
إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۖ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ ۖ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ  
قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا  
بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۖ قَالَ لِمَنْ اتَّخَذَتِ إِلَهًا غَيْرِي لَا جُعَلْتُكَ مِنَ  
الْمَسْجُودِينَ ۖ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ۖ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ  
فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ۖ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بِيضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ۖ قَالَ لِلْمَلَأِ  
حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ۖ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۖ  
قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْبَدَايِنِ حَاشِرِينَ ۖ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلَيْهِمْ ۖ فَجَمَعَ  
السَّحَرَةُ لِبَيْقَاتٍ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ۖ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۖ لَعَلَّنَا نَبْغِ السَّحَرَةَ  
إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْكُلُ لُحْمَ  
الْغُلَامِينَ ۖ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَبِينَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقُوا مَا أَنْتُمْ  
مُفْتَقُونَ ۖ فَالْقُوا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۖ فَالْقَى  
مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۖ فَالْقَى السَّحَرَةُ سِحْرَ مُوسَى ۖ قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ  
الْعَالَمِينَ ۖ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ۖ قَالَ أَمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ  
الَّذِي عَلَّمَكُمُ السَّحَرَ ۖ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ لَا قُطْعَنَ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ  
وَلَا صَلْبَيْكُمَا جَمْعِينَ ۖ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۖ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا  
خَطِيئَاتِنَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ

آیت ۱۰ ﴿وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنِ اتَّيْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝﴾ ”اور یاد کرو جب پکارا تھا آپ کے

رب نے موسیٰ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے پاس۔“

آیت ۱۱ ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ أَلا يَتَّقُونَ﴾ (یعنی) قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں؟“

آیت ۱۲ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ﴾ ”اُس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے

اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔“

﴿وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ﴾ ”اور میرا سینہ بھنپتا ہے اور

میری زبان بھی رواں نہیں لہذا آپ (یہ پیغام) ہارون کی طرف بھیجے!“

تاکہ اس عظیم مشن میں وہ میرے دست و بازو بنیں اور اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ﴾ ”اور میرے ذمے ان کا ایک جرم بھی ہے

چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔“

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبیلی قتل ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ القصص میں آئے

گی۔ اگرچہ یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطا تھا، لیکن تھا تو بہر حال قتل۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ درست تھا کہ

وہ انہیں دیکھتے ہی گرفتار کر لیں گے اور مقدمہ چلا کر سزائے موت کا مستحق ٹھہرا دیں گے۔

آیت ۱۵ ﴿قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِالْبَيْتِ إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ﴾ ”اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! تو تم دونوں

جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں سب سننے والے ہیں۔“

آیت ۱۶ ﴿فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”تو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور

اسے کہو کہ ہم رسول ہیں رب العالمین کے۔“

آیت ۱۷ ﴿أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ﴾ ”کہ بھیج دو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔“

کہ اب تم بنی اسرائیل کو مزید تنگ نہ کرو اور انہیں آزاد کر کے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔

آیت ۱۸ ﴿قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلَيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ﴾ ”فرعون نے کہا کہ کیا ہم

نے تمہیں چھوٹے ہوتے اپنے ہاں پالا نہیں تھا؟ اور تم نے اپنی زندگی کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے ہیں۔“

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی غیر ضروری تفصیل چھوڑ دی جاتی

ہیں۔ چنانچہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر پہنچنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے دربار میں جا کر

اسے دعوت دینے سے متعلق تمام تفصیلات کو چھوڑ کر فرعون کے جواب کو نقل کیا گیا ہے کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو

ہم نے دریائے نیل میں بہتے ہوئے صندوق سے نکالا تھا اور پھر پال پوس کر بڑا کیا تھا؟ آیت زیر مطالعہ میں

قرآن کے الفاظ کا امکانی حد تک مناسب انداز میں ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے، لیکن جس ماحول اور جس

انداز میں فرعون نے یہ جملے کہے ہوں گے ان کا تصور کریں تو مفہوم کچھ یوں ہوگا کہ تم ہمارے ٹکڑوں پر پلے ہو اور

آج اللہ کے رسول بن کر ہمارے ہی سامنے آکھڑے ہوئے ہو۔ ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں!



[سورة الاعراف کی آیات ۱۰۴، ۱۰۵ کے ذیل میں یہ وضاحت آچکی ہے کہ یہ وہ فرعون نہ تھا جس کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی تھی بلکہ یہ اس کا بیٹا تھا۔ زیر مطالعہ آیت کے اسلوب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ وہی فرعون ہوتا تو کہتا کہ میں نے تجھے پالا پوسا، لیکن یہ کہہ رہا ہے کہ تو ہمارے ہاں رہا ہے اور ہم نے تیری پرورش کی ہے۔]

**آیت ۱۹** ﴿وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۱۹﴾ ”اور تم نے جو اپنا وہ کام کیا جو کیا، اور تم ناشکروں میں سے ہو۔“

فرعون نے اپنے مزعومہ احسانات جتلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی یاد دلایا کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو بھی قتل کیا ہوا ہے۔ اور آخر میں بڑی رعونت سے کہا کہ تم کتنے ناشکر گزار اور احسان فراموش ہو!

**آیت ۲۰** ﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝۲۰﴾ ”موسیٰ نے کہا: میں نے وہ تب کیا تھا جب کہ میں نادانقوں میں سے تھا۔“

یعنی یہ فعل مجھ سے نادانستگی میں ہوا تھا اور اُس وقت میں ابھی حقیقت سے نا آشنا بھی تھا۔ ابھی رسالت اور نبوت مجھے نہیں ملی تھی اور میں خود تلاش حقیقت میں سرگرداں تھا۔ لفظ ”الضّالّ“ کے دو مفاہیم کے بارے میں سورة الفاتحہ کے مطالعے کے دوران وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس لفظ کے ایک معنی تو راستے سے بھٹک جانے والے اور غلط فہمی کی بنا پر کوئی غلط راستہ اختیار کر لینے والے کے ہیں، لیکن اس کے علاوہ جو شخص ابھی درست راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی مفہوم میں یہ لفظ سورة الضحیٰ کی اس آیت میں حضور ﷺ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝۲﴾ کہ ہم نے آپ کو تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو راہنمائی فرمادی!

**آیت ۲۱** ﴿فَفَرَزْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ ”پھر میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا جب مجھے تم سے خوف محسوس ہوا۔“

اس واقعہ کے بعد میں تم لوگوں سے ڈر کر تمہارا یہ علاقہ چھوڑ کر چلا گیا۔

﴿فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۲۱﴾ ”پھر میرے رب نے مجھے حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا۔“

اب اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور حکمت اور قوت فیصلہ کی دولت بھی عطا کی ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي إِسْرَآءِ ۝۲۲﴾ ”اور یہ وہ احسان ہے جو تم مجھے جتلا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!“

ان الفاظ کے تیور بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے تھے کہ اپنے محل میں ایک اسرائیلی بچے کی پرورش کرنے کا تمہارا احسان کیا تمہیں یہ جواز فراہم کرتا ہے کہ تم پوری بنی اسرائیل قوم کو اپنا غلام بنائے رکھو؟ میری پرورش کرنے کا کارنامہ تو تمہیں بروقت یاد آ گیا لیکن میری قوم کو جو تم نے



غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اس کا کوئی تذکرہ تم نے نہیں کیا۔ یہاں عَبْدٌ کا لفظ لائق توجہ ہے۔ ”تَعْبِيد“ کے معنی کسی کو غلام اور فرمانبردار بنالینے کے ہیں۔ اسی سیاق و سباق میں ایک دوسری جگہ فرعون کا یہ فقرہ اس لفظ کے مفہوم کو مزید واضح کرتا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبْدُونَ﴾ (المؤمنون) ”اور ان دونوں کی قوم تو ہماری غلام ہے!“

**آیت ۲۳** ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ”فرعون نے پوچھا کہ یہ رب العالمین کون ہے؟“  
تم نے دعویٰ کیا ہے کہ تم رب العالمین کے رسول ہو اور اُس کی طرف سے بھیجے گئے ہو تو یہ رب العالمین کون ہے؟

**آیت ۲۴** ﴿قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ﴾ ”موسیٰ نے جواب دیا: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کا آقا اور مالک۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو!“  
**آیت ۲۵** ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ آلَا تَسْمِعُونَ﴾ ”فرعون نے اپنے ارد گرد لوگوں سے کہا: کیا آپ سن نہیں رہے؟“

اس فقرے کے صحیح مفہوم اور موقع محل کو سمجھنے کے لیے فرعون کے دربار کا تصور ذہن میں لانا ضروری ہے۔ تصور کیجیے! دربار سجا ہے تمام اعیان سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہیں۔ اس بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام براہ راست فرعون سے مخاطب ہیں اور اس گفتگو کو تمام درباری رو بروں رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ترکی بہ ترکی گفتگو اور بے باک لہجے کے سامنے فرعون کھسیانا ہو چکا ہے۔ اپنی اس خفت کو چھپانے کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینے کے بجائے پلٹ کر اپنے درباریوں کی طرف دیکھتا ہے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں نے سنا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے اس انداز کو خاطر میں لائے بغیر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہیں:

**آیت ۲۶** ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”اُس نے کہا کہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباء و اجداد کا بھی رب ہے۔“

**آیت ۲۷** ﴿قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ﴾ ”فرعون نے (درباریوں سے) کہا کہ تمہارا یہ رسول جسے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً مجنون ہے۔“

گویا فرعون مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آنکھیں چرا رہا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دینے کے بجائے وہ پھر اپنے درباریوں سے ہی مخاطب ہوا ہے۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے اب اس نے طنزیہ انداز اختیار کیا ہے کہ مجھے تو یہ صاحب جو تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں مجنون لگتے ہیں ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں لگتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی اس بات کو بھی نظر انداز کر کے اپنی گفتگو اسی جوش اور بے باکی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں:

**آیت ۲۸** ﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”اُس نے کہا کہ وہ

مشرق و مغرب کا بھی رب ہے اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا بھی۔ اگر تم عقل رکھتے ہو!“

گویا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے طور پر دربار پر چھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف فرعون کے مکالمات اور انداز سے اس کی بے بسی صاف نظر آرہی ہے۔ آیات میں درج مکالمات کی مدد سے اس پورے منظر کو اگر ڈرامائی انداز میں پیش کیا جائے تو بہت دلچسپ اور عبرت انگیز صورت حال کی تصویر سامنے آسکتی ہے۔ (میں نے میڈیکل کالج میں اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران ان آیات کے ترجمے سے ڈرامے کا ایک سکرپٹ تیار کیا تھا: ”ایک رسول بادشاہ کے دربار میں!“)

**آیت ۲۹** ﴿قَالَ لَئِنْ اتَّخَذْتُ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۝۲۹﴾ ”اُس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔“

صورت حال فرعون کی برداشت سے باہر ہوگئی تو اس کا غصہ اور مطلق العنانیت کا جلال اس کی خفت پر غالب آگیا۔ اس کیفیت میں اس نے گرجتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی، مگر یہ قتل کے بجائے صرف جیل میں ڈالنے کی دھمکی تھی۔ اس سے یوں لگتا ہے جیسے ابھی تک فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی، کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ دونوں اکٹھے کھیلے اور ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے اس کے بڑے بھائی کی طرح تھے۔

**آیت ۳۰** ﴿قَالَ أَوْلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۝۳۰﴾ ”موسیٰ نے جواب دیا: اگرچہ میں تمہارے پاس کوئی واضح چیز لے کر آیا ہوں؟“

**آیت ۳۱** ﴿قَالَ فَاتِّبِعْنِي ۚ إِنَّ كُنْتُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝۳۱﴾ ”وہ بولا: تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو!“

**آیت ۳۲** ﴿فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝۳۲﴾ ”چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک صریح اژدہا بن گیا۔“

واضح رہے کہ سورہ طہ کی آیت ۲۰ میں عصا کی تبدیلی ہیئت کے لیے ”حَيَّةٌ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی عام سانپ کے ہیں اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ کو وادی طویٰ میں پہلی بار اس کا تجربہ کرایا گیا تھا۔ جبکہ فرعون کے دربار میں وہ ”ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ“ یعنی واضح طور پر ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا تھا۔

**آیت ۳۳** ﴿وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِ ۝۳۳﴾ ”اور انہوں نے اپنا ہاتھ (اپنے گریبان سے) کھینچا تو وہ سفید چمکدار تھا دیکھنے والوں کے لیے۔“

**آیت ۳۴** ﴿قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ۝۳۴﴾ ”فرعون نے اپنے ارد گرد موجود سرداروں سے کہا کہ یہ تو واقعتاً ایک ماہر جادوگر ہے۔“

کہ یہ اتنا عرصہ جہاں کہیں بھی رہا ہے جادو سیکھتا رہا ہے اور لگتا ہے کہ اس فن میں اس نے خوب مہارت حاصل کر لی ہے — اور اب:

**آیت ۳۵** ﴿يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۚ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝۳۵﴾ ”یہ چاہتا ہے کہ اپنے

اس جادو کے بل پر تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے، تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟“ لغوی اعتبار سے ”امر“ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور مشورہ کے بھی، مگر یہاں یہ لفظ مشورہ کے معنی دے رہا ہے۔ فرعون کے اس فقرے سے اس کی تشویش صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ گویا صورت حال اس کے اندازے سے کہیں بڑھ کر پیچیدہ اور گھمبیر تھی۔

**آیت ۳۶** ﴿قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دے دیں اور بھیج دیں تمام شہروں میں نقیب۔“

**آیت ۳۷** ﴿يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٍ﴾ ”وہ لے آئیں آپ کے پاس تمام ماہر جادو گروں کو۔“ ہر کارے شاہی پیغام لے کر پورے ملک میں پھیل جائیں، ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹیں اور جہاں جہاں سے کوئی ماہر جادو گر ملے سب کو اکٹھا کر کے دربار شاہی میں پیش کر دیں۔

**آیت ۳۸** ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ﴾ ”تو یوں جمع کر لیے گئے تمام جادو گر ایک مقررہ دن کے وعدے پر۔“

**آیت ۳۹** ﴿وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُّجْتَمِعُونَ﴾ ”اور لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟“ اس کے بعد عوام میں بھی منادی کرائی گئی کہ وہ بھی طے شدہ وقت کے مطابق مقررہ جگہ پر پہنچ جائیں۔

**آیت ۴۰** ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعَ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ﴾ ”تا کہ ہم پیروی کر لیں جادو گروں کی اگر وہی غالب رہیں۔“

کہ موسیٰ اگر اپنے جادو کے زور سے ہمیں مرعوب و مغلوب کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اپنی قوم کے جادو گروں کی سرداری قبول کر کے ان کی پیروی کریں اور موسیٰ کے بجائے ان کی پناہ میں آجائیں!

**آیت ۴۱** ﴿فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّا لَنَأَجُزَّاءُ إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ﴾ ”تو جب جادو گر آ پہنچے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا ہمیں انعام ملے گا، اگر ہم غالب آ گئے؟“

**آیت ۴۲** ﴿قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ ”اُس نے کہا ضرور! اور تب تم لوگ یقیناً مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔“

خلعتیں اور انعامات بھی ملیں گے اور اس کے علاوہ تم لوگوں کو دربار میں اعلیٰ مناصب عطا کر کے میں اپنے مقرب مصاحبین میں بھی شامل کر لوں گا۔

**آیت ۴۳** ﴿قَالَ لَهُمُ مُوسَى الْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلقُونَ﴾ ”موسیٰ نے ان سے کہا کہ پھینکو تم لوگ جو کچھ پھینکنے والے ہو!“

**آیت ۴۴** ﴿فَالْقُوا جِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ﴾ ”تو انہوں نے پھینک ڈالیں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں“

﴿وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ﴾ ”اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم، یقیناً ہم ہی



غالب رہنے والے ہوں گے!“

آیت ۲۵ ﴿فَالْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ﴾ ﴿۲۵﴾ ”اب موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو

یکا یک وہ نکلنے لگا اُس فریب کو جو انہوں نے بنایا تھا۔“

ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو بظاہر سانپ دکھائی دے رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اڑ دھا بن کر انہیں نکلنا شروع کر دیا۔

آیت ۲۶ ﴿فَالْقَىٰ السَّحَرَةُ سَجْدِينَ﴾ ﴿۲۶﴾ ”تو سارے جادو گر بے اختیار سجدے میں گرا دیے گئے۔“

الْقَىٰ صیغہ مجہول ہے، یعنی وہ سجدے میں خود نہیں گرے بلکہ گرا دیے گئے۔ مطلب یہ کہ اپنے جادو کے زائل ہونے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ اس طرح بے اختیار سجدوں میں گر گئے جیسے کسی نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

آیت ۲۷ ﴿قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿۲۷﴾ ”اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے

آئے ہیں۔“

آیت ۲۸ ﴿رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ ﴿۲۸﴾ ”جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔“

آیت ۲۹ ﴿قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ﴾ ﴿۲۹﴾ ”فرعون نے کہا: کیا تم لوگ ایمان لے آئے ہو اس

سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا!“

فرعون پُر جلال انداز میں گرجا کہ تمہاری یہ جرأت کہ مابدولت کی اجازت کے بغیر تم لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا!

﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ ﴿۳۰﴾ ”یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔“  
کہ مجھے تمہاری سازش کا پتا چل گیا ہے۔ یقیناً یہ تمہارا استاد اور گرو گھنٹال ہے جس سے تم جادو سیکھتے رہے ہو۔ تمہارا یہاں آنا اور مقابلہ کرنا محض ایک ڈھونگ تھا اور اب اس سے یوں تمہارا ہار مان لینا تمہاری باہمی ملی بھگت اور نوراکشتی کا نتیجہ ہے۔

﴿فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۳۱﴾ ”تو بہت جلد تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔“

﴿لَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا صَلْبَتَكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ﴿۳۲﴾ ”میں تمہارے ہاتھ اور

پاؤں کاٹ ڈالوں گا مخالف سمت سے اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔“

آیت ۵۰ ﴿قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ﴾ ﴿۵۰﴾ ”انہوں نے کہا: کوئی پروا نہیں! یقیناً ہم اپنے

رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

آیت ۵۱ ﴿إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا﴾ ﴿۵۱﴾ ”یقیناً ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو

بخش دے گا۔“

اب ہمیں اگر کچھ طمع ہے، تو بس یہی ہے اور ہمارے دل میں اگر کوئی خواہش، کوئی آرزو اور تمنا ہے تو ایک

ہی ہے کہ ہمارا رب ہماری کچھلی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

﴿أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۵۱﴾ ”کہ ہم ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔“  
کہ ہم نے سب سے پہلے اللہ کے رسول کی تصدیق کی ہے اور کوئی دوسرا اس معاملے میں ہم پر سبقت نہیں لے جاسکا۔

## آیات ۵۲ تا ۶۸

وَإِذْ أَخْبَرْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكَ مُتَّبَعُونَ ۖ فَارْتَلِفُوا فِي الْمَدَائِنِ  
حَشِرِينَ ۖ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشُرُذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۖ وَإِنَّا لَجَبِيهٌ  
حَذِرُونَ ۖ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّتِ وَعُيُونٍ ۖ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۖ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا  
بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا  
لَمُدْرِكُونَ ۖ قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۖ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ  
بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۖ وَأَزَلَّانَا تَمَّ الْآخِرِينَ ۖ  
وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا  
كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

آیت ۵۲ ﴿وَإِذْ أَخْبَرْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكَ مُتَّبَعُونَ ۖ﴾ ”اور ہم نے وحی کر دی موسیٰ کی جانب کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔“  
آیت ۵۳ ﴿فَارْتَلِفُوا فِي الْمَدَائِنِ حَشِرِينَ ۖ﴾ ”تو فرعون نے تمام شہروں میں (پھر) نقیب بھیج دیے۔“

بنی اسرائیل کے تعاقب کی غرض سے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے پورے ملک میں پھر ڈھنڈورچی اور ہرکارے بھیج دیے گئے یہ کہہ کر کہ:

آیت ۵۴ ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشُرُذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۖ﴾ ”یقیناً یہ تو مٹھی بھر لوگ ہیں۔“  
آیت ۵۵ ﴿وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۖ﴾ ”اور بلاشبہ انہوں نے ہمارے غصے کو بھڑکا دیا ہے۔“  
بنی اسرائیل کے مصر سے نکل بھاگنے کی حرکت نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے۔ اب ہم انہیں عبرتناک سزا دیں گے۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ”ان کے اندر ہماری وجہ سے غصہ ہے۔“ یعنی اگرچہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں لیکن ہم انہیں جو نکالیف پہنچاتے رہے ہیں اس وجہ سے وہ ہم پر بھرے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہ دل جلے لوگ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَذِرُونَ ۖ﴾ ”اور یقیناً ہم سب خطرے میں پڑنے والے ہیں۔“

ہمیں ان کی طرف سے کسی بڑے اقدام کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی پوری قوت کو مجتمع کر کے ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔

**آیت ۵۷** ﴿فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۵۷﴾ ”پس یوں نکالا ہم نے انہیں باغات اور چشموں میں سے۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝۵۸﴾ ”اور خزانوں اور بہت عمدہ قیام گاہوں سے۔“  
اس صورت حال میں انہیں اپنے باغات، چشمے، گھربار، جاگیریں وغیرہ جن میں وہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگیاں بسر کر رہے تھے سب کچھ چھوڑ کر نکلنا پڑا۔

**آیت ۵۹** ﴿كَذٰلِكَ ۙ وَاَوْدَتْهَا بَنِي اِسْرَآءِیْلَ ۝۵۹﴾ ”اسی طرح ہوا۔ اور ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل نے بعد میں واپس آ کر ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیا، بلکہ مراد یہ ہے کہ بعد میں بنی اسرائیل کو ہم نے دنیوی مال و دولت اور اقتدار سے نوازا اور ایک وقت آیا کہ یہی تمام چیزیں انہیں مل گئیں۔

**آیت ۶۰** ﴿فَاتَّبَعُوهُمْ مُّشْرِقِينَ ۝۶۰﴾ ”تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا صبح ہوتے ہی۔“  
صبح کی روشنی ہوتے ہی فرعون اور اس کے لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

**آیت ۶۱** ﴿فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُیْنَ قَالَ اَصْحٰبُ مُوسٰی اِنَّا لَمُدْرِكُوْنَ ۝۶۱﴾ ”پھر جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔“

جب فرعون لشکر تعاقب کرتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا تو بنی اسرائیل کو اپنے پکڑے جانے کا یقین ہو گیا۔  
**آیت ۶۲** ﴿قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّیْ سَیْهْدِیْنِ ۝۶۲﴾ ”موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میرے لیے راستہ پیدا کر دے گا۔“

اس آیت کے یہ الفاظ سورۃ التوبہ کی آیت ۴۰ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے ہیں جو حضور ﷺ نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائے تھے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ”(اے ابوبکر!) آپ پریشان نہ ہوں یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

**آیت ۶۳** ﴿فَاَوْحٰیْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۝۶۳﴾ ”تو ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو!“

﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝۶۴﴾ ”تو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔“

اپنے مفہوم کے اعتبار سے آیت کے الفاظ بہت واضح ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان الفاظ کی لایعنی تاویل کر کے اس واقعہ کو مدوجز قرار دے تو اسے صرف ڈھٹائی ہی کہا جاسکتا ہے۔ فَلَاقَ کے معنی پھٹنے کے



ہیں اور یہ مادہ اس مفہوم کے ساتھ قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ جیسے: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ (الانعام: ۹۶) ”چاک کرنے والا صبح کی سفیدی کو“۔ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ (الفلق) ”کہیے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی“۔ چنانچہ اس آیت میں بھی لفظ فلق کے لغوی معنی ہی مراد ہیں، یعنی سمندر پھٹ گیا اور اس کے دونوں حصے پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ مدوجزر کی کیفیت میں نہ تو سمندر پھٹتا ہے اور نہ ہی اس کا پانی چٹان یا پہاڑ کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاویل کے مقابلے میں آیت کے الفاظ کا لغوی اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو قرآن کے اس فرمان کی حقانیت بھی ثابت ہو جاتی ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾ ”(حم السجدة: ۴۲) کہ باطل اس کتاب پر حملہ نہیں کر سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یعنی قرآن اپنے مفاہیم و معانی کی حفاظت بھی خود کرتا ہے۔

**آیت ۶۲** ﴿وَأَزَلُّنَا تَمَّ الْآخِرِينَ ④﴾ ”اور ہم قریب لے آئے وہیں پر دوسروں کو بھی۔“

جب سمندر پھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس راستے سے نکل گئے۔ عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی آپہنچا اور اس نے بھی اپنا لشکر اسی راستے پر ڈال دیا۔

**آیت ۶۵** ﴿وَأَنْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ⑤﴾ ”اور ہم نے نجات دے دی موسیٰ کو اور ان کے ساتھ جو کوئی بھی تھا سب کو۔“

**آیت ۶۶** ﴿ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ⑥﴾ ”پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو۔“

**آیت ۶۷** ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ⑦﴾ ”یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مشرکین مکہ کو کوئی نشانی چاہیے تو وہ اس واقعہ کو دیکھ لیں۔ اور اگر انہیں اس میں کوئی نشانی نظر نہیں آتی تو پھر کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گا۔ چنانچہ آپ خواہ کتنی ہی کوشش کریں ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔

**آیت ۶۸** ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑧﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب بہت زبردست نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ بہت طاقتور اور سب پر غالب ہے۔ وہ جو چاہے حکم کرنے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ مشرکین کو ایسا کوئی حسی معجزہ نہ دکھایا جائے جس سے ان کی مہلت ختم ہو جائے۔

## آیات ۶۹ تا ۱۰۴

وَإِنَّا عَلَيْهِمْ نَبَأٌ إِبْرَاهِيمَ ⑨ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ⑩ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا ⑪ فَنَنْظِلُّ لَهَا مِنْ سَحَابٍ مَدِينٍ ⑫ أَوْ يَنْفَعُونَكُم ⑬ أَوْ يَضُرُّونَ ⑭ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ⑮ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ⑯

أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۖ فَاتَّهَمُوا عِدُوِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۚ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ  
يَهْدِينِ ۚ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۚ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۚ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ  
يُحْيِينِ ۚ وَالَّذِي أَطْعَمُنِي أَنْ يَقْبَلَنِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۚ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقِّقْ  
بِالصَّالِحِينَ ۚ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۚ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۚ  
وَاعْفُ رِلايَ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۚ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۚ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۚ  
إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۚ وَأُزِلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۚ وَبُرِزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ ۚ وَقِيلَ  
لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۚ فَكُفُّوا فِيهَا  
هُمْ وَالْغَاوُونَ ۚ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۚ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۚ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي  
ضَلَالٍ مُبِينٍ ۚ إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا النُّجْرُمُونَ ۚ فَمَا لَنَا مِنْ  
شَافِعِينَ ۚ وَلَا صِدِّيقٍ حَمِيمٍ ۚ فَاكْوَأَنَّ لَنَا كِرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ

آیت ۶۹ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ﴾ ”اور ان کو ابراہیم کی خبر پڑھ کر سنائیے۔“

آیت ۷۰ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ﴾ ”جب اُس نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم  
لوگ یہ کن کو پوجتے ہو؟“

آیت ۷۱ ﴿قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُ لَهَا عَافِيَةً﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کو پوجتے  
ہیں اور انہی کے سامنے گیان دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں۔“

آیت ۷۲ ﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ﴾ ”اُس نے پوچھا: کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں  
جب تم انہیں پکارتے ہو؟“

جب تم ان سے دعا کرتے ہو اور ان کے سامنے گڑ گڑاتے ہو تو کیا وہ تمہاری دعائیں اور تمہاری باتیں سنتے ہیں؟  
آیت ۷۳ ﴿أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ﴾ ”یا وہ تمہیں کوئی نفع یا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں؟“

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان منطقی سوالات کا اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکے:

آیت ۷۴ ﴿قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ ”انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے آباء و  
اجداد کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔“

ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے چنانچہ ہم نے بھی ان کی پیروی میں وہی طریقہ  
اختیار کر لیا ہے۔



آیت ۷۵ ﴿قَالَ اقْرَأْ يَتُومَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ﴾ ”ابراہیمؑ نے کہا: بھلا دیکھو تو! یہ جنہیں تم لوگ پوجتے ہو۔“

آیت ۷۶ ﴿أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ﴾ ”تم اور تمہارے پہلے باپ دادا۔“  
 آیت ۷۷ ﴿فَانْهَمُ عِدُوِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ ”یہ سب میرے تو دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔“  
 حضرت ابراہیمؑ نے گویا علی الاعلان کہہ دیا کہ تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کے ان معبودوں سے میری دشمنی ہے۔ میرا معبود اور مددگار صرف وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میرا تکیہ اور توکل بس اُسی کی ذات پر ہے۔

آیت ۷۸ ﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ﴾ ”جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔“  
 آیت ۷۹ ﴿وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ﴾ ”اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔“  
 آیت ۸۰ ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ ”اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔“  
 یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف۔  
 آیت ۸۱ ﴿وَالَّذِي يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ﴾ ”اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔“  
 آیت ۸۲ ﴿وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ﴾ ”اور وہی ہے جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ روزِ جزا میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔“

ابھی تک حضرت ابراہیمؑ اپنے والد اور اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ اب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں:

آیت ۸۳ ﴿رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ ”اے میرے پروردگار! تو مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے اپنے صالح بندوں میں شامل کر دے۔“  
 آیت ۸۴ ﴿وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ ”اور میرے لیے بنا دے سچی ناموری پچھلے لوگوں میں۔“

یعنی بعد میں آنے والی نسلیں میرا ذکر اچھے انداز میں کریں اور میرا نام عزت سے لیں۔  
 آیت ۸۵ ﴿وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ﴾ ”اور مجھے بنا دے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے۔“

آیت ۸۶ ﴿وَاعْفُ رِيبًا إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور میرے والد کو بخش دے یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔“

آیت ۸۷ ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ ”اور مجھے رسوا نہ کیجیو اُس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔“



آیت ۸۸ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾ ”جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔“

جس دن اللہ کی پکڑ سے نہ دولت بچا سکے گی اور نہ اولاد۔

آیت ۸۹ ﴿إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ ”سوائے اُس کے جو آئے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر۔“

سلیم کے معنی ہیں: سلامتی والا۔ قلبِ سلیم یا فطرتِ سلیمہ سے ایسا دل ایسی فطرت یا ایسی روح مراد ہے جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک یعنی اپنی اصلی حالت پر ہو۔ قیامت کے دن جو شخص ایسے پاکیزہ دل کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا اسے اس دن کی ہولناکیوں سے بچا لیا جائے گا۔

آیت ۹۰ ﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور جنت قریب لائی جائے گی متقین کے لیے۔“

آیت ۹۱ ﴿وَبُورِزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ﴾ ”اور جہنم بھی ظاہر کر دی جائے گی باغیوں کے لیے۔“

آیت ۹۲ ﴿وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ﴾ ”اور اُن سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم پوجا کرتے تھے؟“

آیت ۹۳ ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُم أَوْ يَنْتَصِرُونَ﴾ ”اللہ کے سوا کیا اب وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا (تمہاری طرف سے) کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟“

آیت ۹۴ ﴿فَكَبِكُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ﴾ ”پھر اوندھے ڈال دیے جائیں گے اس (جہنم) میں وہ اور سب گمراہ لوگ۔“

آیت ۹۵ ﴿وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ﴾ ”اور ابلیس کے لشکر بھی سب کے سب۔“

آیت ۹۶ ﴿قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ﴾ ”وہ کہیں گے جبکہ وہ اس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑ رہے ہوں گے۔“

آیت ۹۷ ﴿تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ ”اللہ کی قسم! یقیناً ہم ہی تھے کھلی گمراہی میں۔“

آیت ۹۸ ﴿إِذْ نُسَوِّدُكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”جب ہم تمہیں تمام جہانوں کے پروردگار کے برابر ٹھہراتے تھے۔“

جہنم میں تمام گمراہ لوگوں کو اُن کے معبودانِ باطل کو اور شیاطین جن کو اوپر تلے اوندھے منہ جھونک دیا جائے گا۔ یہاں وہ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ گمراہ لوگ اپنے معبودوں کو مخاطب کر کے اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے۔ وہ تسلیم کریں گے کہ انہیں اللہ ہی کو ربِّ العالمین ماننا چاہیے تھا جو سب اختیارات کا مالک ہے اور وہی مغفرت بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے اللہ کے مقابلے میں جھوٹے معبود گھڑ لیے انہیں اللہ کے برابر ٹھہرا لیا اور یوں انہوں نے کھلی گمراہی میں پڑ کر خود کو برباد کر لیا۔

آیت ۹۹ ﴿وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ﴾ ”اور نہیں گمراہ کیا ہمیں لیکن ان مجرموں نے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ﴾ ”تو اب یہاں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔“

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝﴾ ”اور نہ کوئی مخلص دوست۔“

آیت ۱۰۲ ﴿فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ ”تو اگر ہمیں ایک مرتبہ لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم مؤمن بن جائیں گے۔“

آیت ۱۰۳ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

آیت ۱۰۴ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب بہت زبردست نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

## آیات ۱۰۵ تا ۱۲۲

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ ۙ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ ۝۱۰۵  
 آمِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ  
 الْعَالَمِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ قَالُوا أَنْتُمْ لَكُمْ وَابِّعَكَ الْاِرْذُلُونَ ۖ قَالَ وَمَا  
 عَلَيَّ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ إِنْ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ۖ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۖ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۖ قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ  
 الْمَرْجُومِينَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۖ فَاقْتَرِبْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا وَنَجِّنِي وَمَنْ  
 مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَانْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ ۖ ثُمَّ أَعْرَقْنَا بَعْدَ  
 الْبَقِيَّةِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الرَّحِيمُ ۖ

۱۰۵

اب آگے انباء الرسل کا تذکرہ پھر اسی زمانی ترتیب سے ہو رہا ہے جس ترتیب سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود میں ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں ہر رکوع کے آخر میں دو آیات ترجعی کلمات کے طور پر بار بار دہرائی جائیں گی۔

آیت ۱۰۵ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ﴾ ”جھٹلایا نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو۔“

آیت ۱۰۶ ﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ ۙ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ﴾ ”یاد کرو جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟“

آیت ۱۰۷ ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ﴾ ”یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“

مجھے اللہ کی طرف سے تمہاری طرف جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ میں بلا کم و کاست تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں۔

آیت ۱۰۸ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

واضح رہے کہ رسولؐ کی دعوت کے ہمیشہ دو حصے رہے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ ہے: فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا عَبْدُوا اللَّهَ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یا اللہ کی بندگی کرو! اور دوسرا حصہ ہے: وَأَطِيعُوا مَنْ يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِحُكْمٍ مِثْلِي مِثْلِي اطاعت کرو! اس لیے کہ رسولؐ کی شخصی اطاعت لازم ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۶۴) میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسولؐ کو مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے“۔ اس سورۃ مبارکہ میں یہ نکتہ ہر رسولؐ کے حوالے سے بار بار دہرایا گیا ہے۔

**آیت ۱۰۹** ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ ”اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں۔“  
**﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾** ”میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔“

**آیت ۱۱۰** ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!“

**آیت ۱۱۱** ﴿قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ لَدُنْكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ﴾ ”انہوں نے کہا: کیا ہم تمہاری بات مانیں جبکہ تمہاری پیروی کرنے والے گھٹیا لوگ ہیں!“

حضرت نوحؑ کی قوم کے سردار اور اشراف آپؑ کی دعوت حق کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم آپؑ کو کیسے مان لیں جبکہ آپؑ کی پیروی اختیار کرنے والے تو ہمارے کئی کمین ہیں ہمارے معاشرے کے پسماندہ طبقات کے لوگ ہیں جنہیں حقیر اور رذیل سمجھا جاتا ہے!

**آیت ۱۱۲** ﴿قَالَ وَمَا عَلِمْتُمْ بِيَمَانِي مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”نوحؑ نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ کیا کام کرتے ہیں!“

یعنی تمہارے اپنے معیارات ہیں۔ تمہارے نزدیک عزت کا معیار دولت اور وجاہت ہے اس لیے ایک غریب مزدور کو تم لوگ گھٹیا انسان سمجھتے ہو مگر مجھے اس اعتبار سے کسی کے پیشے سے کوئی سروکار نہیں۔ یہی اعتراض سردار ان قریش کو حضور ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ آپؐ پر ایمان لانے والوں میں اکثریت مزدوروں اور غلاموں کی ہے۔ جیسے حضرت خباب بن الارتؓ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے اور سردار ان قریش ایک غریب لوہار کے ساتھ بیٹھنا کیسے گوارا کر سکتے تھے! بہر حال نہ تو مزدوری کرنا یا محنت سے اپنی روزی کمانا کوئی شرم کی بات ہے اور نہ ہی اس طرح کے پیشے سے کوئی آدمی گھٹیا ہو جاتا ہے۔

**آیت ۱۱۳** ﴿إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ﴾ ”ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے کاش کہ تم لوگوں کو شعور ہوتا۔“

**آیت ۱۱۴** ﴿وَمَا أَنَا بِظَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور میں ان مؤمنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔“

**آیت ۱۱۵** ﴿إِنِّي أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ ”میں تو بس ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔“

**آیت ۱۱۶** ﴿قَالُوا لَيْسَ لَكَ تَنْتِهٍ يَنْوَحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: اے نوحؑ! اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔“

**آیت ۱۱۷** ﴿قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ﴾ ”اے میرے پروردگار! میری قوم



نے مجھے جھٹلادیا ہے۔“

**آیت ۱۱۸ ﴿فَاتُخَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا﴾** ”تو اب دو ٹوک فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے مابین“  
یعنی ایسا کھلا فیصلہ جس کے بعد حق کے احقاق اور باطل کے ابطال میں کوئی شک یا ابہام نہ رہ جائے۔  
**﴿وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾** ”اور نجات دے دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان میں سے۔“

**آیت ۱۱۹ ﴿فَانَجِّنْهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ﴾** ”تو ہم نے نجات دے دی اُس کو بھی اور ان کو بھی جو اُس کے ساتھ تھے ایک بھری کشتی میں۔“  
یہ کشتی پوری طرح بھری ہوئی تھی کیونکہ اس میں انسانوں (مؤمنین) کے علاوہ ہر قسم کے حیوانات کے ایک ایک جوڑے کو بھی سوار کر لیا گیا تھا تا کہ ان کی نسل کو محفوظ رکھا جاسکے۔

**آیت ۱۲۰ ﴿ثُمَّ اغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ﴾** ”پھر ہم نے اس کے بعد باقی سب کو غرق کر دیا۔“  
**آیت ۱۲۱ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾** ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

**آیت ۱۲۲ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾** ”اور یقیناً آپ کا رب بہت زبردست نہایت رحم والا ہے۔“

## آیات ۱۲۳ تا ۱۴۰

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالِينَ ۚ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۚ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ ۚ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۚ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۚ وَجَنَّتْ وَعُيُونٌ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۚ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعَّظِينَ ۚ إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۚ وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّيْنَ ۚ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ

ع

**آیت ۱۲۳ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ﴾** ”قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔“  
**آیت ۱۲۴ ﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ﴾** ”جب ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ کیا

تم ڈرتے نہیں ہو!“

آیت ۱۲۵ ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“

آیت ۱۲۶ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

آیت ۱۲۷ ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور میں تم سے

اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں، میری اجرت تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمے ہے۔“

آیت ۱۲۸ ﴿اتَّبِعُونِ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ﴾ ”کیا تم لوگ تعمیر کرتے ہو ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار

عبث کام کرتے ہو۔“

تم لوگ بغیر کسی مقصد اور افادیت کے جگہ جگہ بڑی بڑی عمارتیں محض اپنی یادگاروں کے طور پر تعمیر کر دیتے ہو۔ یہ فضول ریت ہر تمدن اور ہر قوم میں رہی ہے۔ ہر دور کے امراء اور حکمران زرخیر خرچ کر کے بڑی بڑی عمارتیں محض اس لیے تعمیر کرتے رہے ہیں کہ وہ دنیا میں ان کی یادگاروں کے طور پر قائم رہیں۔ اہرام مصر اور تاج محل ان یادگاروں کی مثالیں ہیں جن پر اپنے اپنے زمانے میں کروڑ ہا روپیہ خرچ کیا گیا مگر انسانیت کے لیے ان کی افادیت کچھ بھی نہیں ہے۔ قوم عاد کے امراء بھی ایسی یادگاریں بنانے کے شوقین تھے۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾ ”اور تم بناتے ہو ایسے شاندار محل کہ شاید تمہیں

ہمیشہ (ان میں) رہنا ہے۔“

ایسی یادگاریں اور ایسے محلات تو بعد میں بھی قائم رہتے ہیں مگر انہیں بنانے والے باقی نہیں رہتے۔ جیسے غرناطہ اور قرطبہ کے محلات تو اب بھی موجود ہیں مگر ان کے مکینوں کا آج کہیں نام و نشان نہیں۔ بہر حال ان محلات کو تعمیر کروانے والوں نے تو انہیں ایسے ہی بنایا تھا جیسے انہیں ہمیشہ ان میں رہنا ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ﴾ ”اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو ظالموں کی

طرح گرفت کرتے ہو۔“

جب تم کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہو تو ظلم و جبر کی انتہا کر دیتے ہو۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

آیت ۱۳۲ ﴿وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اُس کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں مدد

پہنچائی ہے ان چیزوں کے ذریعے جن کو تم جانتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اولاد عطا کی ہے، مال و اسباب سے نوازا ہے، خوشحالی اور فارغ البالی دی ہے، وسیع خطہ زمین بخشا ہے اور تمہاری اس زمین کو خصوصی طور پر زرخیز بنایا ہے۔ اور تم لوگ اس اللہ کو خوب پہچانتے ہو جس کی طرف سے تمہیں یہ تمام نعمتیں ملی ہیں۔

آیت ۱۳۳ ﴿أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ﴾ ”اُس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے چوپایوں اور بیٹوں کے ذریعے۔“

آیت ۱۳۴ ﴿وَجَنَّتْ وَعُيُونٌ﴾ ”اور باغات اور چشموں کے ذریعے۔“

آیت ۱۳۵ ﴿إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ ”مجھے تو اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا۔“

آیت ۱۳۶ ﴿قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ (اے ہود) ہمارے لیے برابر ہے خواہ تم وعظ کرو یا نہ کرو۔“

آپ کے اس وعظ کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوگا، ہم آپ کے کہنے پر اپنے عقائد اور اپنے باپ دادا کے طریقوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳۷ ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی باتیں۔“

آپ ہمارے سامنے پرانے زمانے کی باتوں اور فرسودہ روایات کو دہرا رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باتیں تو بس یوں ہی چلی آئی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ﴾ ”اور ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔“

یہ آپ خواہ مخواہ ہم پر دھونس جمارہے ہیں، ہم پر کوئی عذاب وغیرہ آنے والا نہیں ہے۔

آیت ۱۳۹ ﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ﴾ ”چنانچہ انہوں نے اُس کو جھٹلادیا، تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

آیت ۱۴۰ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب زبردست ہے نہایت رحم فرمانے والا۔“

## آیات ۱۴۱ تا ۱۵۹

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ ۖ أَلا تَتَّقُونَ ۚ إِنَّ لَكُمْ رَسُولًا أَمِينًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتُتْرَكُونَ فِيهَا هُنَا أَمِينٌ ۖ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۖ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۖ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۖ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۖ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۖ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَأْتِ بَآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ ۖ لَهَا شَرِبٌ وَلَكُمْ شَرِبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۖ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ فَعَقَرُوها فَاصْبَحُوا نُذَمِينَ ۖ



فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۵۱ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵۲

آیت ۱۴۱ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۴۱﴾ ”(اسی طرح) قوم ثمود نے رسول کو جھٹلایا۔“  
 آیت ۱۴۲ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ صَلِّحْ اِلَّا تَتَّقُوْنَ ۝۱۴۲﴾ ”جب ان کے بھائی صالح نے انہیں کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟“

آیت ۱۴۳ ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ۝۱۴۳﴾ ”یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“  
 آیت ۱۴۴ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۝۱۴۴﴾ ”پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“  
 آیت ۱۴۵ ﴿وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۴۵﴾ ”اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، میری اجر تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمے ہے۔“  
 آیت ۱۴۶ ﴿اَتَتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَا اٰمِيْنًا ۝۱۴۶﴾ ”کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے ان (نعمتوں) میں یہاں امن سے!“

تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں تمہیں میسر ہیں، یونہی امن و سکون اور اطمینان سے ہمیشہ رہنے دیے جاؤ گے اور یہ نعمتیں کبھی تم سے جدا نہ ہوں گی؟  
 آیت ۱۴۷ ﴿فِیْ جَنَّتٍ وَعُیُوْنٍ ۝۱۴۷﴾ ”ان باغات اور چشموں میں۔“  
 آیت ۱۴۸ ﴿وَزُرُّوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝۱۴۸﴾ ”اور کھیتوں اور زرم و ملائم خوشوں والی کھجوروں میں۔“  
 آیت ۱۴۹ ﴿وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ یُّوْتًا فَرٰهِيْنَ ۝۱۴۹﴾ ”اور تم پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بناتے ہو اتراتے ہوئے!“

آیت ۱۵۰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۝۱۵۰﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“  
 آیت ۱۵۱ ﴿وَلَا تُطِيعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۵۱﴾ ”اور مت مانو حد سے بڑھنے والوں کا حکم۔“  
 آیت ۱۵۲ ﴿الَّذِيْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝۱۵۲﴾ ”جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔“

آیت ۱۵۳ ﴿قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝۱۵۳﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ (اے صالح) تم نہیں ہو مگر ایک سحر زدہ شخص۔“

یعنی آپ پر یقیناً جادو یا آسیب کے اثرات ہیں جو اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔

آیت ۱۵۴ ﴿مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاتِّبٰیۡةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۵۴﴾ ”تم نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے ایک انسان، تو لے آؤ کوئی نشانی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!“



آیت ۱۶۱ ﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”جب کہا ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟“

آیت ۱۶۲ ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“

آیت ۱۶۳ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

آیت ۱۶۴ ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور میں تم سے

اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں، نہیں ہے میری اجرت مگر تمام جہانوں کے رب کے ذمے۔“

آیت ۱۶۵ ﴿آتَاوَنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”کیا تمام جہانوں میں تم ہی (شہوت کے لیے)

مردوں کے پاس جاتے ہو؟“

دنیا جہان میں ایک تم ہی ایسے لوگ ہو جو شہوت رانی کی غرض سے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ ورنہ انسانوں میں کوئی دوسری قوم یہ حرکت نہیں کرتی، بلکہ یہ کام تو جانور بھی نہیں کرتے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ﴾ ”اور تم چھوڑ دیتے ہو جن کو تمہارے

لیے پیدا کیا ہے تمہارے رب نے تمہاری بیویوں میں سے۔“

اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑوں کے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی شہوت کا تقاضا مردوں سے پورا کرتے ہو۔

﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ﴾ ”بلکہ تم تو حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔“

آیت ۱۶۷ ﴿قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اے لوط! اگر

تم باز نہ آئے تو یہاں سے نکال باہر کیے جاؤ گے۔“

اگر آپؑ اپنی اس وعظ و نصیحت سے اور ہم پر تنقید کرنے سے باز نہ آئے تو ہم آپؑ کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔

آیت ۱۶۸ ﴿قَالَ إِنِّي لَعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ﴾ ”اُسؑ نے کہا کہ میں تو تمہارے ان طور طریقوں سے

سخت بیزار ہوں۔“

آیت ۱۶۹ ﴿رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ﴾ ”پروردگار! تو نجات دے مجھے اور میرے گھر

والوں کو ان کے عمل سے۔“

آیت ۱۷۰ ﴿فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ﴾ ”تو ہم نے نجات دی اُسؑ کو بھی اور اُسؑ کے سب گھر

والوں کو بھی۔“

آیت ۱۷۱ ﴿إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ﴾ ”سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔“

یعنی حضرت لوطؑ کی بیوی جو آپؑ پر ایمان نہیں لائی تھی، پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھی۔



آیت ۱۷۲ ﴿ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ﴾ ”پھر ہم نے اٹھا کر پٹخ دیا باقیوں کو۔“  
 آیت ۱۷۳ ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ﴾ ”اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش تو بہت ہی بری تھی وہ بارش جو ان لوگوں پر برسی جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا۔“  
 آیت ۱۷۴ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے لیکن ان کی اکثریت ماننے والی نہیں ہے۔“  
 آیت ۱۷۵ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب بہت زبردست ہے نہایت رحم کرنے والا۔“

### آیات ۱۷۶ تا ۱۹۱

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْمُنَافِقِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۖ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْنُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْحِيلَةَ الْأُولَى ۖ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۖ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَذِبِيِّينَ ۖ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ قَالَ رَبِّ ۖ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمِ الظَّلَّةِ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

۱۷۶

آیت ۱۷۶ ﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ الْمُنَافِقِينَ﴾ ”(اور اسی طرح) اصحاب الایکہ نے بھی جھٹلایا رسولوں کو۔“

”ایکہ“ کے معنی جنگل یا بن کے ہیں۔ یہ لفظ اس سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لیے سورۃ الحجر کی

آیت ۷۸ میں بھی آچکا ہے۔

آیت ۱۷۷ ﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”جب کہا ان سے شعیب نے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟“

آیت ۱۷۸ ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“

آیت ۱۷۹ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا﴾ ”پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

آیت ۱۸۰ ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور میں تم سے

اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں، نہیں ہے میری اجرت مگر تمام جہانوں کے رب کے ذمے۔“  
**آیت ۱۸۱** ﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ﴾ ”پیمانوں کو پورا بھرا کرو اور خسارہ پہنچانے والوں میں سے مت ہو جاؤ۔“

**آیت ۱۸۲** ﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ ”اور وزن کیا کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔“  
**آیت ۱۸۳** ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ ”اور مت گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔“  
**آیت ۱۸۴** ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَىٰ﴾ ”اور ڈرو اُس سے جس نے تمہیں پیدا کیا اور پہلی مخلوق کو بھی۔“

**آیت ۱۸۵** ﴿قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ تم تو بس سحر زدہ لوگوں میں سے ہو۔“

ہم تمہارے بارے میں یہی گمان کرتے ہیں کہ تم محض ایک سحر زدہ شخص ہو۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کے زیر اثر ہمیں نصیحتیں کرتے رہتے ہو۔

**آیت ۱۸۶** ﴿وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَذِبِينَ﴾ ”اور تم نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے ایک انسان اور تمہارے بارے میں ہمارا گمان غالب ہے کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔“

**آیت ۱۸۷** ﴿فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ”تو گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم سچے ہو۔“

**آیت ۱۸۸** ﴿قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اُس نے جواب دیا کہ میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

میری دعوت پر تمہارے ایک ایک ردِ عمل سمیت تمہارے طرزِ عمل اور تمہارے تمام کرتوتوں سے میرا پروردگار خوب واقف ہے۔

**آیت ۱۸۹** ﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ ”تو انہوں نے اُس کو جھٹلا دیا، تو انہیں آپکڑا سائبان والے دن کے عذاب نے۔“

یوں لگتا ہے جیسے اس قوم پر پہلے اوپر سے کوئی عذاب آیا تھا اور ان پر سائبان کی طرح چھا گیا تھا۔  
**﴿إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾** ”یقیناً وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔“

**آیت ۱۹۰** ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

**آیت ۱۹۱** ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب بہت زبردست



یہاں انباء الرسل کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد اب ایک طویل رکوع آ رہا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔

وَأَنَّهُ لَنَزَّلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۖ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۖ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۖ وَأَنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۖ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنُ يَعْلَمَهُ عُلُوقُ ابْنِ إِسْرَءِيلَ ۖ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۖ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۖ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۖ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۖ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۖ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ مَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَكْبِرُونَ ۖ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۖ ذَكَرْنَاهَا وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ وَمَا نَنْزِلُ بِهِ الشَّيْطَانُ ۖ وَمَا يَشْعُرِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۖ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُونَ ۖ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ۖ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۖ وَخَفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرَبِّي ءَمَّاتٌ تَعْمَلُونَ ۖ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۖ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ۖ وَتَقْلُبُكَ فِي السَّجْدِينَ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ نَزَّلُ الشَّيْطَانُ ۖ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۖ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَذِبُونَ ۖ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۖ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۖ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۖ

۱۱  
ع  
۱۵

**آیت ۱۹۲ ﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾** ”اور یقیناً یہ (قرآن) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔“

آیت ۱۹۳ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ ”اُترے ہیں اسے لے کر روح الامین۔“



”الرُّوحُ الْأَمِينُ“ (امانت دار روح) سے مراد جبریل امین علیہ السلام ہیں۔

**آیت ۱۹۴** ﴿عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝۱۹۴﴾ ”آپ کے دل پر تا کہ آپ ہو جائیں خبردار کرنے والوں میں سے۔“

میں نے قبل ازیں بھی بارہا یہ ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات میں اصل مہبط وحی آپ کا قلب مبارک تھا اور قلب مبارک کے اندر آپ ﷺ کی روح وحی کو قبول (receive) کرتی تھی۔ انسانی علم کے حوالے سے یہ بات بھی گزشتہ سطور میں کئی دفعہ دہرائی جا چکی ہے کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک علم تو وہ ہے جو انسان کو اس کے حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اکتسابی علم (Acquired knowledge) ہے جس کے لیے ہر انسان کوشش اور محنت کرتا ہے۔ اس علم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حواسِ خمسہ سے معلومات حاصل کر کے انہیں process کر نیکیے لیے دماغ یا عقل (قرآن میں انسان کی اس صلاحیت کے لیے ”فؤاد“ کا لفظ استعمال ہوا ہے) کے حوالے کرتا ہے۔ شخصی اور اجتماعی سطح پر یہ علم مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست انسانی قلب یا روح پر نازل ہوتا ہے۔ اس Revealed knowledge کی سب سے محفوظ اور مصدقہ صورت وحی کی ہے جو فرشتے کے ذریعے صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی اور اسے شیاطین کی دخل اندازی سے مکمل طور پر محفوظ رکھا جاتا تھا۔ البتہ وحی کا دروازہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس قسم کے براہِ راست علم (وہی علم) کی جو صورتیں عام انسانوں کے لیے ممکن ہو سکتی ہیں ان میں الہام، القاء، کشف، رؤیائے صادقہ (سچے خواب) وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ذریعے سے حاصل ہونے والا علم دین اور شریعت میں حجت نہیں بن سکتا۔ دین اور شریعت میں حجت صرف قرآن اور سنت ہی ہیں۔ البتہ کسی کے ذاتی کشف کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات یا ہدایات اگر شریعت کے خلاف نہ ہوں تو خود اس شخص کے لیے حجت بن سکتی ہیں کسی دوسرے کے لیے نہیں۔

**آیت ۱۹۵** ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝۱۹۵﴾ ”(یہ نازل ہوا ہے) واضح عربی زبان میں“

**آیت ۱۹۶** ﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝۱۹۶﴾ ”اور یقیناً یہ پہلوں کے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔“

اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس کا ذکر اور اس کے بارے میں پیشین گوئیاں سابقہ آسمانی کتب میں پائی جاتی ہیں اور یہ بھی کہ اس کے بنیادی مضامین پہلی کتب اور صحیفوں میں بھی موجود ہیں۔ ان صحیفوں اور تورات و انجیل کی بنیادی تعلیمات وہی تھیں جو قرآن کی تعلیمات ہیں۔ اگر کوئی فرق یا اختلاف تھا تو صرف مختلف شریعتوں کے جزئیاتی احکام میں تھا۔ اس لحاظ سے قرآن ان تمام صحائف و کتب کا مُتِم یعنی تکمیلی ایڈیشن ہے۔

**آیت ۱۹۷** ﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَوُا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۝۱۹۷﴾ ”کیا ان کے لیے یہ نشانی

کافی نہیں ہے کہ اس کو جانتے ہیں علمائے بنی اسرائیل۔“

علمائے بنی اسرائیل بخوبی جانتے تھے کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اللہ کی طرف سے ہے۔

**آیت ۱۹۸** ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝۱۹۸﴾ ”اور اگر ہم نے اس (قرآن) کو نازل کر دیا

ہوتا کسی عجمی پر۔“

آیت ۱۹۹ ﴿فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اور وہ اسے ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“

ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کر دیتے جس کی مادری زبان عربی نہ ہوتی، پھر اگر ایسا شخص انہیں عربی قرآن پڑھ کر سناتا تو یہ گویا ایک کھلا معجزہ ہوتا، لیکن یہ لوگ پھر بھی اسے ماننے والے نہیں تھے۔

آیت ۲۰۰ ﴿كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”اسی طرح ہم نے داخل کر دیا ہے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں۔“

قرآن کا انکار ان لوگوں کے دلوں میں اب ڈیرے جما چکا ہے۔ اب انہیں لاکھ معجزے دکھا دیے جائیں یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۲۰۱ ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ ”یہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک کہ دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو۔“

آیت ۲۰۲ ﴿فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”تو وہ ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں گمان بھی نہیں ہوگا۔“

آیت ۲۰۳ ﴿فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ﴾ ”(اُس وقت) یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟“ اُس وقت یہ دہائی دیں گے کہ کسی طریقے سے وہ عذاب ٹل جائے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دی جائے۔

آیت ۲۰۴ ﴿أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾ ”تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟“ اس وقت تو یہ لوگ آپ سے بار بار مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ لے آئیں ہم پر وہ عذاب جس سے ہمیں آپ ڈراتے ہیں۔ ہم تو آپ کی روز روز کی تنبیہات سے تنگ آ گئے ہیں۔

آیت ۲۰۵ ﴿أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ﴾ ”تو کیا آپ نے دیکھا، اگر ہم انہیں چند سال اور بھی فائدہ اٹھانے دیں!“

آیت ۲۰۶ ﴿ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ ”پھر ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“

آیت ۲۰۷ ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمْتَعُونَ﴾ ”تو کچھ کام نہیں آئے گا ان کے وہ سب کچھ جس سے وہ فائدہ پہنچائے جاتے تھے۔“

دنیا کا مال و متاع جس سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں وہ انہیں اس عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔

آیت ۲۰۸ ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ﴾ ”اور ہم نے کبھی کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔“

**آیت ۲۰۹** ﴿ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ ”یاد دہانی کے لیے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔“  
 گویا اس سلسلے میں یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ ”اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔“ یعنی کسی قوم پر اس وقت تک کبھی عذاب استیصال نہیں آیا جب تک انہیں خبردار کرنے کے لیے کوئی رسول مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ لیکن رسول کے اتمام حجت کرنے کے بعد بھی اگر متعلقہ قوم ایمان نہ لائی تو پھر ایسا عذاب آیا کہ صفحہ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹا دیا گیا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ (الانعام: ۴۵) ”پھر ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔“

**آیت ۲۱۰** ﴿وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ﴾ ”اور اس (قرآن) کو لے کر شیاطین نازل نہیں ہوئے۔“  
 عربوں کے ہاں عام لوگ شاعروں کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قابو میں جن ہوتے ہیں جو ان کو نئی نئی اور اچھی اچھی باتیں اشعار کی شکل میں جوڑ جوڑ کر دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو بعض مشرکین نے اس کے بارے میں بھی کہنا شروع کر دیا کہ اسے شیاطین جن نازل کر رہے ہیں۔  
**آیت ۲۱۱** ﴿وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ ”اور نہ تو ایسا کرنا ان کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔“

**آیت ۲۱۲** ﴿إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمْعَزُولُونَ﴾ ”وہ تو (وحی الہی کے) سننے سے بھی معزول کیے جا چکے ہیں۔“  
 یہ بہت اہم مضمون ہے جو یہاں پہلی دفعہ آیا ہے، لیکن آئندہ سورتوں میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آئے گا۔ اس موضوع پر قرآن سے ہمیں جو معلومات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اور جن آگ سے بنائے گئے ہیں: ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (الرحمن) ”اور پیدا کیا اس نے جنات کو آگ کی لپٹ سے۔“ چونکہ فرشتوں کی طرح جنات کا مادہ تخلیق بھی بہت لطیف ہے اس وجہ سے ان کے لیے فرشتوں کا قرب حاصل کر لینا اور ان سے کچھ معلومات حاصل کر لینا ممکن ہے۔ چنانچہ عام طور پر شیاطین جن کسی نہ کسی حد تک فرشتوں سے عالم بالا کی خبریں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے، لیکن جب بھی کسی رسول کی بعثت ہوتی تو عالم بالا میں خصوصی پہرے بٹھا دیے جاتے تاکہ فرشتوں کے ذریعے وحی کی ترسیل کو محفوظ بنایا جاسکے۔ اسی اصول کے تحت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد عالم بالا کی خاص حدود سے آگے جنوں کا داخلہ مستقل طور پر بند کر دیا گیا اور وہاں سے وہ کسی قسم کی سُن گُن لینے کے اہل نہیں رہے۔ یہی وہ کیفیت اور صورت حال ہے جس کا ذکر آیت زیر مطالعہ میں کیا گیا ہے کہ وہ تو اب سننے سے بھی معزول کر دیے گئے ہیں اور عالم بالا سے ان کے سن گُن لینے کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔ سورۃ الجن میں یہ مضمون قدرے زیادہ وضاحت سے آئے گا۔

**آیت ۲۱۳** ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُكُونَ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ﴾ ”تو مت پکارنا اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو ورنہ تم عذاب پانے والوں میں سے ہو کر رہو گے۔“



**آیت ۲۱۴ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾** ”اور خبردار کیجیے اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔“

اس آیت کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ تقریباً ۳ نبویؐ میں نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس تاریخی ثبوت سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ سورۃ الشعراء بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے۔ یہ سورت اپنی چھوٹی چھوٹی آیات اور تیز آہنگ کے ساتھ شروع سے آخر تک ایک مربوط اور مسلسل خطبے کی صورت میں ہے اور یہ آیت بھی اپنے انداز کے اعتبار سے ماقبل اور مابعد کی آیات سے مختلف نہیں۔ یعنی ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ یہ آیت تو پہلے نازل ہوئی ہو مگر بعد میں نازل ہونے والی سورت میں شامل کر دی گئی ہو۔ بہر حال سورۃ الشعراء نازل تو ابتدائی دور میں ہوئی تھی مگر حکمت خداوندی کے تحت اسے ابتدائی زمانے کی سورتوں (قرآن کی آخری منزل) میں شامل کیے جانے کے بجائے اس کی موجودہ جگہ پر رکھا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۃ الحجر کو پچھلے گروپ کی سورتوں میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ وہ بھی بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دعوت کا اہتمام کرنے کے لیے فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ ہی کے زیر کفالت تھے اور آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تمام بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد آپ انہیں دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے شور و غل مچانا شروع کر دیا اور آپ کی بات سننے بغیر چلے گئے۔ کچھ روز کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ انہیں مدعو فرمایا۔ اس دفعہ کھانے کے بعد چارو ناچار وہ بیٹھے رہے اور آپ نے ان کے سامنے ایک دعوتی خطبہ دیا۔ یہ خطبہ مختصر ہے مگر آپ ﷺ کے عظیم خطبات میں سے ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں احادیث کی کتب میں یہ خطبہ (اپنے علم کی حد تک مجھے وثوق ہے) موجود نہیں ہے البتہ اہل تشیع کی مشہور کتاب ”نہج البلاغہ“ میں یہ خطبہ شامل ہے۔ ”نہج البلاغہ“ بنیادی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات اور خطوط پر مشتمل ہے، لیکن اس کا ایک حصہ حضور ﷺ کے خطبات کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اگرچہ ”نہج البلاغہ“ میں خطبہ کے متن کے ساتھ کسی قسم کی صراحت موجود نہیں کہ یہ خطبہ کس موقع پر ارشاد فرمایا گیا مگر خطبے کے متن اور اسلوب کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کی مذکورہ ضیافت کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ میرے کتابچے ”دعوت الی اللہ“ اور اس کتابچے کے انگلش ترجمے ”Calling People unto Allah“ میں اس خطبے کا پورا متن موجود ہے۔ بہر حال ”دعوت حق“ کے حوالے سے یہ بہت اہم خطبہ ہے۔

**آیت ۲۱۵ ﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾** ”اور اپنے بازو جھکا کر رکھیں ان کے لیے جو آپ کے پیروکار ہیں مؤمنین میں سے۔“

حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ مؤمنین کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور ہمیشہ ان کی دلجوئی فرمائیں۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے سورۃ الشعراء اور سورۃ الحجر کا زمانہ نزول ایک ہی ہے اور اسی لحاظ سے ان دونوں سورتوں میں گہری مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے ملتے جلتے الفاظ سورۃ الحجر کے آخر میں بھی آئے ہیں: ﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔“

**آیت ۲۱۶** ﴿فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِمِمَّا تَعْمَلُونَ ۝۳۱﴾ ”پھر اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں بری ہوں اس سے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

سورۃ الکافرون میں بھی اسی طرح دو ٹوک انداز میں حکم دیا گیا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ ۝﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا اُس کی جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔“ اور پھر آخر میں بہت واضح طور پر اعلانِ براءت کر دیا گیا: ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝﴾ ”تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔“

**آیت ۲۱۷** ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝۳۲﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ بھروسہ کیجیے اُس اللہ پر جو بہت زبردست نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

**آیت ۲۱۸** ﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝۳۳﴾ ”جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔“ اس سے آپ ﷺ کا تہجد کے لیے کھڑے ہونا مراد ہے۔ واضح رہے کہ تہجد کا حکم آپ ﷺ کو بالکل ابتدائی دور میں ہی دے دیا گیا تھا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُ ۝ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾ (المزمل) ”اے چادر میں لپٹنے والے! قیام کیجیے رات میں مگر تھوڑا۔“ تو گویا یہاں اسی حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! جب آپ تہجد کے لیے ہمارے حضور کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت ہم آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم بے شک آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہیں مگر آپ ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾ (الانعام) ”اُسے نگاہیں نہیں پاسکتیں جبکہ وہ تمہاری نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف بھی ہے اور ہر چیز سے باخبر بھی۔“

**آیت ۲۱۹** ﴿وَتَقَلُّبِكَ فِي السَّجْدِينَ ۝۳۴﴾ ”اور (وہ دیکھتا ہے) آپ کے آنے جانے کو سجدہ کرنے والوں میں۔“

حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپ تہجد کی نماز پڑھنے والے مسلمانوں کے گھروں کے پاس سے رات کو گزرتے اور ان کو دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اسی معمول کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔

**آیت ۲۲۰** ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۳۵﴾ ”یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

**آیت ۲۲۱** ﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝۳۶﴾ ”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن پر اُترا کرتے ہیں؟“

اے وہ لوگو! جو سمجھتے ہو کہ یہ قرآن جنّات اور خبیث روحوں کا بنایا ہوا ہے، آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ یہ شیاطین جو ہیں وہ کن لوگوں پر اُترا کرتے ہیں۔

**آیت ۲۲۲** ﴿تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝۳۷﴾ ”وہ تو اُترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے گناہگار پر۔“ یہ تو گویا ”کند ہم جنس با ہم جنس پرواز“ والا معاملہ ہے۔ یعنی گندے اور خبیث کردار دوستی اور قرب کے

لیے اپنے جیسے کرداروں ہی کو ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ شیاطین بھی اپنے التفات کے لیے انسانوں میں سے انہی لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھیں گے جو گناہ اور بدکرداری میں اپنی مثال آپ ہوں۔

**آیت ۲۲۳ ﴿يُلْقُونَ السَّمْعَ وَآكُثْرُهُمْ كَذِبُونَ﴾** ”وہ القا کرتے ہیں سُنی سنائی باتیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔“

**آیت ۲۲۲ ﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾** ”اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔“  
مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ محمد (ﷺ) نے شاعری سیکھ لی ہے اور یہ کہ قرآن دراصل ان کا شاعرانہ کلام ہے۔ اس حوالے سے یہاں دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ شاعروں کے کردار کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ تم خود سوچو کہ ایسے کردار کو ہمارے رسول (ﷺ) کے کردار سے کیا نسبت؟

اس آیت میں شعراء کے پیروکاروں کے بارے میں جو بنیادی اصول بتایا گیا ہے اس میں مجھے کوئی استثناء (exception) نظر نہیں آتا۔ اگرچہ علامہ اقبال کا معاملہ بہت سے اعتبارات سے مختلف ہے مگر ان کے پیروکاروں پر بھی قرآن کا یہ قانون سو فیصد منطبق ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو اس پہلو سے دیکھنا چاہیے کہ علامہ اقبال کے حاشیہ نشینوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا سامنے نہیں آ سکا جس نے ان کے نظریات کی روشنی سے اپنی عملی زندگی کا کوئی گوشہ روشن کیا ہو اور اپنی شخصیت میں بندہ مؤمن کے اس کردار کی کوئی رمق پیدا کرنے کی کوشش کی ہو جس کا نقشہ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ بلکہ علامہ اقبال تو خود اپنے بارے میں بھی اعتراف کرتے ہیں کہ محض گفتار کے غازی تھے:۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا!

اس حوالے سے سورہ یسین کی آیت ۶۹ میں حضور ﷺ کے بارے میں بہت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ ”ہم نے آپ کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور یہ آپ کی شایانِ شان ہی نہیں۔“

**آیت ۲۲۵ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾** ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔“

غزل کے ایک شعر میں شاعر لوگ مشرق کی بات کرتے ہیں تو دوسرے میں مغرب کی۔ ایک مصرعے میں اپنی آسمان کی سیر کا ذکر کرتے ہیں تو دوسرے میں زمین پر آ کر صحرا نوردی کرتے نظر آتے ہیں۔

**آیت ۲۲۶ ﴿وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ﴾** ”اور یہ کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔“

شعراء کے بارے میں سب سے بڑی بات یہاں یہ بتائی گئی کہ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اور یہ عادت بہت گھٹیا کردار کی مظہر ہے۔

**آیت ۲۲۷ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا﴾** ”سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کریں“



یہ البتہ استثنائی حکم ہے۔ کوئی شاعر اگر حقیقی مؤمن ہو اور اعمال صالحہ پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر اللہ پر بھی مداومت کرے تو وہ یقیناً مذکورہ بالا مذمت سے مستثنیٰ ہوگا اور اس کا کلام بھی خیر اور بھلائی کا باعث بنے گا۔ اس سلسلے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مثال دی جاسکتی ہے جو دربارِ نبویؐ کے شاعر تھے۔ عرب میں اس وقت شاعری کا بہت رواج تھا اور مشرکین کے شعراء ہجو یہ اشعار کے ذریعے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ چنانچہ اس میدان میں ان کے جواب کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ فریضہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس لحاظ سے آپؐ سب سے پہلے نعت گو شاعر بھی ہیں۔ البتہ شعراء کے بارے میں قرآن کا یہ تبصرہ اس قدر جامع اور مبنی بر حقیقت ہے کہ استثنائی صورتوں میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کسر رہ ہی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اگرچہ دربارِ نبویؐ کا شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور بطور صحابی بھی ان کا درجہ بہت بلند ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ آپؐ مرد میدان نہیں تھے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر حضور ﷺ نے ان کو اس مکان پر بطور پہرے دار متعین فرمایا تھا جہاں پر مسلمان خواتین کو رکھا گیا تھا۔ حضور ﷺ کی پھوپھی بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو مشکوک انداز میں اس مکان کے آس پاس پھرتے دیکھا تو انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ آپ جا کر اس شخص کو قتل کر دیں۔ یہ سن کر حضرت حسانؓ نے صاف معذرت کر دی کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس پر حضرت صفیہؓ ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر گئیں اور اس لکڑی سے یہودی کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا کام تمام کر دیا۔ واپس آ کر انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ اب آپ جا کر اس یہودی کے ہتھیار وغیرہ اتار کر لے آئیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَأَنْتَصِرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا﴾ ”اور وہ بدلہ لیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا ہو۔“

یہ ان مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ضرورت پیش آنے پر ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے لیے اپنی زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔

جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کفار کی طرف سے حضور ﷺ کے خلاف کہے گئے ہجو یہ اشعار کا جواب دیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ حسان کے اشعار کفار کے خلاف مسلمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ مؤثر ہیں۔ بہر حال ہر چیز کی اپنی جگہ پر اہمیت مسلم ہے۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ ”اور عنقریب یہ ظالم جان لیں گے کہ کس جگہ لوٹ کر جائیں گے!“

ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ اسی طرح کا محاورہ ہے جیسے ہمارے ہاں اردو میں کہا جاتا ہے کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یعنی ابھی ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا، لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب قرآن کا بیان کردہ بھیا نک انجام ان لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوگا۔

# سُورَةُ النَّمْلِ

## تمہیدی کلمات

سورة النمل اس اعتبار سے پورے قرآن میں ایک منفرد سورت ہے کہ اس میں مکی سورتوں کے تین مضامین یعنی التذکیر بآلاء اللہ، انباء الرسل اور قصص النبیین اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان میں سے دو مضامین کچھلی سورت یعنی سورة الشعراء میں بھی آئے ہیں۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قصص النبیین کے انداز میں ہے جبکہ باقی سورت پر انباء الرسل کا رنگ غالب ہے۔ اس کے مقابلے میں سورة النمل ان تین موضوعات کے تحت تقریباً برابر برابر تین حصوں میں تقسیم ہے۔ اس میں تین رسولوں (حضرت موسیٰ، حضرت لوط اور حضرت صالح علیہم السلام) کے واقعات انباء الرسل کے انداز میں ہیں جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قصص النبیین کی طرز پر ہے۔ آخر میں سورت کا تقریباً ایک تہائی حصہ التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۶ تا ۱۲

طَسَّ ۖ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ ۖ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ۚ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زِينَتًا لَّهُمْ أَعْبَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسُونَ ۝ وَأَنكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝

**آیت ۱** ﴿طَسَّ ۖ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ ۖ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ۚ﴾ ”طس۔ یہ قرآن اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔“ اگر ”و“ کو واو تفسیری مانا جائے تو پھر ترجمہ ہوگا: ”یہ قرآن یعنی کتابِ مبین کی آیات ہیں۔“

**آیت ۲** ﴿هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۚ﴾ ”یہ ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔“

**آیت ۳** ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝﴾ ”جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

یعنی آخرت پر ان کا پورا یقین ہے۔ سورة البقرة کے آغاز میں بھی متقین کی صفات کے ضمن میں عقیدہ آخرت پر ایمان کے لیے لفظ ”يُوقِنُونَ“ ہی استعمال ہوا ہے۔ دراصل انسان کے عمل اور کردار کے اچھے یا

بُرائے ہونے کا تعلق براہِ راست عقیدہٴ آخرت کے ساتھ ہے۔ آخرت پر اگر یقین کامل نہیں ہے تو انسان کا عمل اور کردار بھی درست نہیں ہو سکتا۔

**آیت ۴** ﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کر دیا ہے“  
ایسے لوگوں کو اپنے غلط کام بھی اچھے لگتے ہیں اور اپنا کلمچر ہی مثالی نظر آتا ہے۔  
﴿فَهُمْ يَظُنُّونَ ۖ﴾ ”پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔“

ع م ی کے مادہ میں بصارتِ ظاہری کے اندھے پن کا مفہوم ہے جبکہ ع م کے مادہ میں بصیرتِ باطنی کے اندھے پن کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بصارت تو چاہے درست ہو مگر بصیرت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ انسان کی اس کیفیت کو سورۃ الحج میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۖ﴾ ”تو اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔“

**آیت ۵** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسَرُونَ ۖ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے بہت بُرا عذاب ہے اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو آخرت میں سب سے زیادہ خسارے والے ہوں گے۔“

**آیت ۶** ﴿وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۖ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آپ کو یہ قرآن دیا جا رہا ہے ایک حکیم اور علیم ہستی کی طرف سے۔“

## آیات ۷ تا ۱۴

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ ۖ قَبْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ يُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۖ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۖ يُوسَىٰ لَا تَخَفْ ۖ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ۖ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۖ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُلُوًّا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْفَاسِقِينَ ۖ



**آیت ۷** ﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ ”یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اپنے گھر والوں سے کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔“

﴿سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ﴾ ”میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آؤں گا یا کوئی دہکتا ہوا انگارہ لے آؤں گا تا کہ تم (آگ) تپ سکو۔“  
عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رات کا وقت تھا سردی کا موسم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جس سے انہیں کچھ واقفیت نہ تھی۔

**آیت ۸** ﴿فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ”پھر جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں پکارا گیا کہ بہت مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے۔“

﴿وَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“  
**آیت ۹** ﴿يُمُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اے موسیٰ! یہ تو میں ہوں اللہ بہت زبردست کمال حکمت والا۔“

میں اللہ ہوں اور میں ہی آپ سے اس وقت خطاب کر رہا ہوں۔

**آیت ۱۰** ﴿وَأَلْقِ عَصَاكَ﴾ ”اور اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو۔“  
﴿فَلَمَّا رَاَهَا تُهْتَزُّ كَانَتْهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدَبِّرًا لَّمْ يَعْقِبْ﴾ ”تو جب اُس نے اسے حرکت کرتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔“  
یعنی آپ پر شدید خوف طاری ہو گیا۔

﴿يُمُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ﴾ ”(اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور رسولوں کے لیے کوئی خوف نہیں ہوتا۔“

**آیت ۱۱** ﴿إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ ”سوائے اُس کے جس نے کوئی ظلم کیا ہو“  
اس استثناء کو بعض مفسرین نے متصل مانا ہے اور بعض نے منقطع۔ متصل ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس رسول سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو اس پر خوف طاری ہو سکتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُس وقت خوف کا طاری ہو جانا اس خطا کے سبب تھا جو قتل (اگرچہ وہ قتلِ عمد نہیں تھا، قتلِ خطا تھا) کی صورت میں ان سے سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اس کے برعکس کچھ مفسرین کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے، یعنی یہ الگ جملہ ہے اور اس کا پچھلے جملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”پھر اُس نے بدل دیا برائی کو نیکی سے تو یقیناً میں بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہوں۔“

**آیت ۱۲** ﴿وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ ”اور ذرا اپنا ہاتھ داخل کرو

اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی مرض کے“  
یعنی یہ سفیدی برص یا کسی اور بیماری کے باعث نہیں ہوگی۔

﴿فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ﴾ ”یہ (دو نشانیاں) فرعون اور اُس کی قوم کے لیے نو نشانوں میں سے ہیں۔“

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجتے ہوئے ابھی آپ کو صرف یہ دو نشانیاں دی جا رہی ہیں جبکہ کل نو (۹) نشانیاں دی جانی مقصود ہیں۔ باقی نشانیاں بعد میں موقع محل اور ضرورت کے مطابق دی جائیں گی۔

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ ”یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔“

**آیت ۱۳** ﴿فَلَمَّا جَاءَ تَهُمُ الْيَتَا مُبْصِرَةً﴾ ”تو جب اُن کے پاس ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں“

یعنی وہ کھلی کھلی نشانیاں جو ان کی آنکھیں کھولنے اور حقیقت کا مشاہدہ کرانے کے لیے کافی تھیں۔

﴿قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ ”انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔“

**آیت ۱۴** ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ ”اور انہوں نے ان کا انکار کیا ظلم اور سرکشی کے ساتھ جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کیا۔“

اس فقرے میں ظُلْمًا وَعُلُوًّا کا تعلق آغاز کے لفظ وَجَحَدُوا کے ساتھ ہے۔ مضمون کے اعتبار سے یہ بہت اہم آیت ہے۔ اگرچہ انہوں نے بظاہر ان تمام نشانیوں کو جادو قرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن ان کا یہ انکار سراسر انصافی اور سرکشی پر مبنی تھا کیونکہ ان کے دل یہ حقیقت تسلیم کر چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کے رسول ہیں اور یہ تمام خرق عادت واقعات حقیقت میں معجزات ہیں۔ ممکن ہے ان کے عوام کو یہ شعور نہ ہو لیکن کم از کم فرعون اور قوم کے بڑے بڑے سرداروں کی اُس وقت یہی کیفیت تھی۔

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ ”تو دیکھ لو! کیسا ہوا انجام مُفسدوں کا۔“

اس رکوع میں اجمالاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اب اگلے رکوع سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔

## آیات ۱۵ تا ۴۴

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَاطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ الْمَمَلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ



ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطَبَنَّكُمْ سُلَيْمٌ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا  
 مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ  
 أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ وَتَقَفَّ الطَّيْرُ فَقَالَ  
 مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدُودَ ۖ أَمْ كَانِ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَا عَذِيبَتَهُ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ وَلَا أَذِيبَتْهُ  
 أَوْ لِيَأْتِيَنِّي سُلْطَانٌ مُبِينٌ ۝ فَبَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِهَا لَمْ تُحِطْ بِهَا وَجِئْتُكَ  
 مِنْ سَيِّئَاتِنَا يَاقِينُ ۝ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ  
 عَظِيمٌ ۝ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ  
 أَعْبَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝ أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْ  
 فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ  
 الْعَظِيمِ ۝ قَالَ سَتَنْظُرُونَ أَصَدَقْتُ أَمْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ إِذْ هَبْ بِنَفْسِي هَذَا قَالِقَهُ  
 إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِنِّي أَتَىٰ إِلَىٰ كِتَابٍ  
 كَرِيمٍ ۝ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ وَأُتُوْنِي  
 مُسْلِمِينَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي ۖ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ  
 تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ ۖ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا  
 تَأْمُرِينَ ۝ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ  
 وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَظِرَةٌ بِمَا يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝ فَلَمَّا  
 جَاءَ سُلَيْمٌ قَالَ أَتَيْدُونَنِ بِمَالٍ ۖ فَمَا أَتَىٰ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَتَيْتُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ  
 تَفْرَحُونَ ۝ إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَهُمْ جُنُودٌ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ  
 صَاغِرُونَ ۝ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَتَيْتُمُونِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ  
 عَفَرْتُ مِنْ الْحِجْرِ أَنَا أَيْتِكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝  
 قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۖ فَلَمَّا رَآهُ  
 مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۖ لِيَبْلُوَنِي ۖ أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّا  
 بِنُكْرِهِ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ قَالَ تَكَدُّوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ  
 تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ



وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُبَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ۖ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

**آیت ۱۵** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ ”اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا تھا۔“  
 ﴿وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵﴾ ”اور ان دونوں نے کہا کہ کل شکر اور کل تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔“  
 وہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں مومنین کے درمیان ایک خاص مرتبہ عطا کیا تھا۔

**آیت ۱۶** ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ ”اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا“  
 ﴿وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ﴾ ”اور اُس نے کہا: اے لوگو! ہمیں سکھا دی گئی ہیں پرندوں کی بولیاں“

﴿وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝۱۶﴾ ”اور ہمیں (اللہ کی طرف سے) ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ کا) بہت واضح فضل ہے۔“

**آیت ۱۷** ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۷﴾ ”اور جمع کیے گئے سلیمان کے (معائنہ کے) لیے اُس کے تمام لشکر جنوں انسانوں اور پرندوں میں سے اس طرح کہ انہیں جماعتوں میں منظم کیا جاتا تھا۔“

ہر قسم اور ہر جنس کے لشکر کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں (battalians) بنا کر انہیں ہر طرح سے منظم کیا گیا تھا۔  
**آیت ۱۸** ﴿حَتَّىٰ إِذَا اتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے“  
 حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں چیونٹیاں کثرت سے پائی جاتی تھیں۔

﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمُ﴾ ”تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم سب اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔“

﴿لَا يَحِطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۸﴾ ”کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُس کے لشکر تمہیں کچل کر رکھ دیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔“

انہیں احساس بھی نہیں ہوگا کہ ان کے قدموں اور گھوڑوں کے سموں تلے کتنی ننھی جانیں مسلی جا رہی ہیں۔  
**آیت ۱۹** ﴿فَتَبَسَّ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا﴾ ”تو وہ خوش ہو کر مسکرایا اس کی اس بات پر“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی اس بات کو سن بھی لیا اور سمجھ بھی لیا۔ چنانچہ جذباتِ شکر کے باعث آپ کے چہرے پر بے اختیار تبسم آگیا اور زبان پر ترانہ حمد جاری ہو گیا۔

﴿وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ﴾ ”اور اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں شکر ادا کروں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے“

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ﴾ ”اور یہ کہ میں اچھے اعمال کروں جن سے تو راضی ہو، اور مجھے داخل کرنا اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔“

آیت ۲۰ ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِىْ لَا اَرَى الْهُدْهَدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِيْنَ﴾ ”اور اُس نے پرندوں کے لشکر کا معائنہ کیا تو کہا کہ کیا بات ہے مجھے ہُد ہُد نظر نہیں آ رہا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟“

آیت ۲۱ ﴿لَاَعْدْبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَذْبَحَتْهُ﴾ ”میں اُسے بہت سخت سزا دوں گا“ یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا“

اس اجتماعی حاضری (parade) کے موقع سے غیر حاضر ہو کر اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اسے اس جرم کی سزا ضرور بھگتنا ہوگی۔

﴿اَوْ لِيَاْتِيْنِيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ ”یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔“

ہاں اگر وہ کوئی ٹھوس عذر پیش کر کے اپنی اس غیر حاضری کا جواز ثابت کر دے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ ”تو کچھ زیادہ دیر نہیں گزری (کہ ہُد ہُد پہنچ گیا)“

﴿فَقَالَ اَحْطُتْ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَآءٍ بِنَبَاٍ يَقِيْنٍ﴾ ”تو اُس نے کہا کہ میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو آپ کو معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس قومِ سبا سے متعلق یقینی معلومات لے کر آیا ہوں۔“

قومِ سبا یمن کے علاقے میں آباد تھی اور اُس وقت بلقیس نامی ایک ملکہ اس قوم پر حکمران تھی۔

آیت ۲۳ ﴿اِنِّىْ وَجَدْتُ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”میں نے ایک عورت کو ان پر حکومت کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اُسے ہر شے دی گئی ہے“

دنیا بھر کی نعمتیں اسے حاصل ہیں اور ہر طرح کا ساز و سامان اس کے پاس جمع ہے۔

﴿وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ﴾ ”اور اُس کا تخت بہت عظیم الشان ہے۔“

آیت ۲۴ ﴿وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ”اور میں نے دیکھا اُس کو اور اُس کی قوم کو کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کو چھوڑ کر“

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ”اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کر دیا ہے“

﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ”اور انہیں روک دیا ہے سیدھے راستے سے تو“

اب وہ راستہ نہیں پار ہے۔“

شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور اب انہیں راہِ ہدایت کا شعور نہیں رہا۔

**آیت ۲۵** ﴿أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ﴾ ”کہ وہ سجدہ نہیں کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے ہر چھپی چیز کو آسمانوں اور زمین میں سے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔“

**آیت ۲۶** ﴿إِلَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝﴾ ”وہ اللہ کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جو بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔“

**آیت ۲۷** ﴿قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝﴾ ”سلیمانؑ نے کہا: ہم عنقریب دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹے ہو۔“

ہم معلوم کر لیں گے کہ واقعی تم ایک سچی خبر لے کر آئے ہو یا اپنی غیر حاضری کی سزا سے بچنے کے لیے جھوٹا بہانہ بنا رہے ہو۔

**آیت ۲۸** ﴿إِذْ هَبُ بَكِيتِي هَذَا فَأَلْقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝﴾ ”میرا یہ خط لے جاؤ اسے ان کے پاس جا کر ڈال آؤ پھر ان سے الگ ہو کر دیکھتے رہو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔“

چنانچہ وہ ہمدرد حضرت سلیمانؑ کا خط لے گیا اور جا کر ملکہ کے آس پاس یا شاید اس کی خواب گاہ میں پھینک دیا۔ ملکہ نے یہ غیر معمولی خط پڑھا تو فوری طور پر قوم کے بڑے بڑے سرداروں کو مشورے کے لیے دربار میں طلب کر لیا۔

**آیت ۲۹** ﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ۝﴾ ”اُس نے کہا کہ اے (میری قوم کے) سردارو! میری طرف ایک بہت عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔“

**آیت ۳۰** ﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝﴾ ”یہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوا ہے۔“

یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سورت کے اندر اس کے متن میں شامل ہے۔ باقی ہر جگہ یہ سورتوں کے آغاز میں لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ سورتوں کے آغاز میں جہاں جہاں بھی بسم اللہ لکھی گئی ہے کیا اسے ایک آیت مانا جائے گا یا جتنی مرتبہ لکھی گئی ہے اتنی آیات شمار ہوں گی۔

**آیت ۳۱** ﴿أَلَا تَعْلَمُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ۝﴾ ”یہ کہ میرے مقابلے میں تم لوگ سرکشی نہ کرو اور مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔“

**آیت ۳۲** ﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝﴾ ”اُس نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملے میں آپ لوگ مجھے مشورہ دیں۔ میں کسی معاملے میں بھی



حتیٰ فیصلہ نہیں کرتی جب تک آپ لوگ موجود نہ ہوں۔“

**آیت ۳۳** ﴿قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ ”انہوں نے کہا: ہم طاقتور بھی ہیں اور زبردست جنگی صلاحیت والے بھی“

﴿وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرْ مَآذَا تَأْمُرِينَ﴾ ”اور فیصلے کا اختیار تو آپ ہی کے پاس ہے چنانچہ آپ خود دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔“

**آیت ۳۴** ﴿قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا﴾ ”اُس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں“

اس نازک موقع پر ملکہ نے بڑی دانش مندانہ بات کی کہ بادشاہوں کا ہمیشہ سے ہی دستور رہا ہے کہ وہ جس شہر یا علاقے کو فتح کرتے ہیں اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ ”اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ ایسے ہی کرتے ہیں۔“

ملکہ کی یہ بات بھی بہت اہم اور حقیقت پر مبنی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم ”خضرِ راہ“ کے ذیلی عنوان ”سلطنت“ کے تحت جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا مرکزی خیال انہوں نے اسی آیت سے اخذ کیا ہے اور پہلے شعر میں اس آیت سے تلمیح بھی استعمال کی ہے۔ نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے:-

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آئیہٗ إِنَّ الْمُلُوكَ  
سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری  
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر  
پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری!

بر عظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ یہاں مسلمان حکمران تھے جبکہ ہندوان کے محکوم تھے۔ انگریزوں کے اقتدار پر قبضہ کرنے سے ہندوؤں کو تو کچھ خاص فرق نہ پڑا، ان کے تو صرف حکمران تبدیل ہوئے پہلے وہ مسلمانوں کے غلام تھے اب انگریزوں کے غلام بن گئے، لیکن مسلمان تو گویا آسمان سے زمین پر پٹخ دیے گئے۔ وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ اب اگر انگریزوں کو کچھ خطرہ تھا تو مسلمانوں سے تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ضرور کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی ممکنہ بغاوت کی پیش بندی کے لیے انہیں ہر طرح سے دبانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ معاشرے کے گھٹیا لوگوں کو تو خطابات اور جاگیروں سے نواز کر اعلیٰ مناصب پر بٹھادیا اور ان کے مقابلے میں معززین اور شرفاء کو ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا۔ ایسے تمام جاگیردار انگریزوں کا حق نمک ادا کرتے ہوئے اپنی قوم کے مفادات کے خلاف اپنے آقاؤں کی معاونت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔

یہی حکمتِ عملی مصر میں فرعون نے بھی اپنا رکھی تھی۔ اس نے بھی بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو اپنے

دربار میں جگہ دے رکھی تھی۔ یہ مراعات یافتہ لوگ فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی قوم کی مخبری کرتے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف فرعون کے معاون و مددگار بنتے۔ سورہ یونس کی آیت ۸۳ میں اس صورت حال کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ﴾ ”پس نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر کچھ نوجوان اُس کی قوم میں سے فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف کی وجہ سے کہ وہ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں“۔ گویا بنی اسرائیل کے عام لوگوں پر اپنے ان سرداروں کا خوف طاری تھا جو فرعون کی وفاداری میں اپنی ہی قوم پر ظلم و ستم روارہکتے تھے۔

**آیت ۳۵** ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْهُ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ﴾ ”تو میں ان کی طرف اپنے اپیلچی کچھ تحائف کے ساتھ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ وہ کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔“  
حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں قیمتی تحائف بھیج کر وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آیا دنیوی مال و دولت کا حصول ہی ان کا مقصد و مدعا ہے یا اس سے آگے بڑھ کر وہ کچھ اور چاہتے ہیں۔

**آیت ۳۶** ﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنَ قَالَ أُمِدُّونَنِي بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ﴾ ”تو جب وہ (وند) آیا سلیمان کے پاس اُس نے کہا کہ کیا تم میری اعانت کرنا چاہتے ہو مال و دولت سے؟ تو جو کچھ مجھے اللہ نے دے رکھا ہے وہ کہیں بہتر ہے اُس سے جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔“

﴿بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ ”اپنے ان تحائف سے تم خود ہی خوش رہو۔“

**آیت ۳۷** ﴿إِذْ جَعَلْنَا إِلَهُهُمْ فَلَنَاتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ ”تم لوٹ جاؤ ان کی طرف، تو ہم ان پر ایسے لشکروں سے حملہ آور ہوں گے جن کا مقابلہ ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا، اور ہم نکال باہر کریں گے انہیں اس ملک سے ذلیل کر کے اور وہ خوار ہو جائیں گے۔“  
یعنی انہیں یا تو ہماری پہلی بات ماننا پڑے گی کہ وہ مسلم (مطیع) ہو کر ہمارے پاس حاضر ہو جائیں، ورنہ ہم ان پر لشکر کشی کریں گے۔

**آیت ۳۸** ﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾ ”(پھر اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر) سلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لائے گا اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس پہنچیں؟“

یعنی آپ کو یقین تھا کہ ملکہ سبا اظہارِ اطاعت کے لیے ضرور حاضر ہوگی۔ چنانچہ آپ نے چاہا کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے اور اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں۔

**آیت ۳۹** ﴿قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا بَاطِلٌ كَذِبٌ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي لَقَوِيٌّ أَمِينٌ﴾ ”جنوں میں سے ایک دیونے کہا کہ میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ

آپؐ اپنی اس مجلس سے اٹھیں اور میں یقیناً اس کام کے لیے طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔“ جس طرح انسانوں میں کوئی کمزور ہوتا ہے اور کوئی طاقتور اسی طرح جنوں میں بھی چھوٹے بڑے جن ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک طاقتور قوی ہیکل دیو نے دعویٰ کیا کہ آپؐ کے دربار درخواست کرنے سے پہلے میں وہ تخت لا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر کیے دیتا ہوں۔

**آیت ۴۰** ﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ ”کہنے لگا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپؐ کے پاس لے آتا ہوں اس سے قبل کہ آپؐ کی نگاہ پلٹ کر آپؐ کی طرف آئے۔“

یعنی میں آپؐ کے پلک جھپکنے سے پہلے اس کو حاضر کیے دیتا ہوں۔ یہ جس شخص کا ذکر ہے اس کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیاہ تھے اور یہ کہ ان کے پاس کتب سماویہ اور اللہ تعالیٰ کے ناموں سے متعلق ایک خاص علم تھا جس کی تاثیر سے انہوں نے اس کام کو ممکن کر دکھایا۔ ہمارے پاس اس موضوع پر نہ تو کوئی مرفوع حدیث ہے اور نہ ہی ان اسمائے الہیہ میں ایسی کوئی تاثیر ثابت ہوتی ہے جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بتائے گئے ہیں۔ لہذا ہمارا ایمان ہے کہ قرآن میں یہ واقعہ جس طرح مذکور ہے بالکل ویسے ہی وقوع پذیر ہوا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر اس کی تفصیلات میں دلچسپی لینا ہمارے لیے مفید ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لازماً وضاحت فرما دیتے کہ اس شخصیت کے پاس کس کتاب کا کون سا علم تھا۔ اور اگر آپؐ کی طرف سے ایسی کچھ ہدایات نہیں دی گئیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمیں اس بارے میں مزید کسی کھوج کرید میں نہیں پڑنا چاہیے۔ چنانچہ اس اعتبار سے یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔

البتہ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ کے الفاظ میں سائنسی اور ٹیکنیکل علم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں کوئی ایسی ترکیب معلوم ہو جس کے ذریعے سے سائنسی طور پر ایسا کرنا ممکن ہوا ہو۔ بہر حال سائنسی نقطہ نظر سے ایسا ہونا کوئی ناممکن بات بھی نہیں ہے۔ آج سائنس جس انداز اور جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے اس کے نتیجے میں ممکن ہے بہت جلد ایسی ٹیکنالوجی حاصل کر لی جائے جس کے ذریعے سے کسی مادی چیز کو atoms میں تحلیل کرنا اور پھر ان atoms کو چشم زدن میں دوسری جگہ منتقل کر کے ان سے اس چیز کو اسی حالت میں دوبارہ ٹھوس شکل دے دینا ممکن ہو جائے۔

﴿فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ﴾ ”پھر جب اُس نے دیکھا اسے اپنے سامنے رکھا ہوا“

یعنی وہ صاحب اپنے دعوے کے مطابق اس تخت کو واقعی پلک جھپکنے سے پہلے لے آئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے دیکھا تو بے اختیار آپ اللہ کی حمد و ثنا کرنے لگے۔

﴿قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي﴾ ”اُس نے کہا کہ یہ میرے رب ہی کے فضل سے ہے“

کوئی دنیا دار بادشاہ ہوتا تو اپنے وزیر کے کمال کو بھی اپنا ہی کمال قرار دیتا، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کا شکر ادا کیا۔ بندگی کا کامل نمونہ بھی یہی ہے کہ انسان بڑی سے بڑی کامیابی کو اپنا



کمال سمجھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام جانے اور اس پر اس کا شکر ادا کرے۔  
 ﴿لَيُنَلَّوْنِيَّ ءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ ”تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔“

﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ ”اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (بھلے کے) لیے کرتا ہے۔“

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾ ”اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب یقیناً بے نیاز ہے بہت کرم کرنے والا۔“

**آیت ۲۱** ﴿قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا﴾ ”سلیمانؑ نے کہا کہ اس کے لیے اس کے تخت کی ہیئت ذرا بدل دو“  
 کہ ملکہ کو آزمانے کے لیے تخت کی ظاہری ہیئت میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دو۔

﴿نَنْظُرُ اَتَهْتَدِيْ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ”ہم دیکھیں کہ وہ پہچان پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو نہیں پہچان پاتے۔“

**آیت ۲۲** ﴿فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ اَهْكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَاَنَّهُ هُوَ ۚ﴾ ”پھر جب وہ آئی تو (اس سے) کہا گیا کہ کیا اسی طرح کا ہے آپ کا تخت؟ اُس نے کہا یہ تو گویا وہی ہے!“

چنانچہ اس نے اپنے تخت کو پہچان لیا۔ یعنی وہ واقعی ایک ذہین اور سمجھ دار عورت تھی۔ اس سے پہلے آیت ۲۳ میں فاتح بادشاہوں کے بارے میں اس کا تبصرہ بھی اس کی ذہانت اور دانش مندی کا ثبوت ہے۔

﴿وَاُوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ ”اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم حاصل ہو چکا ہے اور ہم اسلام لائے ہیں۔“

یعنی میرے تخت کا یہاں پہنچ جانا اب میرے لیے کوئی بہت بڑی حیرت کی بات نہیں۔ آپؐ کا اللہ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس کے بارے میں مجھے بہت پہلے ہی علم ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے ہم مسلمان ہو کر آپؐ کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔

**آیت ۲۳** ﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ”اور سلیمانؑ نے اُسے روک دیا (اس سے) جس کو وہ پوجتی تھی اللہ کے سوا۔“

﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ ”وہ ایک کافر قوم میں سے تھی۔“

**آیت ۲۴** ﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ ”اُس سے کہا گیا کہ اب محل میں داخل ہو جاؤ!“

﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيْهَا﴾ ”تو جب اُس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔“

﴿قَالَ إِنَّهُ صَرَخَ مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ﴾ ”سلیمانؑ نے کہا: یہ تو ایسا محل ہے جو مَرَّع ہے شیشوں سے۔“  
یعنی وہ شیشے کا چکنا فرش تھا اور ملکہ نے جب اس میں اپنا عکس دیکھا تو اسے پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا  
اوپر اٹھا لیا کہ شاید آگے جانے کے لیے اس پانی سے ہو کر گزرنا ہے۔ بہر حال حضرت سلیمانؑ نے اسے اصل  
حقیقت سے آگاہ کیا۔ اس سے دراصل اسے احساس دلانا مقصود تھا کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہیں  
وہ تمہارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہیں۔

﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ”اُس نے  
کہا: اے میرے پروردگار! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ کی  
اطاعت اختیار کی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

حضرت سلیمانؑ کا واقعہ یہاں پر اختتام پذیر ہوا۔ سورت کا یہ حصہ قصص النبیین کے انداز میں ہے۔  
اس کے بعد حضرت صالح اور حضرت لوطؑ کے واقعات میں انباء الرسل کا انداز پایا جاتا ہے۔

## آیات ۴۵ تا ۵۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنٍ یَّخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ  
یَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ لِلّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝  
قَالُوا اَطِیْرْنَا بِكَ وَبِیْنٍ مَّعَكَ ۚ قَالَ طَیْرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتِنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِی  
الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ  
وَاَهْلَکَ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهِمْ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهِ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكْرُوْا مَكْرًا  
وَمَكَّرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ کَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَکْرِهِمْ ۚ اِنَّا دَمَرْنٰهُمْ  
وَقَوْمُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ فَتِلْكَ بَیْوَتُهُمْ خَاوِیَةً بِمَا ظَلَمُوْا ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝  
وَاَنْجِیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ وَلَوْ طَا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ  
تُبْصِرُوْنَ ۝ اَیْسَکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ الْیَسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ یَّجْهَلُوْنَ ۝  
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَخْرِجُوْا اِلَ لُّوطٍ مِّنْ قَرْیَکُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ  
یَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجِیْنَاهُ وَاَهْلَکَ اِلَّا اَمْرَاَتَهُۥ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰیْرِیْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ  
مَطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝

آیت ۲۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنٍ یَّخْتَصِمُوْنَ﴾ ”اور ہم نے بھیجا تھا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو کہ تم اللہ کی بندگی کرو تو اس پر وہ لوگ دو گروہ

بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔“

**آیت ۳۶** ﴿قَالَ يَقُومُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ ”اُس نے کہا: اے میری قوم کے

لوگو! تم کیوں جلدی مچاتے ہو بُرائی کے لیے، بھلائی سے پہلے؟“

تم لوگ اللہ سے خیر مانگنے کے بجائے عذاب مانگنے میں کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ سورۃ الاعراف میں ان کا یہ قول نقل ہو چکا ہے: ﴿يُصْلِحْ اٰثِنًا بِمَا تَعْدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”اے صالح! لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو!“

﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ”تم لوگ اللہ سے مغفرت کیوں نہیں مانگتے“

تاکہ تم پر رحم کیا جائے!“

**آیت ۳۷** ﴿قَالُوا اَطِيعْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم منحوس سمجھتے ہیں تم کو اور تمہارے

ساتھیوں کو۔“

ہمیں خدشہ ہے کہ آپ لوگوں کی نحوست کی وجہ سے ہم کسی آفت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

﴿قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ﴾ ”اُس نے کہا کہ تمہاری نحوست کا معاملہ اللہ

کے اختیار میں ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔“

**آیت ۳۸** ﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ﴾ ”اور اُس

شہر میں نو (۹) بڑے بڑے سردار تھے وہ زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔“

**آیت ۳۹** ﴿قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَاَهْلَهُ﴾ ”انہوں نے کہا کہ تم سب آپس میں اللہ کی قسم کھا کر

عہد کرو کہ ہم لازماً رات کو حملہ کریں گے اس پر اور اس کے گھر والوں پر“

ان سب سرداروں نے مل کر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ان میں سے کوئی اکیلا یہ اقدام

کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلے کے ساتھ دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا، اس لیے انہوں نے حلف اٹھوا کر سب کو

اس پر آمادہ کیا۔ سب کو اس طرح اس مہم میں شامل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان میں سے کوئی شخص راز فاش

نہ کر سکے۔ قبائلی روایات و قوانین کے تحت پورا قبیلہ بحیثیت مجموعی اپنے تمام افراد کے جان و مال کے تحفظ کا

ذمہ دار ہوتا ہے اور اپنے کسی فرد کو کوئی گزند پہنچنے کی صورت میں پورا قبیلہ یک جان ہو کر اس کے بدلے کا اہتمام

کرتا ہے۔ سورہ ہود میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی آپ کے خلاف ایسا ہی اقدام

کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کے قبیلے کے ڈر کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ اپنی اس مجبوری کا اقرار انہوں نے ان الفاظ

میں کیا تھا: ﴿وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ﴾ (آیت ۹۱) ”اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے۔“

خود محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھی مکہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ سب مشرکین آپ کے قتل کے درپے

ہو گئے، مگر اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ان کا یہ اقدام ان کے قبائل کے درمیان کہیں



خانہ جنگی کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے بھی بعینہ وہی منصوبہ بنایا جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے بنایا تھا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان اس عمل میں شریک ہو اور سب مل کر آپ پر حملہ کریں۔ اس طرح نہ تو یہ پتا چل سکے گا کہ اصل قاتل کون ہے اور نہ ہی بنو ہاشم سب قبائل سے بدلہ لینے کی جرأت کر سکیں گے۔ بہر حال حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے ان نو سرداروں نے باہم حلف اٹھا کر منصوبہ بنایا کہ وہ سب مل کر رات کو آپ کے گھر پر دھاوا بول دیں گے اور:

﴿ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لَوْ لِيَوْمِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ﴿۴۹﴾ ”پھر ہم اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے قتل کے وقت موجود ہی نہیں تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔“

آیت ۵۰ ﴿وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿۵۰﴾ ”اور انہوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور انہیں پتا بھی نہ چلا۔“

آیت ۵۱ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمُ أَجْمَعِينَ﴾ ﴿۵۱﴾ ”تو دیکھ لو کیا انجام ہوا ان کی چال کا، ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔“

یعنی اس قوم پر عذاب الہی ٹوٹ پڑا اور ان نو سرداروں سمیت تمام منکرین ہلاک ہو گئے۔

آیت ۵۲ ﴿فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا﴾ ﴿۵۲﴾ ”تو یہ اُن کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں، اس ظلم کے سبب جو انہوں نے کیا۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ﴿۵۳﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“

آیت ۵۳ ﴿وَأُنَجِّنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ﴿۵۳﴾ ”اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی۔“

آیت ۵۴ ﴿وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ﴾ ﴿۵۴﴾ ”اور لوٹ کو بھی (ہم نے بھیجا) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم فحش کام کرتے ہو اور تم دیکھتے بھی ہو!“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ علی الاعلان اپنی مجالس کے اندر ایسی فحش حرکات کا ارتکاب کرتے تھے۔

آیت ۵۵ ﴿إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ﴾ ﴿۵۵﴾ ”کیا تم مردوں کا رخ کرتے ہو شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر! بلکہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔“

آیت ۵۶ ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّسْطَهْرُونَ﴾ ﴿۵۶﴾ ”تو اُس کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: نکال باہر کرو لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے۔ یہ لوگ بڑے پاک باز بنتے ہیں!“

آیت ۵۷ ﴿فَانْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ ﴿۵۷﴾ ”تو ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہے۔“

جانے والوں میں ہوگی۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ۝۵۸﴾ ”اور ان کے اوپر ہم نے ایک بارش برسائی تو بہت ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو خبردار کر دیا گیا تھا۔“  
یہاں پر اس سورت کا انباء الرسل کا حصہ بھی اختتام پذیر ہوا۔ اب اس کے بعد کچھ حصہ التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہے اور یہ اس سورت کا بالکل منفرد انداز ہے۔

## آیات ۵۹ تا ۶۴

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ؕ اَللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً ۖ فَاَنْبَتْنَا بِهِۦ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُثْبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلَالَهَا اَنْهَارًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَّجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُسْتَظَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَكْشِفُ السُّوءَ وِیَجْعَلْ لَّكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِہٖ ؕ اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ تَعَالٰی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ؕ اَمَّنْ یَّیْدُوْا الْخُلُقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَمَنْ یَّرْزُقْکُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَآئِثًا بِرُہَانِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۵۹

الْبَحْرِ وَالْبَحْرِ (۲۰)

**آیت ۵۹** ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ؕ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ کل حمد اور کل شکر اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اُس کے ان بندوں پر جن کو اُس نے چُن لیا ہے۔“  
یعنی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ کے چنے ہوئے لوگ تھے جیسا کہ سورہ آل عمران میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّآلَ اِبْرٰہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۳﴾

﴿اَلَا هٗٓ ؕ مَعَ اللّٰهِ ؕ خَيْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۵۹﴾ ”کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک بناتے ہیں!“  
ذرا سوچو کہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے ان معبودوں کی کیا حیثیت ہے؟ تم لوگ خود تسلیم کرتے ہو کہ تمام اختیارات کا مالک اللہ ہی ہے۔ تو پھر ان بے اختیار معبودوں کو تم کس حیثیت سے پوجتے ہو؟

**آیت ۶۰** ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً ۖ﴾ ”بھلا کون ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا!“

﴿فَاَنْبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ﴾ ”پھر اس کے ذریعے سے ہم نے پُر رونق باغات اُگائے۔“

﴿مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا﴾ ”تمہارے لیے ممکن نہیں تھا کہ ان کے درختوں کو خود اگا سکتے۔“  
 متجسسانہ سوالات (searching questions) کا یہ انداز بہت مؤثر ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے  
 ان اشعار میں یہی مضمون بالکل اسی انداز میں پیش کیا ہے:-

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون  
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟  
 کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار  
 خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

کہ اللہ ہی ہواؤں کو چلاتا ہے بارش برساتا ہے، موسموں کو سازگار بناتا ہے، اناج اگاتا ہے، غرض تمام امور اسی کے حکم  
 اور اسی کی قدرت سے انجام پاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کاملہ کے بیان کا یہی انداز سورۃ الواقعہ میں بھی ملتا ہے۔

﴿إِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ﴾ ”کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟“

کیا ان سارے کاموں میں اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ بھی شریک ہے؟

﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعِدُونَ﴾ ”بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (حق سے) انحراف کر رہے ہیں۔“

**آیت ۶۱** ﴿أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا﴾ ”بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور رواں کر دیے اس کے اندر دریا (اور ندیاں) اور بنائے اس کے لیے لنگر (پہاڑ) اور بنایا دو دریاؤں کے درمیان پردہ؟“

﴿إِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ﴾ ”کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟“

کیا کوئی ایسی دوسری ہستی تمہاری نظر میں ہے جو ان کاموں میں اللہ کے ساتھ شریک ہو؟

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”بلکہ ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

تاویل خاص کے اعتبار سے ان آیات کے مخاطبینِ اولین مشرکینِ مکہ تھے اور ان کے پاس ان پے درپے سوالات کا ایک ہی جواب تھا، اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے! اس حوالے سے ان کے خیالات، نظریات اور عقائد کے بارے میں جاننا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کے شرک کی صورت اور نوعیت کیا تھی؟ چنانچہ اس سلسلے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ مشرکینِ مکہ اللہ کو معبود بھی مانتے تھے اور اس کو اس کائنات کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ البتہ کچھ شخصیات (جن کے بت انہوں نے بنا رکھے تھے) کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے لاڈلے چہیتے اور مقررین ہیں اور وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے: ﴿هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸)۔ بس ان کا شرک اس سے زائد کچھ نہیں تھا۔

**آیت ۶۲** ﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ ”بھلا کون ہے جو سنتا ہے ایک مجبور و لاچار کو جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اُس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے؟“



﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ ”اور جو تمہیں جانشین بناتا ہے زمین میں؟“  
 کہ تمہاری ایک نسل کے بعد دوسری نسل اس کی جانشین بنتی ہے اور یہ سلسلہ غیر منقطع طریقے سے اللہ تعالیٰ قائم رکھے ہوئے ہے۔

﴿إِنَّ إِلَهًا مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ ”کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ (ان کاموں میں شریک)؟ بہت ہی کم نصیحت ہے جو تم لوگ حاصل کرتے ہو۔“

**آیت ۶۳** ﴿أَمْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾  
 ”بھلا کون ہے جو تمہیں راستہ دکھاتا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں؟ اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دیتی ہوئی اپنے بارانِ رحمت کے آگے آگے؟“

﴿إِنَّ إِلَهًا مَّعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ”کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بہت بلند و بالا ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو بادلوں کے آگے آگے بارانِ رحمت کی نوید بن کر چلتے ہیں، کیا انہیں چلانے اور بحر و بر کی تاریکیوں میں تم لوگوں کو درست راستے سمجھانے میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا بھی کوئی حصہ ہے؟  
**آیت ۶۴** ﴿أَمْ يَتَّبِعُونَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ ”بھلا کون ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تم لوگوں کو رزق دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے؟“

﴿إِنَّ إِلَهًا مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ آپ کہیے کہ لاوا اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟“

## آیات ۶۵ تا ۸۱

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝  
 بَلِ ادْرِكْ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ۝ بَلْ هُمْ عَنْهَا عَمُونَ ۝ وَقَالَ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُنَا أَيْتَانَا نُخْرِجُونَ ۝ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا لَكُمْ وَالْحَقُّ وَآبَاءُنَا مِنْ  
 قَبْلُ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
 عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَى  
 هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي  
 تَسْتَعْجِلُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ

لَيَعْلَمَ مَا تَكُنْ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْضَىٰ عَلَىٰ بَنَىٰ إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَإِلَهُهُ هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۚ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهُدًى الْعُمَىٰ عَنِ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

**آیت ۶۵** ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوائے اللہ کے۔“

﴿وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّٰنَ يُبْعَثُونَ﴾ ”اور انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔“  
یعنی وہ لوگ جو فوت ہو چکے ہیں، چاہے وہ اولیاء اللہ ہوں یا کوئی اور اس دنیا سے جانے کے بعد وہ عالم برزخ میں ہیں اور وہاں انہیں کچھ معلوم نہیں کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

**آیت ۶۶** ﴿بَلِ ادْرٰكْ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ”بلکہ تھک ہار کر رہ گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔“  
یعنی یہ لوگ آخرت کی حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہے۔

﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ﴾ ”بلکہ اس کے بارے میں وہ شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اس کی طرف سے وہ اندھے ہو چکے ہیں۔“

اگرچہ یہ لوگ زبانی طور پر آخرت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور دوبارہ جی اٹھنے پر بظاہر ایمان بھی رکھتے ہیں، لیکن عملاً وہ اس کے منکر ہیں۔ عملاً انہیں آخرت کی زندگی کو سنوارنے یا قیامت کے احتساب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس دنیا میں اپنے کل کی فکر انسان کو ہر وقت دامن گیر رہتی ہے، کہ کل کیا کھانا ہے اور باقی ضروریات کیسے پوری کرنی ہیں۔ اس لیے کہ اسے کل کے آنے پر پختہ یقین ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے واقعی یقین ہو کہ مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ ہونا ہے اور یہ کہ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے تو اس کے لیے وہ لازماً فکر مند بھی ہوگا اور اسے بہتر بنانے کی کوشش بھی کرے گا۔ لیکن کسی انسان کو عملاً اگر اس کی فکر نہیں ہے اور وہ اس کے لیے کوشش بھی نہیں کر رہا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے اس کے بارے میں یقین نہیں ہے۔

**آیت ۶۷** ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اَبَآؤُنَا اٰتِنَا لَمُخْرَجُوْنَ﴾ ”اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباء و اجداد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر سے نکال لیا جائے گا؟“

**آیت ۶۸** ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ”یہی وعدہ ہم سے بھی کیا گیا ہے اور اس سے پہلے ہمارے آباء و اجداد سے بھی کیا گیا تھا۔“

﴿اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلٰیْنَ﴾ ”یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“

**آیت ۶۹** ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”آپ کہیے کہ ذرا گھومو پھر زمین میں اور دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا مجرم قوموں کا!“

**آیت ۷۰** ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ ان پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو چالیں یہ چل رہے ہیں ان پر دل تنگ نہ کریں۔“

مکہ کے ماحول میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کو شدید مخالفت اور دباؤ کا سامنا تھا اس لیے مکی سورتوں میں یہ مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۱۲۷ میں یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں آیا ہے جبکہ سورۃ الشعراء میں اس حوالے سے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔“ بہر حال مشرکین مکہ کے مخالفانہ رویے کے باعث حضور ﷺ کو بار بار تسلی دی جاتی تھی کہ آپ نے ان تک ہمارا پیغام پہنچا کر ان پر رحمت قائم کر دی ہے اور یوں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آپ ان کی پروانہ کریں اور نہ ہی ان کے بارے میں رنجیدہ ہوں۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ہماری تدابیر ان کی چالوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہماری قدرت کے سامنے ان کی سازشیں کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

**آیت ۷۱** ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر آپ سچے ہیں؟“

یعنی آپ ہمیں مسلسل دھمکیاں دے جا رہے ہیں کہ اگر ہم آپ کی اطاعت نہیں کریں گے تو ہم پر عذاب آجائے گا۔ چنانچہ اگر آپ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو ذرا یہ بھی بتادیں کہ وہ عذاب کب آئے گا؟

**آیت ۷۲** ﴿قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ ہو سکتا ہے جس چیز کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو۔“

”رَدِف“ کے معنی گھوڑے پر دوسری سواری کے طور پر سوار ہونے کے ہیں۔ اس طرح پچھلا سوار اپنے آگے والے کی پیٹھ کے ساتھ جڑ کر بیٹھنے کی وجہ سے ”ردیف“ کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم جس عذاب کے بارے میں بے صبری سے بار بار پوچھ رہے ہو وہ اب تمہاری پیٹھ کے ساتھ آ لگا ہے، بس اب تمہاری شامت آنے ہی والی ہے۔ ان الفاظ میں غالباً غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں مشرکین مکہ کو عذاب الہی کی پہلی قسط ملنے والی تھی۔

**آیت ۷۳** ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب بڑے فضل والا ہے لوگوں کے حق میں“

یعنی ابھی تک اگر تم لوگوں پر عذاب نہیں آیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مظہر ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ بہت فضل اور کرم کا معاملہ کرتا ہے۔

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ﴾ ”لیکن ان کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔“



**آیت ۷۴** ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے کیا کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں کیا جذبات ہیں۔ ان کے دل تو گواہی دے چکے تھے کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں اور قرآن بھی برحق ہے، لیکن وہ محض حسد، تکبر اور تعصب کے باعث انکار پر اڑے ہوئے تھے۔ اس حوالے سے ان کی کیفیت فرعون اور قوم فرعون کی کیفیت سے مشابہ تھی جس کا حال اسی سورت کی آیت ۱۴ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلوًّا﴾ ”اور انہوں نے ان (آیات الہی) کا انکار کیا ظلم اور تکبر کے ساتھ جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔“ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۶ اور سورۃ الانعام کی آیت ۲۰ میں علماء اہل کتاب کی بالکل یہی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ یعنی وہ اللہ کے رسول ﷺ اور قرآن کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

**آیت ۷۵** ﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۚ﴾ ”اور نہیں ہے کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر وہ ایک روشن کتاب میں موجود ہے۔“  
گویا اللہ تعالیٰ کے علم قدیم ہی کو یہاں کتاب مبین کہا گیا ہے۔

**آیت ۷۶** ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ أَكْثَرُ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ﴾ ”یقیناً یہ قرآن کھول کر بیان کر رہا ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔“  
تورات کا نزول قرآن سے دو ہزار سال پہلے ہوا تھا۔ اصل کتاب مدتوں پہلے گم ہو چکی تھی، پھر ایک عرصے بعد اسے یادداشتوں کی مدد سے دوبارہ مرتب کیا گیا اور بنی اسرائیل نے اپنی من پسند روایات کے ذریعے سے بہت سی غلط باتیں اللہ سے منسوب کر دیں۔ جیسے اقبال نے کہا ہے: ”یہ اُمت روایات میں کھو گئی!“ بہر حال قرآن نے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا اور حقیقت ہر پہلو سے منکشف ہو گئی۔

**آیت ۷۷** ﴿وَأَنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۚ﴾ ”اور یقیناً یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے اہل ایمان کے حق میں۔“

**آیت ۷۸** ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۚ﴾ ”یقیناً آپ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہ زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا۔“

**آیت ۷۹** ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ الْحَقِّ الْمُبِينِ ۚ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ توکل کیجیے اللہ پر۔ یقیناً آپ ہی واضح حق پر ہیں۔“

آپ کی دعوت میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔ آپ کا موقف حق و صداقت پر مبنی ہے۔

**آیت ۸۰** ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ ”البتہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے“

یعنی آپ کے ان مخاطبین میں سے اکثر لوگوں کے دل مردہ ہیں، ان کی روحیں ان کے دلوں کے اندر دفن ہو چکی ہیں۔ یہ لوگ صرف حیوانی طور پر زندہ ہیں جبکہ روحانی طور پر ان میں زندگی کی کوئی رمت موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ابوجہل اور ابولہب کو آپ زندہ مت سمجھیں، یہ تو محض چلتی پھرتی لاشیں ہیں۔ اس کیفیت میں وہ آپ کی ان باتوں کو کیسے سن سکتے ہیں! میرا درد نے اپنے اس شعر میں انسان کی اسی روحانی زندگی کا ذکر کیا ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝۸۰﴾ ”اور نہ آپ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں

جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں۔“

یعنی ایک بہرا شخص آپ کے روبرو ہو، آپ کی طرف متوجہ ہو تو پھر بھی امکان ہے کہ آپ اشارے کنائے سے اپنی کوئی بات اسے سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں، لیکن جب وہ پلٹ کر دوسری طرف چل پڑے تو اسے کوئی بات سمجھانا یا سنانا ممکن نہیں رہتا۔

آیت ۸۱ ﴿وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَاتِهِمْ ۝۸۱﴾ ”اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر

کر راہ پر لانے والے بن سکتے ہیں۔“

﴿إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝۸۲﴾ ”آپ نہیں سنا سکتے مگر صرف انہی کو جو

ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرمانبرداری کی روش اختیار کرتے ہیں۔“

## آیات ۸۲ تا ۹۳

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ أَكْذَبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنَا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلُّ أَتَوَةٍ ذُخْرَيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَدُورُ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ كُلُّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ أَمِنُونَ ۝ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّا أَمَرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ

شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۖ وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ ۚ فَمِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

آیت ۸۲ ﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ﴾ ”اور جب ان پر

ہماری بات واقع ہو جائے گی تو ہم نکالیں گے ان کے لیے زمین سے ایک جانور جو ان سے کلام کرے گا۔“

﴿أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝﴾ ”کہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔“

”دابة الارض“ کا ظہور قیامت کی آخری علامات میں سے ہے۔ احادیث کے مطابق سورج کے

مغرب سے طلوع ہونے کے بعد کوہ صفا چھٹے گا اور اس میں سے یہ جانور برآمد ہوگا۔ واللہ اعلم!

آیت ۸۳ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝﴾ ”اور ذرا تصور

کرو اُس دن کا جس دن ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک فوج اُن لوگوں میں سے جو ہماری آیات

کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔“

گویا ان مجرموں کے جرائم مختلف درجوں میں ہوں گے۔ ان میں سے کوئی انکار میں بہت زیادہ سخت تھا کسی

کی طبیعت میں کچھ نرمی کا پہلو تھا کوئی تکذیب کے ساتھ ساتھ استہزاء کرنے کا مجرم بھی تھا۔ چنانچہ ان کے جرائم کی

نوعیت اور کیفیت کے مطابق ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔ یہ طریقہ انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہوگا

کیونکہ سب انسان برابر نہیں۔ نہ تو اہل ایمان سب کے سب برابر ہیں اور نہ کفار و مشرکین سب ایک جیسے ہیں۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

خدا پنچ انگشت یکساں نہ کرد!

آیت ۸۴ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ أَكْذَبْتُمْ بِآيَاتِنَا وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝﴾

”یہاں تک کہ جب وہ سب آجائیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم

نے ان کا علمی احاطہ نہیں کیا تھا؟ یا تم لوگ کیا کرتے رہے تھے؟“

یعنی کیا تم لوگ واقعتاً میری آیات کو سمجھ نہیں سکے تھے یا پھر سمجھنے کے بعد تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے

ان کا انکار کرتے رہے تھے؟

آیت ۸۵ ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ۝﴾ ”اور واقع ہو جائے گی ان پر

بات اس لیے کہ وہ ظلم کے مرتکب ہوئے تھے چنانچہ وہ بول نہیں سکیں گے۔“

جب حقیقت ان پر واضح کر دی جائے گی تو وہ بول نہیں سکیں گے اس لیے کہ ان کے دل تو دعوت حق کی

حقانیت پر گواہی دے چکے تھے لیکن اپنی ضد ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا

تھا۔ قبل ازیں اسی سورت کی آیت ۱۴ میں ایسے منکرین کے انکار کی کیفیت پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے: ﴿وَجَحَدُوا



بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۖ﴾ کہ ان کے دلوں نے آیاتِ الہیہ کا یقین کر لیا تھا مگر وہ محض ضدِ ظلم اور سرکشی کی بنا پر نہیں مانے تھے۔

**آیت ۸۶** ﴿الَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۖ﴾ ”کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے بنایا ہے رات کو تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے!“  
اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کے تحت رات کو سکون کے لیے جبکہ دن کو معاشی جدوجہد کے لیے سازگار بنایا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔“

**آیت ۸۷** ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۖ﴾ ”اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو گھبرا اٹھیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے۔“

نفخِ صور سے ایک عمومی گھبراہٹ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات پر طاری ہو جائے گی سوائے ان کے جنہیں اللہ خود اس سے محفوظ رکھنا چاہے۔ جیسے آسمانوں پر فرشتے۔

﴿وَكُلُّ أَوْتُوهُ ذٰخِرِيْنَ﴾ ”اور سب حاضر ہو جائیں گے اُس کے آگے عاجزی کے ساتھ۔“  
اُس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے مؤذّب کھڑے ہوں گے۔

**آیت ۸۸** ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۖ﴾ ”اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ وہ خوب جمے ہوئے ہیں اور (اُس دن) وہ چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔“

پہاڑ اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ ہوائی سفر کے دوران ہم میں سے اکثر نے بادلوں کی ماہیت کا قریب سے مشاہدہ کیا ہوگا۔ یہ بظاہر دیکھنے میں ٹھوس نظر آتے ہیں لیکن جہاز بغیر کسی رکاوٹ کے انہیں چیرتے ہوئے آگے گزر جاتا ہے۔ قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹھوس حیثیت کو ختم کر دیا جائے گا اور وہ ذرات کے غبار میں تبدیل ہو کر بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

﴿صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ﴾ ”یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے۔“  
یہ اللہ کی صنّاعی کا کرشمہ ہے کہ اُس نے اس وقت پہاڑوں کو ایسی محکم اور ٹھوس شکل دے رکھی ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے انہیں دھکی ہوئی روئی کے گالوں اور بادلوں کی طرح بے وزن اور نرم کر دے گا۔

﴿إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ﴾ ”یقیناً وہ ہر اُس چیز سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔“

**آیت ۸۹** ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ ”جو کوئی بھی (اُس دن) نیکی لے کر آئے گا تو اُس

کے لیے اس سے بہتر صلہ ہوگا۔“

ایک نیکی کا اجر دس گنا بھی ہو سکتا ہے، سات سو گنا بھی اور اس سے بھی زیادہ۔ بہر حال نیکی کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا۔

﴿وَهُمْ مِّنْ فَرْعٍ يُّؤَمِّدُ آمِنُونَ ۝۸۹﴾ ”اور وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔“

اس سے قیامت کے دن کی گھبراہٹ مراد ہے جسے سورۃ الحج کی پہلی آیت میں ﴿إِنَّ زُلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝۱﴾ کہا گیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ قیام قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ مومنین صادقین کو سکون کی موت عطا کر کے اس دن کی گھبراہٹ سے بچالے گا۔ اس کے علاوہ ان الفاظ میں اس مفہوم کی گنجائش بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بعث الموت کے بعد میدانِ حشر کی گھبراہٹ سے بھی محفوظ رکھے گا۔

آیت ۹۰ ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۝۹۰﴾ ”اور جو کوئی بُرائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کے منہ آگ میں اوندھے کر دیے جائیں گے۔“

یعنی ان لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک!

﴿هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۹۱﴾ ”(اور کہا جائے گا کہ) تمہیں بدلے میں وہی تو دیا

جار رہا ہے جو تم عمل کرتے رہے ہو۔“

یعنی اس سزا کی صورت میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی، بلکہ تمہارے اعمال کے عین مطابق ہی تمہیں بدلہ مل رہا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا ۝۹۱﴾ ”(دیکھو!) مجھے تو یہی حکم ہوا ہے

کہ میں بندگی کروں اس شہر کے رب کی جس نے اسے محترم قرار دیا ہے“

ان آخری آیات کا انداز ایک اعلان کا سا ہے۔ اگرچہ اس اعلان کا آغاز لفظ ”قُلْ“ سے نہیں ہو رہا لیکن انداز یہی ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیجیے۔ آپ ان پر واضح کر دیجیے کہ میں کسی بُت، کسی دیوی یا کسی دیوتا کی پرستش کی بجائے صرف اُس رب کی بندگی کرتا ہوں اور اسی کی بندگی کرتا رہوں گا جس نے بیت اللہ کو حرم ٹھہرایا ہے اور اس شہر کی سرزمین کو محترم قرار دیا ہے۔

﴿وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۹۲﴾ ”اور اُسی کے اختیار میں ہے ہر چیز

اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں اُس کے فرمانبردار بندوں میں۔“

آیت ۹۲ ﴿وَأَنْ تُلُوا الْقُرْآنَ ۝۹۲﴾ ”اور یہ کہ میں تلاوت کروں قرآن کی!“

مجھے تیسرا حکم یہ ملا ہے کہ میں قرآن پڑھوں، پڑھ کر لوگوں کو سناتا رہوں اور اس کی تبلیغ کرتا رہوں۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۶۷ میں بھی آپ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ﴾ کہ اے نبی ﷺ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ وہ

لوگوں تک پہنچا دیجیے اور اگر بالفرض آپ نے ایسا نہ کیا تو یہ گویا رسالت کے فرائض میں کوتاہی شمار ہوگی۔  
 ﴿فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ ”تو جو کوئی ہدایت پائے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے  
 ہدایت پائے گا۔“

اس ہدایت کے بدلے میں اگر وہ آخرت میں کامیاب قرار پاتا ہے اور اسے ﴿فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ  
 نَعِيمٌ﴾ (الواقعة) سے نوازا جاتا ہے تو اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَضَلَّ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ ”اور جو کوئی گمراہی کی روش اختیار کرے تو آپ  
 کہہ دیجیے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں!“

جیسے کسی خطبہ کے آخر میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں: وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ بالکل  
 اسی انداز میں اب اس سورت کا اختتام ہو رہا ہے:

**آیت ۹۳** ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا﴾ ”اور آپ کہہ دیجیے کہ کل حمد اور کل ثنا اللہ  
 کے لیے ہے، عنقریب وہ تمہیں اپنی آیات دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لو گے۔“  
 ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ”اور آپ کا رب غافل نہیں ہے اُس سے جو اعمال تم  
 کر رہے ہو۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰



# سُورَةُ الْقَصَصِ

## تمہیدی کلمات

سورة الفرقان سے سورة السجدة تک آٹھ مکی سورتوں کا گروپ چار چار سورتوں کے دو ذیلی گروپس میں منقسم ہے۔ ان میں سے پہلی چار سورتوں (سورة الفرقان، سورة الشعراء، سورة النمل اور سورة القصص) میں مزاج کے اعتبار سے کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورة القصص اس ذیلی گروپ کی آخری سورت ہے۔ اس گروپ میں سے سورة الفرقان کو چھوڑ کر باقی تینوں سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ سورة الشعراء اور سورة القصص دونوں طسّم سے شروع ہوتی ہیں جبکہ سورة النمل کا آغاز طسّ سے ہوتا ہے۔ دوسرے ذیلی گروپ کی چاروں سورتوں (سورة العنكبوت، سورة الروم، سورة لقمان اور سورة السجدة) میں مضامین کی ہم آہنگی کے علاوہ باہمی مشابہت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان سب کا آغاز المّ سے ہوتا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر حروف مقطعات کے سلسلے میں ایک یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ جن سورتوں کے آغاز کے حروف مقطعات میں ”ط“ آیا ہے ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے مثلاً سورة طہ، سورة الشعراء، سورة القصص اور سورة النمل۔ اس کی وضاحت بعض اہل علم نے اس طرح کی ہے کہ عبرانی اور عربی زبان کے بنیادی حروف (alphabets) مختلف شکلوں سے اخذ کیے گئے ہیں (جیسا کہ چینی زبان کے حروف بھی شکلوں سے بنے ہیں جبکہ بعض زبانوں کے حروف آوازوں سے بھی اخذ ہوئے ہیں)۔ اس لحاظ سے ”ط“ سانپ کی شکل سے مشابہ ہے (حرف کا نچلے والا حصہ سانپ کی کندلی سے مشابہ ہے جبکہ اوپر اٹھا ہوا ”الف“ اس کے بھن کی علامت ہے)۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سانپ کی ایک خاص مناسبت ہے اور شاید اسی وجہ سے مذکورہ چار سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس موقف کو سورہٴ ن (اس سورت کا دوسرا نام ”سورة القلم“ بھی ہے) میں حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر سے بھی تقویت ملتی ہے۔ حرف ”ن“ کے بارے میں خیال ہے کہ اس حرف کی شکل مچھلی کی شکل سے اخذ کی گئی ہے (عام طور پر آج بھی ڈرائنگز اور پینٹنگز میں مچھلی کی شکل ایک ایسی ”ن“ سے مشابہ دکھائی جاتی ہے جس کا نقطہ ایک جانب لگا ہو) اور اسی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو ذوالنون (مچھلی والا) کا لقب دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہٴ ن میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ”صاحب الحوت“ (مچھلی والا) کے لقب سے آیا ہے اور وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تھا۔ بہر حال اس طرح بعض حضرات نے حروف مقطعات میں سے بعض حروف کی مناسبت متعلقہ سورتوں کے بعض مضامین سے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ (مثلاً بعض حضرات کے نزدیک طسّ میں ”طور سینا“ کی طرف اشارہ ہے اور طسّم میں ”طور سینا اور موسیٰ“ کی طرف۔)

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی دور کے حالات و واقعات ملتے ہیں۔ آپ کے حالات قرآن میں بہت تفصیل اور بہت تکرار سے بیان ہوئے ہیں۔ ان حالات و واقعات کی تقسیم سورتوں کے حوالے سے اس طرح نظر آتی ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری دور کے حالات سورۃ البقرۃ اور سورۃ الاعراف میں بیان ہوئے ہیں۔ درمیانی دور کے واقعات سورۃ طہ (اس سورت کے آٹھ میں سے پانچ رکوع آپ کے حالات پر مشتمل ہیں) سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں ملتے ہیں جبکہ بالکل ابتدائی دور کے حالات کی تفصیل زیر مطالعہ سورت یعنی سورۃ القصص میں آئی ہے۔ قرآن کے اب تک کے مطالعہ کے دوران ہم یہ واقعہ بار بار پڑھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے مصر واپس آرہے تھے تو آپ کو راستے میں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، لیکن آپ مصر سے مدین کیسے پہنچے تھے؟ یہ تفصیل ہمیں اب اس سورت میں ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۱۳

طَسَمَ ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْبَيِّنِ ۝ نَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ نَّبَا مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَذِخُّ أبنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَهُمْ أَهْلًا وَنَجْعَهُمُ الْوَارِثِينَ ۖ وَنُكَِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۖ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَاذْخِفِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِينَ ۖ وَقَالَتِ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ قُرَّةُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَأَصْبَحَ قُودًا لِّأُمِّ مُوسَىٰ فَرِغًا ۖ إِنَّ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَقَالَتُ لِأَخِيهِ قُصِّ لِي قِصَّةُ قَبْرِتُ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۖ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كُنِيَ تَقْرَ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنُ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ

آیت ۱ ﴿طَسَمَ ۝﴾ ”ط‘س‘م۔“

آیت ۲ ﴿تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝﴾ ”یہ کتابِ روشن کی آیات ہیں۔“

آیت ۳ ﴿نَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ نَبَا مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾ ”ہم سناتے ہیں آپ کو

موسیٰ اور فرعون کے کچھ احوال حق کے ساتھ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

گویا سورت کا آغاز ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے ہو رہا ہے۔

آیت ۴ ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ ۝﴾ ”یقیناً فرعون نے بہت سرکشی کی تھی زمین (مصر) میں“

﴿وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا ۝﴾ ”اور اُس نے تقسیم کر دیا تھا اس کے باسیوں کو گروہوں میں“

فرعون نے مصر کے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ حاکم تھا اور دوسرا محکوم۔ یعنی قبطلی قوم حاکم تھی جبکہ بنی اسرائیل ان کے محکوم تھے۔

﴿يَسْتَضِعُّ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ ۝﴾ ”اس نے دبا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو“

بنی اسرائیل کو اس نے محکوم اور غلامی کے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اور ان پر وہ بہت سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔

﴿يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ۝﴾ ”وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں

کو زندہ رہنے دیتا تھا۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾ ”یقیناً وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا۔“

آیت ۵ ﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ ۝﴾ ”اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم احسان

کریں ان لوگوں پر جو زمین میں دبا دیے گئے تھے“

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا جنہیں مصر میں مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

﴿وَنَجْعَلُهُمْ أُمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝﴾ ”اور (ہم نے چاہا کہ) ہم انہیں امام بنادیں اور

انہی کو ہم وارث بھی بنائیں۔“

آیت ۶ ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ ۝﴾ ”اور ہم تمکن عطا کریں ان کو زمین میں“

ہم نے فیصلہ کیا کہ دنیا میں ہم بنی اسرائیل کو حکومت، طاقت اور سر بلندی عطا کریں گے۔

﴿وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝﴾ ”اور ہم دکھا دیں فرعون،

ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ جس سے وہ ڈرتے تھے۔“

ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ان لوگوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے کیا خطرہ تھا؟ اس کے بارے میں دو

توجیہات ملتی ہیں۔ ان میں سے جو توجیہ ہماری تفسیری روایات میں بہت تکرار سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے اسے یہ اشارہ ملا کہ اسرائیلیوں کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے

جو اسے اور اس کی سلطنت کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل



کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر اُس نے اپنے اس فیصلے پر سختی سے عمل درآمد بھی کروایا۔ یہ روایت تلمود میں بیان ہوئی ہے (اور تلمود سے ہی ہماری تفسیری روایات میں آئی ہے) لیکن نہ تو اس کا ذکر تورات میں کہیں ملتا ہے اور نہ ہی قرآن میں ایسا کوئی اشارہ موجود ہے۔ (البتہ اس سے ملتے جلتے ایک خواب کا ذکر انجیل میں ضرور ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں متعلقہ علاقے کے یہودی بادشاہ نے دیکھا تھا اور اس خواب کے بعد وہ بادشاہ آپ کی جان کے درپے ہو گیا تھا۔)

اس سلسلے میں دوسری توجیہ البتہ منطقی اور عقلی نوعیت کی ہے اور وہ یہ کہ فرعون اور اس کے مشیروں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اگر ان کی تعداد میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا تو بہت جلد یہ لوگ ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں اور اسی خدشے کے پیش نظر انہوں نے اسرائیلیوں کی زینہ اولاد کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ بالکل اسی نوعیت کی ایک سوچ ماضی قریب میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے خلاف بھی پیدا ہوئی تھی جب ہندوؤں کو بھی بالکل ایسا ہی اندیشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح یہ لوگ مستقبل میں ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی اندیشے کے تحت اندرا گاندھی کے دور حکومت میں مسلمانوں کی جبری نس بندی کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے گئے۔ اور پھر اسی کے رد عمل کے طور پر مسلمانوں نے انتخابی معرکے میں کانگریس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور یوں اندرا گاندھی کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے۔

بہر حال اس حوالے سے ان دونوں توجیہات کا اپنی اپنی جگہ پر درست ہونے کا امکان بھی ہے۔ یعنی ممکن ہے فرعون اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے بھی خائف ہو اور اس نے ایسا کوئی خواب بھی دیکھا ہو جس سے اسے اپنا اقتدار ڈولتا ہوا محسوس ہوا ہو۔ واللہ اعلم!

**آیت ۷** ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ ”اور ہم نے وحی کر دی موسیٰ کی والدہ کو کہ تم اسے دودھ پلاتی رہو۔“

﴿فَإِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ فَالْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي﴾ ”اور جب تمہیں اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کھانا اور نہ رنجیدہ ہونا۔“

کہ جب تمہیں معلوم ہو کہ حکومتی کارندے تلاشی کے لیے آرہے ہیں اور پکڑے جانے کا امکان ہے تو بلا خوف و خطر بچے کو دریا کے نیل میں ڈال دینا۔

﴿إِنَّا رَأَوُوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”ہم اسے لوٹانے والے ہیں تمہاری طرف اور اسے بنانے والے ہیں رسولوں میں سے۔“

**آیت ۸** ﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ﴾ ”تو اُسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے“

”لُقطہ“ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کہیں گری پڑی ہو اور کوئی اسے اٹھا لے۔ فقہ کی کتابوں میں ”لُقطہ“ کے بارے میں تفصیلی احکام و مسائل ملتے ہیں۔

﴿لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾ ”تا کہ وہ بن جائے ان کے لیے دشمن اور پریشانی (کا باعث)۔“  
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچے کو دریا سے نکالتے ہوئے ان کا یہ مقصد تھا یا انہیں معلوم تھا کہ ایسے ہوگا، بلکہ مراد یہ ہے کہ بالآخر اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ بچہ ان کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بن گیا۔  
 ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ﴾ ”یقیناً فرعون، ہامان اور ان کے سب لشکر (اپنی تدبیر میں) خطا کار تھے۔“

**آیت ۹** ﴿وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ﴾ ”اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔“  
 ﴿لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ ”تم اسے قتل مت کرو، کیا عجب کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں“

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں عزیز مصر کی بیوی نے کہے تھے (یوسف: ۲۱)۔  
 ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور وہ (انجام سے) بالکل بے خبر تھے۔“  
 انہیں اس وقت کوئی اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے اور ان کے اس فیصلے کا کیا نتیجہ نکلنے والا تھا۔  
**آیت ۱۰** ﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِغًا﴾ ”اور (ادھر) موسیٰ کی ماں کا دل حوصلہ چھوڑ بیٹھا۔“  
 ان کے دل میں طرح طرح کے سو سے جنم لے رہے تھے اور شدتِ غم سے جذبات میں ایسا ہیجان برپا تھا کہ دل اڑا جا رہا تھا۔

﴿إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَّنَا عَلَىٰ قُلُوبِنَا لَتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”قرب تھا کہ وہ اس (راز) کو ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا“ تا کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔“

اگر ہم نے اس کی ڈھارس نہ بندھائی ہوتی تو وہ اپنی اس اضطراری کیفیت میں خود ہی بھانڈا پھوڑ دیتی۔  
**آیت ۱۱** ﴿وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ﴾ ”اور اُس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا!“  
 ﴿فَبَصَّرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”تو وہ اس کو دور سے دیکھتی رہی اور انہیں احساس بھی نہ ہوا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنی والدہ کے کہنے پر دریا کے کنارے کنارے صندوق پر دھیان رکھے اس انداز سے چلتی رہی جیسے صندوق سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اس طرح وہ بچے کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری سے فرعون کے محل میں پہنچ گئی۔ لیکن اس نے اپنے انداز سے وہاں بھی یہی ظاہر کیا جیسے وہ ایک راہ چلتی بچی ہے جو دریا میں تیرتے ہوئے صندوق کو دیکھنے کے لیے ادھر تک پہنچ گئی ہے اور یوں وہاں کسی کو اس کی اصل منصوبہ بندی کے بارے میں گمان تک نہ ہوا۔

**آیت ۱۲** ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ہم نے اس پر پہلے ہی حرام کر دی تھیں تمام دودھ پلانے والی عورتیں“

یہ سب کچھ اس بچی کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ یعنی یکے بعد دیگرے دودھ پلانے والی بہت سی خواتین کو بلایا گیا تھا مگر بچے نے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تھا۔ سورہ طہ کی آیت ۳۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کی من موہنی صورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ کہ میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا تھا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپ کی صورت کے گردیدہ ہو رہے تھے مگر ساتھ ہی سخت تشویش میں مبتلا بھی تھے کہ آپ کی خوراک کا کیا انتظام کیا جائے۔ کسی خاتون کا دودھ آپ قبول ہی نہیں کر رہے تھے اور اس زمانے میں بچے کو دودھ پلانے کا کوئی دوسرا طریقہ تھا ہی نہیں۔

﴿فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ﴾ ”تو اُس لڑکی نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟“

**آیت ۱۳** ﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ ”تو یوں ہم نے اُسے لوٹا دیا اُس کی والدہ کے پاس تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں“

﴿وَلَا تَحْزَنْ وَلِتَعْلَمِ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ ”اور وہ رنجیدہ نہ ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے بیٹے کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس حوالے سے اسے اطمینان دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

## آیات ۱۴ تا ۲۱

وَلَبَّأْ بَلَّغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ أَمِينُهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَةِ هَٰذَا وَمِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَاسْتَفَاهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۚ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قَالَ رَبِّ إِنَّمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۚ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝ فَلَبَّأْ أَنْ



أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۚ قَالَ يَبُوءُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا  
بِالْأَمْسِ ۚ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ  
الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يَبُوءُ إِنَّ الْهَلَكَ يَأْتِيُونَ  
بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ  
نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

ع

آیت ۱۲ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ ”اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور  
ہر لحاظ سے توانا ہو گیا تو ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا۔“

یعنی جب آپ کے ظاہری اور باطنی قویٰ پورے اعتدال کے ساتھ استوار ہو گئے اور آپ پختگی کی عمر کو پہنچ  
گئے تو آپ کو خصوصی علم و حکمت سے نوازا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نبوت مراد ہے مگر عمومی رائے  
یہی ہے کہ نبوت آپ کو بعد میں ملی۔

﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ ”اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔“  
آیت ۱۵ ﴿وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ ”اور (ایک روز) وہ شہر میں داخل ہوا ایسے  
وقت جبکہ اس کے باسی غفلت میں (پڑے سو رہے) تھے“

حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں رہتے تھے اور عام طور پر شاہی محلات عام شہری آبادی سے الگ علاقے  
میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے شہر میں آنے کا یہاں خصوصی انداز میں ذکر ہوا ہے۔ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ  
کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ علی الصبح شہر میں آئے ہوں گے جب لوگ ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے  
تھے یا پھر وہ دوپہر کو قیلو لے کا وقت تھا۔

﴿فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتُلَانِ﴾ ”تو اُس نے وہاں پایا دو اشخاص کو آپس میں لڑتے ہوئے“  
﴿هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ”ایک اُس کی اپنی قوم میں سے تھا اور دوسرا اُس کے  
دشمنوں میں سے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں شہر میں ایک اسرائیلی اور ایک قبیلی کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔  
﴿فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ”تو مدد مانگی موسیٰ سے اُس نے جو اُس  
کی قوم میں سے تھا اُس کے خلاف جو اُس کی دشمن قوم سے تھا“

﴿فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾ ”تو موسیٰ نے اُس کو ایک مڑا رسید کیا اور اس کا کام تمام کر دیا“  
﴿قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ﴾ ”(یہ دیکھتے ہی) وہ پکار اٹھا کہ یہ تو  
شیطان کا عمل ہے۔ یقیناً وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیت تو قتل کرنے کی نہیں تھی لیکن اتفاق سے ضرب زیادہ شدید تھی اور وہ شخص مر گیا۔

یہ حرکت سرزد ہوتے ہی آپ کو فوراً احساس ہوا کہ یہ مجھ سے شیطانی کام صادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

**آیت ۱۶** ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ﴾ ”عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تو اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں، پس تو مجھے بخش دے، تو اللہ نے اُسے بخش دیا۔“  
﴿إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”یقیناً وہی ہے بڑا بخشنے والا، رحم فرمانے والا۔“

**آیت ۱۷** ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ﴾ ”اُس نے کہا: پروردگار! بسبب اس احسان کے جو تو نے مجھ پر کیا ہے (میں عہد کرتا ہوں کہ) اب میں کبھی مددگار نہیں بنوں گا مجرموں کا۔“

یعنی چونکہ تو نے مجھے معاف فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے، لہذا میں عہد کرتا ہوں کہ میں آئندہ کبھی بھی کسی غلط کار شخص کا حمایتی نہیں بنوں گا۔

[مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اُس نے اللہ کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ (اضافہ از مرتب)]  
**آیت ۱۸** ﴿فَاصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ ”تو اُس نے صبح کی شہر میں (اس کیفیت میں) کہ وہ خوف زدہ بھی تھا اور چوکنا بھی“

ظاہر ہے قتل کے بعد شہر میں ہر طرف قاتل کو ڈھونڈنے کی دھوم مچی ہوگی۔ ہر طرح سے تفتیش و تحقیق ہو رہی ہوگی۔ چنانچہ آپ خوفزدہ بھی تھے کہ کہیں راز نہ کھل جائے اور محتاط و متحسّس بھی۔

﴿فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ﴾ ”تو اچانک (اُس نے دیکھا کہ) جس شخص نے کل اُس سے مدد مانگی تھی وہی آج پھر اس سے فریاد کر رہا ہے۔“  
وہی شخص آج پھر کسی سے الجھا ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس نے پھر آپ کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔

﴿قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ﴾ ”موسیٰ نے اس سے کہا کہ (معلوم ہوتا ہے) تم ہی ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو۔“

کہ کل بھی ایک قبیلے سے تمہاری لڑائی ہو رہی تھی اور آج پھر تم نے کسی سے جھگڑا مول لے رکھا ہے۔ لگتا ہے تمہاری فطرت ہی ایسی ہے اور تم ہر کسی سے زیادتی کرتے ہو۔

**آیت ۱۹** ﴿فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا﴾ ”پھر جب اُس نے پکڑنا چاہا اُس کو جو ان دونوں کا دشمن تھا“

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے تو بڑھے تھے اس قبیلے کو پکڑنے کے لیے تاکہ اُسے اپنے اسرائیلی بھائی کو مارنے سے روک سکیں، لیکن چونکہ آپ کے غصے کا رخ اسرائیلی کی طرف تھا اور اس کو سختی سے ڈانٹتے ہوئے آپ نے

إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ کہا تھا اس لیے وہ سمجھا کہ آپ اس کی پٹائی کرنا چاہتے ہیں چنانچہ:  
 ﴿قَالَ يَمُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ﴾ ”وہ چیخ اٹھا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا!“

گویا اس نے اپنی حماقت سے بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ کل والا قتل موسیٰ نے کیا تھا۔  
 ﴿إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ﴾ ”تم صرف یہ چاہتے ہو کہ تم اس ملک میں بڑے جابر بن جاؤ“

﴿وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ﴾ ”اور تم نہیں چاہتے کہ تم اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔“

گویا اس مکالمے سے اُس اسرائیلی نے ثابت کر دیا کہ وہ خود ایک منفی سوچ کا حامل اور گھٹیا کردار کا مالک شخص تھا۔  
**آیت ۲۰** ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ﴾ ”اور ایک شخص آ یا شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا“

یعنی اس دوسرے جھگڑے میں جب قتل کا راز فاش ہو گیا تو اس قبطی نے جا کر مخبری کی ہوگی۔ تب یہ واقعہ پیش آیا ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ فرعون اور دوسرے امراء سلطنت کے محلات شہر کی عام آبادی سے دور تھے۔ چنانچہ ایک شخص وہاں سے دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تک یہ خبر پہنچائی۔

﴿قَالَ يَمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ﴾ ”اُس نے کہا: اے موسیٰ! اعیان حکومت تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں“

یعنی آپ کے ہاتھوں قبطی کے مارے جانے کی خبر ارباب اقتدار تک پہنچ جانے کے بعد ایوان حکومت میں آپ کے قتل کی قرارداد پیش ہو چکی تھی اور آپ کے قتل کی رائے پر سب کا اتفاق ہونے والا تھا۔ یقیناً انہوں نے سوچا ہوگا کہ غلام قوم کا یہ فرد شاہی محل میں رہ کر خود سر اور سرکش ہو گیا ہے۔ آج اس نے ایک قبطی کو قتل کرنے کی جسارت کی ہے تو کل یہ شخص اپنی غلام قوم میں آزادی کی روح پھونک کر انہیں ہمارے خلاف بغاوت پر بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہ ہمارے لیے بڑا مسئلہ کھڑا کرے بہتر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

﴿فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاحِبِينَ﴾ ”تو تم یہاں سے نکل جاؤ“ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔“

اُس شخص نے آپ کو یقین دلایا کہ وہ آپ کو بالکل صحیح مشورہ دے رہا ہے اور آپ کی بھلائی چاہتا ہے۔

**آیت ۲۱** ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ ”تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ڈرتے بڑا چوکنا ہو کر“  
 لفظ يَتَرَقَّبُ قبل ازیں آیت ۱۸ میں بھی آچکا ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کی ایسی کیفیت ہے جس میں وہ کسی بھی طرف سے ممکنہ خطرے کی وجہ سے فکر مند بھی ہو اور انتہائی محتاط اور چوکنا بھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی



اُس وقت ایسی ہی کیفیت تھی۔

﴿قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (۲۱) ”اور اُس نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں کی قوم سے نجات دے دے۔“

## آیات ۲۲ تا ۲۸

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَتْلِكَ أَحَدَى ابْنَتَيْ هَتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَجَبٌ ۖ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

**آیت ۲۲** ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ﴾ ”اور جب اُس نے مدین کی طرف رخ کیا“

نقشے پر دیکھیں تو مصر جزیرہ نمائے سینا کے ایک طرف ہے جبکہ مدین کا علاقہ اس کے دوسری طرف واقع ہے۔ گویا مصر سے مدین جانے کے لیے آپ کو پورا صحرائے سینا عبور کرنا تھا۔ آپ نے مدین جانے کا عزم اس لیے کیا کہ یہ علاقہ فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔

﴿قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (۲۳) ”اُس نے کہا: اُمید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری راہنمائی کرے گا۔“

یعنی اس لوق و دق صحرائے سفر کرتے ہوئے میرا رب مسلسل میری راہنمائی کرتا رہے گا اور اس طرح میں راستہ بھٹکنے سے بچا رہوں گا۔ ظاہر ہے کہ ایک وسیع و عریض صحرائے راستہ بھٹک جانے والے مسافر کا انجام تو ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

**آیت ۲۳** ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ﴾ ”اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا“

یہ کنھن اور طویل سفر طے کرنے میں کتنا عرصہ لگا ہوگا اور اس دوران آپ کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا

ہوگا اس سب کچھ کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے اور اب بات وہاں سے شروع ہو رہی ہے جب آپ مدین کے کنویں پر پہنچ گئے:

﴿وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ﴾ ”اُس نے اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو (اپنے جانوروں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا۔“

آپ نے دیکھا کہ کنویں پر لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ کنویں سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔  
﴿وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ﴾ ”اور اُس نے ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں۔“

ان عورتوں کی بکریاں پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف جانے کے لیے بے تاب تھیں لیکن وہ ہجوم چھٹ جانے کے انتظار میں انہیں روکے کھڑی تھیں۔

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمَا﴾ ”اُس نے کہا: آپ دونوں کا کیا معاملہ ہے؟“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنی بکریوں کو ایک طرف کیوں روکے کھڑی ہیں اور انہیں پانی کی طرف کیوں نہیں جانے دیتیں؟

﴿قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم (اپنے جانوروں کو) پانی نہیں پلا سکتے جب تک تمام چرواہے (اپنے جانور) نکال نہ لے جائیں“

جب یہ تمام چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو اس کے بعد ہی ہم اپنے جانوروں کو پانی پلا سکتے ہیں۔

﴿وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ﴾ ”اور ہمارے والد بہت زیادہ بوڑھے ہیں۔“

یعنی اصل میں تو یہ مردوں کے کرنے کا کام ہے مگر ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، گھر میں کوئی اور مرد ہے نہیں، چنانچہ مجبوراً ہم لڑکیوں کو ہی بکریاں چرانا پڑتی ہیں۔ باقی سب چرواہے مرد ہیں، ہم ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر پانی پلانے کی باری نہیں لے سکتے۔ چنانچہ ہم ان کے جانے کا انتظار کرتے ہیں اور ان سب کے چلے جانے کے بعد اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔

**آیت ۲۲** ﴿فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ﴾ ”تو موسیٰ نے ان دونوں کے لیے پانی پلا دیا، پھر سائے کی طرف پھر آیا“

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت توانا اور قوی تھے۔ ان کی مردانہ غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ لڑکیاں یوں بے بسی کی تصویر بنی کھڑی رہیں۔ چنانچہ وہ کنویں کی طرف بڑھے اور سب چرواہوں کو پیچھے ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلانے کا انتظام کر دیا۔ اس کے بعد وہ لڑکیاں اپنی بکریوں کو لے کر چلی گئیں اور آپ ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔ تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

﴿فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ ”تو اُس نے دعا کی: پروردگار! جو خیر بھی تو

میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا محتاج ہوں۔“

یہ انتہائی عاجزی کی دعا ہے۔ ہم سب کو یہ دعا یاد کر لینی چاہیے۔ یہاں ”فَقِيرٌ“ کے لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انتہائی احتیاج کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کو تھوڑی دیر کے لیے ذرا اپنے تصور میں لائیے! ناز و نعم میں پلا بڑھا ایک شخص جس کی پرورش شاہی محل میں ہوئی، اچانک اپنا سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ تنہا جان بچا کر مصر سے نکلتا ہے، نہ معلوم کیسی کیسی مشکلات اور تکالیف اٹھا کر صحرائے سینا عبور کرتا ہے، پھر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچتا ہے جہاں اس کا نہ کوئی شناسا ہے نہ پُرساں حال، نہ سر چھپانے کی جگہ اور نہ روٹی روزی کا کوئی وسیلہ۔ گویا غربت اور محتاجی کی انتہا ہے!

**آیت ۲۵** ﴿فَجَاءَهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ﴾ ”اتنے میں اس کے پاس ان دو میں سے ایک لڑکی شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔“

﴿قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ ”اُس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ بدلہ دیں آپ کو اس کا جو آپ نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔“  
یعنی آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے جو مشقت اٹھائی، ہمارے والد آپ کو اس کا کچھ اجر دینا چاہتے ہیں۔

﴿فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ ”تو جب موسیٰ اُس کے پاس آیا اور اُس نے اسے اپنا سارا قصہ سنایا“

اس آیت میں لفظ ”الْقَصَصَ“ آیا ہے اور اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام الْقَصَص ہے۔  
﴿قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”اُس نے کہا: اب ڈرو نہیں، تم نجات پا چکے ہو ظالموں کی قوم سے۔“

یعنی آپ کے ان دشمنوں کی اس علاقے تک رسائی نہیں۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ یہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔  
بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں جس شخصیت کا ذکر ہے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اس لیے کہ حضرت شعیب کے مدین میں مبعوث ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے بھی اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:-

اگر کوئی شعیب آئے میسرِ شبانی سے کلیسی دو قدم ہے!

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال تک چرواہے کی حیثیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ چرواہے سے کلیم اللہ بن گئے۔

اس مفروضہ کو اگر حقائق و واقعات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول تھے۔ اور کوئی بھی رسول جب کسی قوم کی طرف



مبعوث ہوتا ہے تو اس کی بعثت یا رسالت دوا دوار پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک دعوت کا دور اور دوسرا نزول عذاب کے بعد کا دور۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات آپ کے زمانہ دعوت میں ہوئی تھی (یعنی اس وقت تک ابھی اہل مدین آپ کی تکذیب کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے) تو اس واقعہ کا رنگ بالکل ہی مختلف ہونا چاہیے تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں مدین پہنچے تھے جب اہل مدین پر عذاب آپ کا تھا اور حضرت شعیب اُس وقت عذاب سے محفوظ رہ جانے والے مؤمنین کے ساتھ رہ رہے تھے تو ایسی صورت میں یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ اللہ کے رسول کی بیٹیاں یوں پریشان حال جنگل میں بکریاں چراتی پھرتیں اور اُمت میں سے کوئی ان کا پُرساں حال نہ ہوتا۔ بہر حال واقعہ کا انداز خود بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جس شخصیت سے ہوئی تھی وہ حضرت شعیب نہیں تھے بلکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ بچ جانے والے مؤمنین کی نسل میں سے کوئی نیک سیرت بزرگ تھے۔ اب یہ معلوم کرنا تو مشکل ہے کہ یہ واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کتنے عرصے بعد کا ہے، بہر حال اُس وقت تک حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات کے کچھ نہ کچھ اثرات معاشرے کے اندر موجود تھے۔

**آیت ۲۶ ﴿قَالَتْ احْدٰهُمَا يٰ اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾** ”ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیں“

”اسْتَاْجَرَ“ ”اج ر“ مادہ سے باب استفعال ہے۔ ”مُسْتَاْجِر“ وہ شخص ہے جو کسی کو اجرت پر ملازم رکھے جبکہ اجرت پر کام کرنے والے کو عربی میں ”آجر“ یا ”آجیر“ کہا جاتا ہے (ہمارے ہاں عام طور پر آجر کے معنی اجرت دینے والا یا ملازم رکھنے والا کے لیے جاتے ہیں جو غلط ہیں)۔ بہر حال عربی میں یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ ”آجیر“ صفت مشبہ ہے اور ”آجر“ اسم الفاعل۔

**﴿اِنَّ خَيْرَ مِّنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوٰى اَلْاٰمِنُ ۝۲۷﴾** ”یقیناً بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی یہ دونوں خصوصیات ان بچیوں کے مشاہدے میں آچکی تھیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے آپ کنویں کی طرف بڑھے تھے تو آپ کا ڈیل ڈول دیکھ کر کسی چرواہے نے آپ سے اُلجھنے کی جرأت نہیں کی تھی اور سب نے بلا چون و چرا آپ کو پانی پلانے کا موقع دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ان بچیوں کو آپ کے شریفانہ رویہ سے آپ کی امانت داری کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ کسی مرد کا سامنا کرتے ہوئے ایک شریف عورت فطری طور پر اس کی نظر کے بارے میں بہت حساس ہوتی ہے۔ آپ نے چونکہ لڑکیوں سے بات چیت کرتے ہوئے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس لیے انہوں نے آپ کی امانت داری کی گواہی دی کہ جس شخص کی نگاہ میں خیانت نہیں ہے وہ کسی اور معاملے میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔

**آیت ۲۷ ﴿قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکَحَکَ اِحْدٰی ابْنَتَیْ هٰتٰنِیْ﴾** ”اُس نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔“

چنانچہ شیخ مدین اپنی بیٹی کے مشورے کی روشنی میں جو ارادہ کر چکے تھے اس بارے میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد میں لینا چاہا کہ وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دینا چاہتے ہیں۔

﴿عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَجَّجَ﴾ ”اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری ملازمت کرو۔“ ممکن ہے اس وقت اس علاقے میں نکاح کے بدلے لڑکے سے معاوضہ لینے کا رواج ہو۔ بہر حال شیخ مدین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ آٹھ سال تک ان کی خدمت کریں ان کی بھیڑ بکریاں چرائیں اور گھر کے دوسرے کام کاج کریں تو اس کے بدلے میں وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دے دیں گے☆۔

﴿فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ ”پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہے۔“ یعنی اگر تم آٹھ سال کے بجائے دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ایک طرح کا احسان ہوگا۔ ﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَ عَلَيْكَ﴾ ”اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ یعنی تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ اس دوران میری طرف سے تم پر کوئی بے جا سختی نہیں کی جائے گی اور بہت بھاری کام کے باعث کسی بے جا مشقت میں نہیں ڈالا جائے گا۔

﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”ان شاء اللہ تم مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔“

معاملات کے سلسلے میں ان شاء اللہ تم مجھے ایک راست باز اور کھرا آدمی پاؤ گے۔

**آیت ۲۸** ﴿قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ﴾ ”موسیٰ نے کہا: (ٹھیک ہے) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔“

﴿أَيَّمَا الْآجِلَيْنِ فُقِضْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ﴾ ”ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔“

یعنی آپ کا مطالبہ مجھ سے آٹھ سال کا ہی ہوگا۔ اگر میں دس سال پورے کر دوں تو یہ میرا اختیار ہوگا، آپ مجھے اس پر مجبور نہیں کریں گے۔

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”اور جو کچھ (اس وقت) ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر وکیل ہے۔“

یعنی ہمارے اس قول و قرار اور معاہدے کا گواہ اور ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔

☆ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خدمت بیٹی کو نکاح میں دینے کے عوض نہیں لی گئی بلکہ اس کا ذکر نکاح سے پہلے ہے۔ ظاہر ہے شیخ مدین کو ضرورت تھی کہ کوئی با اعتماد و جوان ان کے پاس رہ کر گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ضرورت مند تھے کہ ان کے معاش اور رہائش کی کوئی صورت بن آئے۔ لہذا شیخ مدین نے انہیں پیشکش کی کہ میں اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ آٹھ دس سال میرے پاس میرے دست و بازو بن کر رہو گے۔ ”اِسْتَأْجِرْهُ“ اور ”عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي“ کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ اس ملازمت کی اجرت الگ سے ادا کی گئی ہوگی اور بوقت نکاح مہر الگ سے مقرر کیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم! (اضافہ از مرتب)



## آیات ۲۹ تا ۴۲

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا  
 إِنِّي آنَسْتُ نَارًا أَلَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا  
 نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ  
 رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ﴿۳۱﴾ فَلَمَّا رَاَهَا تُهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ  
 يُّوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۳۲﴾ أَسْلَكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّجَ بَيْضَاءَ  
 مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ۖ فَذَكَ بِرُهَاتَيْنِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى  
 فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۳۳﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ  
 أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۴﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي  
 أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۵﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَجَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ  
 إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَا الْغِلْبُونَ ﴿۳۶﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا  
 مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ  
 بِبَنِي جَاءٍ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۸﴾  
 وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرِي ۖ فَأَوْقَدْ لِي يَهَامُنُ عَلَى الطِّينِ  
 فَاجْعَلْ لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَىٰ ۖ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۳۹﴾ وَاسْتَكَبَرَ  
 هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُدْجَعُونَ ﴿۴۰﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ  
 فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى  
 النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿۴۲﴾ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ  
 مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۖ

ع

آیت ۲۹ ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾ ”تو جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلا“

یہ سوچ کر کہ آٹھ دس سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد قتل والا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

﴿آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا﴾ ”تو اُس نے طور پہاڑ کے ایک جانب ایک آگ دیکھی۔“



﴿قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا﴾ ”اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ (یہیں) ٹھہرو“  
 ﴿إِنِّي أَنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ﴾ ”میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے تمہارے لیے کوئی خبر لے آؤں“

ممکن ہے آگ کی جگہ پر موجود کسی شخص سے مجھے راستے کے بارے میں کچھ یقینی معلومات مل جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر غلط راستے پر چل پڑے ہوں۔

﴿أَوْ جَذُودٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ﴾ ﴿۲۹﴾ ”یا اس آگ سے کوئی انگارا (ہی لے آؤں) تاکہ تم تپ سکو۔“

اگر وہاں سے مجھے کوئی انگارا وغیرہ مل گیا تو اس سے ہم آگ جلا کر اس سردرات میں اپنے لیے گرمی حاصل کر سکیں گے۔

**آیت ۳۰** ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ ”تو جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے ندا دی گئی وادی کے دائیں کنارے سے بابرکت جگہ میں ایک درخت سے“  
 ﴿أَنْ يَّمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿۳۰﴾ ”کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار۔“

**آیت ۳۱** ﴿وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ﴾ ”اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو!“  
 قرآن میں اس واقعہ سے متعلق مختلف تفصیلات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَاَهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدَبِّرًا لَّا يَعْقِبُ﴾ ”تو جب اُس نے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے جیسے کہ سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔“  
 اس واقعہ کے حوالے سے سورۃ النمل میں بھی ان سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔

﴿يُمُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ﴾ ﴿۳۱﴾ ”(اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مأمون ہو۔“

تم بالکل امن و امان میں رہو گے اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

**آیت ۳۲** ﴿أَسْلُكُ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ ”اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی بیماری کے“

﴿وَأَضْمُمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ ”اور اپنا بازو اپنے ساتھ چپکا لو خوف سے (بچنے کے لیے)“  
 خوف کی کیفیت کا سامنا کرنے کے لیے یہ ایک خاص ترکیب بتائی گئی کہ جب کبھی آپ کو کوئی خوف لاحق ہو تو اپنے بازو کو اپنی بغل کے ساتھ چمٹالینا اس طرح خوف کے اثرات زائل ہو جائیں گے۔

﴿فَذِنِكَ بُرْهَانٍ مِّنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾ ”تو یہ دو نشانیاں ہیں تمہارے رب کی طرف

سے فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف۔“

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ۝۳۱﴾ ”یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔“

فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت ایک فاسق فاجر اور سرکش قوم بن گئے ہیں۔ لہذا ان نشانیوں کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور انہیں اللہ رب العالمین کی اطاعت و بندگی کی دعوت دو۔

**آیت ۳۳** ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝۳۳﴾ ”اُس نے کہا: پروردگار! میں

نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔“

اگر میں مصر پہنچ کر خاموشی سے کسی جگہ آباد ہو جاؤں تو شاید محفوظ رہ سکوں، لیکن اگر میں سیدھا فرعون کے دربار میں چلا گیا تو اندیشہ ہے کہ فوری طور پر میرے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا اور مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

**آیت ۳۴** ﴿وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۝۳۴﴾ ”اور میرا بھائی

ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے، تو اسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔“

﴿إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝۳۵﴾ ”مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔“

**آیت ۳۵** ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ﴾ ”اللہ نے فرمایا: ہم تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے

تمہارے بھائی کے ذریعے سے“

﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۝۳۶﴾ ”اور ہم تم دونوں کے لیے ایسا رعب پیدا کر دیں

گے کہ وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔“

جس طرح بچپن میں ہم نے آپ کے چہرے پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر فرعون کو آپ کے قتل سے باز رکھا تھا ایسے ہی اب بھی ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔ ہم آپ کی شخصیت میں ایسا رعب اور دبدبہ ڈال دیں گے کہ دشمن آپ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے، آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

﴿بِآيَاتِنَا أَنْتُمْ وَمَنْ أَتَّبَعُكُمَا الْغٰلِبُونَ ۝۳۷﴾ ”ہماری نشانیوں کی بدولت تم دونوں اور تمہارے

پیروکار سب غالب رہیں گے۔“

**آیت ۳۶** ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ﴾ ”تو جب موسیٰ پہنچا اُن کے پاس ہماری روشن

نشانیوں لے کر“

﴿قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝۳۸﴾ ”انہوں نے کہا

کہ یہ کچھ بھی نہیں سوائے گھڑے ہوئے جادو کے اور ہم نے ایسی کوئی بات اپنے پہلے آباء و اجداد میں نہیں سنی۔“

ہمارے لیے یہ بالکل نئی بات ہے کہ اللہ جو اس کائنات کا خالق ہے وہ کسی انسان کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا میں بھیجے اور وہ اس حیثیت میں لوگوں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنا

کہ ان کے زمانے میں پہلے کبھی ایسا ہوا تھا۔

**آیت ۳۷** ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيٰ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾  
 ”اور موسیٰ نے کہا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اُس کی طرف سے اور  
 (وہی خوب جانتا ہے کہ) کس کے لیے دارِ آخرت کا اچھا انجام ہے۔“

﴿إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ ﴿۳۷﴾ ”یقیناً ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔“

**آیت ۳۸** ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي﴾ ”اور فرعون نے کہا: اے  
 درباریو! میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔“

اس ملک میں میری حکومت ہے اور یہاں صرف میرا حکم چلتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے علاوہ کسی اور کو تمہارا  
 ”الہ“ یا ”رب“ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

﴿فَأَوْقَدْ لِي يٰهَامَنُ عَلَى الطِّينِ﴾ ”تو اے ہامان! ذرا تم میرے لیے مٹی کی اینٹوں کو آگ سے  
 پختہ کرو“

یعنی گارے سے اینٹیں بنا کر انہیں بھٹے میں پکانے کا بندوبست کرو۔

﴿فَجَعَلْ لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطْلِعُ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ﴾ ”پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنواؤ تاکہ  
 میں جھانک سکوں موسیٰ کے الہ کو“

موسیٰ جس الہ کی بات کرتا ہے میں اس اونچی عمارت پر چڑھ کر آسمانوں میں جھانک کر اُس الہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔  
 ﴿وَأِنِّي لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ﴿۳۸﴾ ”اور میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔“

**آیت ۳۹** ﴿وَأَسْتَكْبِرُ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ﴾ ﴿۳۹﴾  
 ”اور زمین میں ناحق تکبر کیا اُس نے بھی اور اُس کے لشکروں نے بھی اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری  
 طرف لوٹائے نہیں جائیں گے۔“

**آیت ۴۰** ﴿فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ ”اور ہم نے پکڑ لیا اُس کو بھی اور اس کے لشکروں کو  
 بھی، پھر ہم نے پھینک دیا انہیں سمندر میں۔“

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾ ﴿۴۰﴾ ”تو دیکھ لو! کیا انجام ہوا ظالموں کا!“

**آیت ۴۱** ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾ ”اور ہم نے بنا دیا انہیں امام آگ کی طرف بلانے والے۔“  
 یعنی فرعون اور اس کے درباری لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے گروہ کے پیشوا بن گئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ﴾ ﴿۴۱﴾ ”اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔“

**آیت ۴۲** ﴿وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ ”اور ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اس دنیا میں بھی۔“  
 یہ لعنت رہتی دنیا تک ہر دور میں ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔



﴿وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ﴾ ”اور قیامت کے دن وہ بہت ہی بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔“

قیامت کے دن وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ وہ ذلیل و خوار اور مردود و مطرود ہوں گے اللہ کی رحمت سے بالکل محروم کر دیے جائیں گے ان کی بڑی گت بنائی جائے گی اور ان کے چہرے بگاڑ دیے جائیں گے۔ لفظ ”مَقْبُوحِينَ“ میں یہ سارے معانی موجود ہیں۔

## آیات ۴۳ تا ۵۰

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بِصَآئِرٍ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۶﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۷﴾ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۖ أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوا سِحْرِن تَظْهَرَاتٍ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَفُورٍ ﴿۴۹﴾ قُلْ فَاتَّبِعُوا يَكُتِبْ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۰﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُتَّبَعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾

**آیت ۴۳** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تھا“

﴿بَصَآئِرٍ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”(یہ کتاب) لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے تھی اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

**آیت ۴۴** ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ موجود نہیں تھے (اُس پہاڑ کے) غربی جانب جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تھا“

اے نبی ﷺ! طور کے دامن میں جب ہم موسیٰ سے گفتگو کر رہے تھے اور انہیں منصب رسالت پر فائز کر کے فرعون کی طرف جانے کا حکم دے رہے تھے تو آپ اس وقت وہاں پر موجود نہیں تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ”اور نہ آپ اُن لوگوں میں شامل تھے جو وہاں حاضر تھے۔“  
**آیت ۲۵** ﴿وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ ”لیکن ہم نے پیدا کیں بہت سی نسلیں تو ان کے اوپر ایک لمبی عمر بیت گئی۔“

اہل مکہ چونکہ نبوت اور رسالت کے تصورات سے ناواقف ہیں اس لیے وہ آپ کے دعوائے رسالت پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن اگر وہ قرآن کی فراہم کردہ معلومات پر غور کریں تو ان پر اس کے ”من جانب اللہ“ ہونے کی حقیقت عقلی طور پر بھی واضح ہو جائے گی۔ ماضی کے واقعات کی تفصیلات جب آپ ان کو سناتے ہیں تو یہ بات خود بخود ان کی سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ یہ تمام معلومات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بذریعہ وحی آپ کو فراہم کی ہیں۔

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمُ الْاٰتِاٰ﴾ ”اور نہ ہی آپ اہل مدین کے درمیان مقیم تھے کہ ان کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے“

جب آپ ان کو مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے اور شیخ مدین کے گھر میں ان کے قیام جیسے واقعات کی تفصیلات سنارہے ہیں تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ آپ ان واقعات کے عینی شاہد تو نہیں تھے۔

﴿وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ ”بلکہ یہ تو ہم ہیں (رسولوں کو) بھیجنے والے!“

ہم جس کو چاہتے ہیں اپنا رسول بنا کر بھیجتے ہیں اور جس کو ہم اس منصب پر فائز کرتے ہیں اس کو غیب کی خبریں، ماضی و مستقبل کے واقعات کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتے ہیں اور ہدایت کے لیے ضروری تعلیمات بھی دیتے ہیں۔

**آیت ۲۶** ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ ”اور نہ آپ (اُس وقت) طور کے پاس موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا“

﴿وَلَكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ”بلکہ یہ سب رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ اس قوم کو خبردار کریں جس کی طرف آپ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا“

قریش مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کم و بیش تین ہزار برس کا عرصہ بیت چکا تھا جس میں اس قوم کی طرف نہ کوئی نبی اور رسول آیا اور نہ ہی کوئی کتاب بھیجی گئی۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) میں نبوت کا سلسلہ لگا تار چلتا رہا اور انہیں زبور، تورات اور متعدد صحائف بھی عطا کیے گئے۔ بلکہ بنی اسرائیل میں چودہ سو برس کا ایک عرصہ ایسا بھی گزرا جس کے دوران ان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت کا وقفہ نہیں آیا۔ بہر حال ایک طویل عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل کو خبردار کرنے کے لیے ان کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

**آیت ۴۷** ﴿وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا﴾

”اور (یہ ہم نے اس لیے کیا کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے ان کے کرتوتوں کے سبب تو یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول“

﴿فَتَتَّبِعَ آيَتِكَ وَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان

لانے والوں میں سے ہو جاتے!“

اگر رسول مبعوث کیے بغیر ان پر عذاب آجاتا تو یہ لوگ عذر کرتے کہ ہمیں متنبہ کیوں نہیں کیا گیا؟ جب ہمارے معاملے میں اتمام حجت نہیں ہوئی تو پھر یہ عذاب ہمارے اوپر کیونکر مسلط کر دیا گیا؟ یہی مضمون سورہ طہ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ﴾ ”اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!“

**آیت ۴۸** ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ﴾ ”لیکن جب

ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ ان (رسول ﷺ) کو وہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا؟“

یعنی حضرت موسیٰ ﷺ کو عصا اور ید بیضا جیسے معجزے دیے گئے تھے۔ انہیں تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی۔ اب اگر محمد (ﷺ) بھی واقعی اللہ کے رسول ہیں تو انہیں ایسے معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

﴿أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ﴾ ”تو جو کچھ پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا کیا لوگوں نے

اس کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟“

تو کیا موسیٰ ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایمان لے آئے تھے؟ کیا وہ لوگ معجزات دیکھ لینے کے باوجود انکار کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے؟

﴿قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ یہ تو دو جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار۔“

اس فقرے کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ دونوں بھائی مجسم جادو ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری رائے کے مطابق یہ قرآن اور تورات کے بارے میں اہل مکہ کا تبصرہ ہے کہ یہ دونوں دراصل جادو کی کتابیں ہیں جو ایک دوسری کی تائید کر رہی ہیں۔ تورات میں قرآن اور محمد (ﷺ) کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں جبکہ قرآن موسیٰ اور تورات کی تائید کر رہا ہے۔



﴿وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لَكَافِرُونَ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ ہم تو دونوں کا انکار کرتے ہیں۔“  
**آیت ۴۹** ﴿قُلْ فَاتُوا بِكُتُبٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”آپ کہیے کہ پھر لاؤ کوئی ایسی کتاب اللہ کے پاس سے جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو!“

اس جملے سے بات گویا واضح ہو گئی کہ پچھلی آیت میں اہل مکہ ہی کا قول نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے قرآن اور تورات کو ”سُحْرَانِ تَظَاهَرَا“ قرار دیا تھا۔ تو اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہیے کہ اگر قرآن اور تورات دونوں ہی آپ لوگوں کے لیے قابل قبول نہیں تو پھر اللہ کی نازل کردہ کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو۔ اگر تم لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کسی ایسی کتاب کی نشان دہی کرو گے تو مجھے اس کی پیروی کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ مجھے تو بہر حال حق کی پیروی کرنی ہے۔ میرے اندر ایسا کوئی تعصب نہیں کہ میں بلا وجہ اپنی ضد پر اڑ کر بیٹھ جاؤں۔ استدلال کا یہی انداز سورۃ الزخرف کی اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے: ﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر رحمن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی پرستش کرنے والوں میں ہوتا۔“ کہ جب میں رحمن پر ایمان لایا ہوں اس کی عبادت کرتا ہوں تو اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی بندگی کرنے میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟

**آیت ۵۰** ﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ﴾ ”پھر اگر یہ لوگ آپ کی بات کو قبول نہ کریں“

آپ کی اس دلیل کو بھی اگر یہ لوگ تسلیم نہ کریں:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُتَّبَعُونَ أَهْوَاءَهُمْ﴾ ”تو جان لیں کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشات کی پیروی

کر رہے ہیں۔“

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا

جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر!“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”یقیناً اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“

## آیات ۵۱ تا ۵۹

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ اتَّيَّهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا أَمَّا بِهٖ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَقَالُوا إِنَّا نَتَّبِعُ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَتَخَطَّفُ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ نُكْرُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرْتُ مَوْجِئَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۚ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝

**آیت ۵۱** ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۵۱﴾ ”اور ہم نے لگا تار بھیجا ان کے لیے اپنا کلام تاکہ یہ نصیحت اخذ کریں۔“

لوگوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے ہم مسلسل ہدایت بھیجتے رہے ہیں۔ چنانچہ تورات، زبور، انجیل اور قرآن اسی ”سلسلۃ الذہب“ (سنہری زنجیر) کی کڑیاں ہیں۔ یہاں پر وَصَّلْنَا کا اشارہ اہل مکہ کے ”سُحُرِ تَظَاهَرَا“ کے الزام کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جن کتابوں کو یہ لوگ جادو قرار دے کر ان میں باہمی گٹھ جوڑ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے اندر واقعی وصل ہے اس لیے کہ وہ ایک ہی سلسلۃ ہدایت کی کڑیاں ہیں۔

**آیت ۵۲** ﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝۵۲﴾ ”جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔“

یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دل سے مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

**آیت ۵۳** ﴿وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ ۝۵۳﴾ ”اور جب یہ (قرآن) انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔“

﴿إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝۵۴﴾ ”یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔“

یعنی اس سے پہلے بھی ہم انبیاء و رسل علیہم السلام اور آسمانی کتب کے ماننے والے تھے اور اب محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب لے کر آئے ہیں تو اس کو بھی ہم نے مان لیا ہے۔ لہذا ہمارے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور اب بھی مسلمان ہیں۔ تورات اور انجیل کی پیشین گوئیوں کی بنا پر ہم پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔☆

**آیت ۵۴** ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ ۝۵۴﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دیا جائے گا دو مرتبہ“ یعنی سابقہ امت کے جو لوگ (یہودی یا نصرانی) اسلام قبول کریں گے وہ دہرے اجر کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس سے پہلے وہ انجیل اور تورات کو مانتے تھے اور اب انہوں نے قرآن کو بھی تسلیم کر لیا۔

☆ ایسے لوگوں میں ایک نمایاں نام حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ ایک یہودی عالم تھے اور جب آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خبر پہنچی تو آپ ایمان لائے اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کا کلام مانا۔ (مرتب)

﴿بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (۵۴) ”بسبب اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے اور وہ بھلائی کے ذریعے سے برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔“

**آیت ۵۵** ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ ”اور جب انہوں نے لغو باتیں سنیں تو انہوں نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔“

﴿سَلِّمْ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِ الْجَاهِلِينَ﴾ (۵۵) ”تم لوگوں پر سلام! ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔“ ☆ یہاں اس مکالمے کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ کے وفد کے ارکان کا مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ وفد حضور ﷺ سے ملاقات کے لیے مکہ آیا تھا۔ واقعہ دراصل یوں تھا کہ مکہ سے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے صحابہ کی تبلیغ سے حبشہ میں کچھ عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جیسے بعد میں دوسری ہجرت کے مہاجرین صحابہ کی تبلیغ سے شاہ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ بھی ایمان لے آئے تھے جو اپنی زندگی میں حضور ﷺ کی زیارت کر کے صحابیت کا درجہ تو نہ پاسکے البتہ صحابہ سے ملاقات کی بنا پر وہ تابعی ضرور ہیں۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور یہ واحد غائبانہ نماز جنازہ ہے جو حضور ﷺ سے پڑھانا ثابت ہے۔

حبشہ میں جن لوگوں نے صحابہ کی کوششوں سے ایمان قبول کیا تھا بعد میں ان میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ سے ملاقات کے ارمان میں ایک وفد کی صورت میں مکہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ جب مشرکین مکہ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں سے بہت بے ہودہ باتیں کیں، انہیں طعنے دیے اور ان کا خوب تمسخر اڑایا کہ تم لوگ بہت احمق ہو جو اپنی الہامی کتاب کو چھوڑ کر اس نئے دین میں شامل ہو گئے ہو۔ آیت زیر مطالعہ میں اس وفد کے لوگوں کا جواب نقل ہوا ہے جو انہوں نے مشرکین مکہ کو دیا تھا کہ ہمارا آپ لوگوں سے کچھ سروکار نہیں، ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم لوگ اپنے اعمال کے۔ ہم اللہ کے فضل سے پہلے بھی حق پر تھے اور اب ہمیں اس حق پر بھی ایمان لانے کی سعادت ملی ہے جو قرآن کی صورت میں ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

**آیت ۵۶** ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (۵۶) ”(اے نبی ﷺ!) آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں، بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (۵۶) ”اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔“

☆ سورة الفرقان میں ”عباد الرحمن“ کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (۳) ”اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔“ جبکہ سورة القصص کی زیر مطالعہ آیت میں مؤمنین کی طرف سے اس وصف کا عملی مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ (مرتب)



یہ آیت خاص طور پر حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ان کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوا تھا۔ ان کے آخری وقت بھی حضور ﷺ نے ان سے بہت اصرار کیا کہ چچا جان! آپ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کے کلمات میرے کان میں کہہ دیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں، لیکن وہ اس سے محروم رہے۔ بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضور ﷺ پر ان کے بہت احسانات ہیں اور ان کے وہ احسانات حضور ﷺ کی نسبت سے ہم سب پر بھی ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان کا نام ادب سے لیں اور ان کا ذکر احترام سے کریں۔

**آیت ۵۷** ﴿وَقَالُوا اِنْ تَتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نَتَّخِطُ مِنْ اَرْضِنَاۤءُ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے۔“

ہم اُچک لیے جائیں گے، یعنی ہمیں ختم یا برباد کر دیا جائے گا۔ یہ لفظ اسی مفہوم میں سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ میں بھی آیا ہے جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں: ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعِفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ﴾ ”اور یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے۔“ مزید برآں یہ لفظ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۷ میں بھی آیا ہے۔

عام طور پر کسی معاشرے میں حق کو قبول کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو حق کو پہچانتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو اپنی کسی مصلحت کو اس رستے کی دیوار بننے دیتے ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف آگے بڑھ کر بے دھڑک انداز میں حق کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وہ ”ہرچہ بادا باد“ کے مصداق حق کی وفاداری میں کسی بھی قسم کی قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس راستے میں جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے برعکس کچھ لوگ حق کو پہچان لینے کے باوجود منتظر رہتے ہیں کہ کچھ اور لوگ بھی آجائیں، جب کچھ لوگ اس نظریے کو قبول کر کے اس نئے راستے پر چلیں گے اور ان کے چلنے سے اس راستے کے نشانات واضح ہو کر ایک پگڈنڈی بن جائے گی تو ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ”اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکی کے ساتھ“۔ یعنی کچھ خوش قسمت لوگ تو پہلے پہل سبقت لے گئے اور کچھ ان کے پیروکار بنے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ان دونوں طرح کے لوگوں کے اپنے اپنے درجات ہیں۔ ان دو اقسام کے علاوہ ہر معاشرے میں ایک گروہ ایسے کم ہمت لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو کسی نظریے کی خاطر کسی قسم کی آزمائش جھیلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ وہ حق کو پہچان تو لیتے ہیں مگر اسے بڑھ کر قبول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آیت زیر مطالعہ میں ایسے کم ہمت لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ کی باتیں تو درست ہیں، آپ کی دعوت دل کو بھی لگتی ہے، لیکن ہم پورے عرب کے ساتھ دشمنی مول نہیں لے سکتے۔ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو یہ لوگ ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہمیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔

﴿أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا﴾ ”کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں متمکن نہیں کیا؟“  
 ان کے اس بہانے کا یہاں یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس حرم کی حدود میں وہ سکون اور چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اسے امن کی جگہ کس نے بنایا ہے؟ تو جس اللہ نے حرم کو امن والی جگہ بنایا ہے، کیا اب وہ اپنے نام لیواؤں کی مدد نہیں کرے گا اور کیا وہ ان کو ان کے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا؟

﴿يُجَبِّىْ اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”کھنچے چلے آتے ہیں اس (حرم) کی طرف ہر قسم کے پھل“  
 ان الفاظ کا عملی نقشہ دنیا نے مکہ کے اندر ہر دور میں دیکھا ہے۔ پرانے زمانوں میں بھی جب حج کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں سے لوگ مکہ آتے تھے تو اپنے اپنے علاقوں کے پھل اور دوسری چیزیں اپنے ساتھ لاتے تھے۔ آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں کے بہترین پھل مکہ میں ہر وقت دستیاب رہتے ہیں۔ بہر حال اس گھر کو امن والی جگہ بھی اللہ ہی نے بنایا ہے اور اُسی نے اس کو پھلوں اور رزق کی فراوانی سے نوازا ہے۔

﴿رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ”یہ خاص رزق ہے ہماری طرف سے“

اس لیے کہ ہمارے محبوب بندے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں آباد کرتے وقت ہم سے اس بارے میں یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْنَدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷﴾ (ابراہیم)  
 ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس، اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں، تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے، تاکہ وہ شکر ادا کریں۔“ ہم نے اپنے بندے کی یہ دعا قبول فرمائی اور یہ اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر طرح کا رزق وافر مقدار میں وہاں بسنے والے لوگوں تک مسلسل پہنچا رہے ہیں۔

﴿وَلٰكِنَّا کَثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۸﴾ ”لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَکَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطَرَتْ مَعِیْشَتَھَا﴾ ”اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو کہ اتراتی تھیں اپنی معیشت پر۔“

انہیں اپنے معاشی نظام کے استحکام پر بہت گھمنڈ تھا، لیکن ان کی خوشحالی اور ان کی مستحکم معیشت انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

﴿فَتِلْکَ مَسٰکِنُھُمْ لَمْ یُسْکَنْ مِنْۢ بَعْدِھُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۚ وَکُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِیْنَ ۝۵۸﴾ ”تو (دیکھ لو!)

یہ ہیں ان کے (کھنڈ ر بنے ہوئے) گھر، نہیں ہوئے ان میں رہنے والے ان کے بعد مگر بہت تھوڑے۔ اور ہم ہی (ان کے) وارث ہو کر رہے۔“

**آیت ۵۹** ﴿وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُہْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْ اُمَمٍ رَّسُوْلًا﴾ ”اور نہیں تھا آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا“

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بستی تک دعوتِ حق پہنچائے بغیر اس پر عذاب نہیں بھیجتا۔ اس سلسلے میں اللہ کا اصول اور طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ پہلے متعلقہ قوم کی طرف باقاعدہ ایک رسول مبعوث کیا جاتا جو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر کے اس قوم پر حجت قائم کر دیتا۔ پھر اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر پر اڑے رہتے انہیں عذاب کے ذریعے نیست و نابود کر دیا جاتا۔ یہی اصول سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ ”اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔“ آیت زیر مطالعہ میں اس اصول کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ کسی قوم کی طرف رسول بھیجنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس علاقے کے ہر ہر گاؤں اور ہر بستی میں رسول مبعوث کیے جاتے تھے بلکہ اس کا طریقہ اور معیار یہ رہا ہے کہ متعلقہ قوم کے مرکزی شہر میں رسول بھیج دیا جاتا تھا۔

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمُ الْبَيِّنَاتِ﴾ ”جو ان کو پڑھ کر سناتا تھا ہماری آیات۔“

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾ ”اور ہم ہر گز ان بستیوں کو ہلاک کرنے

والے نہیں تھے مگر اس بنا پر کہ ان کے باسی ظالم تھے۔“

”ظالم“ کا لفظ مشرک، کافر، گنہگار اور ظلم و نا انصافی کرنے والے سب کو محیط ہے۔

## آیات ۶۰ تا ۷۵

وَمَا أَوْثَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَبَتَأْتِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ط  
 أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۚ أَفَمَنۢ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنۢ مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ  
 الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخٰصِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ  
 الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ  
 اٰغْوَيْنَاۤ اَغْوَيْنَهُمۡ كَمَا اَغْوَيْنَاۤ تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ ۚ مَا كَانُوْا اِيَّاكَ يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقِيْلَ اَدْعُوْا  
 شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوْا لَهُمْ وَّرَاَوْا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝  
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا اٰجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَعَبِثَ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَاۥ يَوْمَئِذٍ  
 فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنۢ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ  
 الْمُفْلِحِيْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى  
 عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا  
 هُوَ ۚ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاَوَّلٰى وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ  
 جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مِّنۢ لّٰهٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَآتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط



أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۚ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيَكُمُ لَيْلٌ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۚ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۚ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۚ

**آیت ۶۰** ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا﴾ ”اور جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ بس دُنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زیب و زینت ہے۔“

اس سے یہ نکتہ انسان کو خود بخود سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اسی طرح اس سے متعلقہ ہر قسم کا ساز و سامان بھی عارضی ہے۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ﴾ ”اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

**آیت ۶۱** ﴿أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اس (وعدے کو) پالینے والا بھی ہے اُس شخص جیسا ہو جائے گا جسے ہم نے دُنیوی زندگی کا ساز و سامان دے دیا ہو؟“

یعنی ایک وہ بندہ جو اپنی دُنیوی زندگی میں آخرت کے بارے میں اللہ کے اچھے وعدوں کا مصداق بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے وعدوں کے مطابق جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے کیا کبھی اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جسے صرف حیاتِ دنیا کا سرو سامان دے دیا گیا ہو؟

﴿ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۚ﴾ ”پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوگا!“

ظاہر ہے دونوں طرح کے لوگ برابر تو نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن نیک لوگ اللہ کے وعدوں کے مطابق اس کی رحمت کے سائے میں ہوں گے جبکہ دنیا میں عیش و عشرت کے مزے لینے والے اور اپنے من پسند انداز میں گل چہرے اڑانے والے باغی اس دن بیڑیاں پہنے ہوئے مجرموں کی حیثیت سے اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

**آیت ۶۲** ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۚ﴾ ”جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم زعم رکھتے تھے؟“

جن کے بارے میں تمہیں یہ زعم اور گمان ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں وہ اب کہاں ہیں؟

**آیت ۶۳** ﴿قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا﴾ ”تو کہیں گے وہ لوگ جو

(عذاب کے) فیصلے کے مستحق ہو چکے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔“

وہ مشرکین جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ صادر ہو جائے گا، آخری عذر کے طور پر اپنے لیڈروں کی طرف اشارہ کریں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ اگر یہ ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم گمراہ نہ ہوتے! ان لیڈروں میں ان کے معبودانِ باطل، شیاطینِ جنّ و انس، طاغوت اور گمراہ مذہبی و سیاسی راہنما شامل ہوں گے۔ یہ لیڈر جھٹ جواب دیں گے کہ جو کچھ ہم خود تھے وہی ہم نے ان کو بنایا۔

﴿أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا﴾ ”(وہ جواب میں کہیں گے) ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔“

یعنی ہم خود ہدایت پر ہوتے تو انہیں ہدایت کا رستہ دکھاتے۔ ہم چونکہ خود گمراہ تھے اس لیے ہمارے زیر اثر یہ تمام لوگ گمراہ ہوتے چلے گئے۔

﴿تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ﴾ ”ہم تیرے سامنے (ان سے) اظہارِ براءت کرتے ہیں یہ ہماری پرستش تو نہیں کرتے تھے۔“

یعنی یہ ہمارے نہیں بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔ ہم پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ اپنی آزاد مرضی سے ہماری باتیں مانتے رہے ہیں۔

**آیت ۶۴** ﴿وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ﴾ ”اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تم پکارو اپنے شریکوں کو“  
﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ﴾ ”تو وہ انہیں پکاریں گے، لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے“  
﴿وَرَأَوْا الْعَذَابَ﴾ ”اور وہ دیکھ لیں گے عذاب کو۔“

﴿لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ﴾ ”کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے!“  
**آیت ۶۵** ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم لوگوں نے کیا جواب دیا تھا رسولوں کو؟“

**آیت ۶۶** ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ ”تو اندھی ہو جائیں گی ان پر تمام خبریں اُس دن پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔“

حق اس طرح واضح ہو کر ان کے سامنے آ جائے گا کہ اس کے جواب میں وہ کچھ بھی نہیں بول سکیں گے۔ ظاہر ہے زندگی بھر وہ اللہ کی نافرمانیاں اور انبیاء و رسل کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتے رہے تھے۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ جو رسول تمہاری طرف بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا تو اُس وقت ان کو کوئی جواب نہیں سوچے گا۔

**آیت ۶۷** ﴿فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ﴾ ”تو جس

نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والے والوں میں سے ہوگا۔“  
**آیت ۶۸** ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ ”اور آپ کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کر لیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔“

تمام مخلوق اسی کی ہے اپنی مخلوق میں سے اُس نے جس کو چاہا منتخب کر لیا اور رسول بنا لیا: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ (الحج: ۷۵) ”اللہ چن لیتا ہے اپنے پیغمبر فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔“ سورہ آل عمران میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ”یقیناً اللہ نے جن لیا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر۔“

﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ”(جبکہ) ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔“  
 اللہ تعالیٰ کی ذات ان لوگوں کے اوہام اور من گھڑت عقائد سے وراء الوراء منزہ اور ارفع ہے۔

**آیت ۶۹** ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ”اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

مثلاً ان کے دل قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس گواہی کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے جن نام نہاد اعتراضات کو وہ ظاہر کر رہے ہیں ان پر انہیں خود بھی اعتماد نہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر یہ نبی ہیں تو انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

**آیت ۷۰** ﴿وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اور وہی ہے اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ﴾ ”اُسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی“  
 یہاں آخرت کے مقابلے میں ”اولیٰ“ دنیا کے لیے آیا ہے کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ہماری پہلی زندگی یہی دُنیوی زندگی ہے۔

﴿وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ ”اور اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔“  
 حکم دینے کا اختیار اُسی کو حاصل ہے اور کائنات پر اصل حاکمیت اسی کی ہے۔ وہ جو حکم چاہے دے جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام ٹھہرائے۔

**آیت ۷۱** ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ التَّلَّ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾ ”آپ کہیے: کیا تم لوگوں نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر رات مسلط کر دے ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک“  
 ﴿مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ﴾ ”تو کون معبود ہوگا اللہ کے سوا جو



تمہارے لیے روشنی لائے گا؟ تو کیا تم لوگ سنتے نہیں ہو؟“

**آیت ۷۲** ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾ ”آپ کہیے: کیا تم

لوگوں نے کبھی یہ سوچا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے دن ہی کو قائم کر دے قیامت کے دن تک“

﴿مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَلِيلٌ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ ”تو کون معبود ہے اللہ

کے سوا جو تمہارے لیے رات لائے گا جس میں تم آرام کر سکو؟ تو کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو؟“

**آیت ۷۳** ﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ﴾ ”اور اُس کی رحمت (کے مظاہر) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے رات اور دن

بنائے تاکہ اس (رات) میں تم لوگ آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم (اُس کی

ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو۔“

**آیت ۷۴** ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ ”اور جس دن وہ

انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم لوگوں کو زعم تھا؟“

**آیت ۷۵** ﴿وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴾ ”اور ہم نکالیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ“

یہ مضمون دو مرتبہ سورۃ النحل (آیت ۸۴ اور ۸۹) میں بھی آیا ہے لیکن سورۃ النساء کی یہ آیت تو گویا اس

مضمون کا ذرۂ سناں ہے: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ ”تو

اس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو لائیں

گے ہم ان پر گواہ بنا کر۔ جو پیغمبر جس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہو گا وہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں

استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) بن کر گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو ہدایت مجھ

تک پہنچی تھی میں نے وہ اپنی قوم تک پہنچا دی تھی۔

﴿فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ ”پھر ہم کہیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو!“

پھر متعلقہ امت سے پوچھا جائے گا کہ اب تم لوگ بتاؤ تمہارا کیا معاملہ تھا؟ ہمارے رسول نے تو گواہی

دے دی ہے کہ اُس نے میرا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اب اس سلسلے میں تمہارا کوئی عذر ہے تو پیش کرو۔

﴿فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ﴾ ”تو وہ جان لیں گے کہ حق تو اللہ ہی کے طرف ہے“

کہ فیصلہ تو اب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی حق ہوگا۔ چنانچہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ عذاب کے

مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ ”اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو افتراء وہ کرتے

رہے تھے۔“

گویا ع ”جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!“ جب دوسری دنیا میں ان کی آنکھ کھلے گی تو ان کے

خود ساختہ عقائد من گھڑت معبودوں کے بارے میں ان کے خوش کن خیالات وغیرہ سب ان سے گم ہو چکے ہوں گے اور اس کیفیت میں عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

## آیات ۷۶ تا ۸۲

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ  
لَتَتَوَّأَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ ۖ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۖ  
وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ  
اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِدِينَ ۖ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ  
عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ  
مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۖ وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۖ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ  
قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَكُنَّا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونَ ۖ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ  
عَظِيمٍ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا  
يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۖ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۖ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَتَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ  
وَيَكَانَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا  
لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيَكَانَهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۖ

آیت ۷۶ ﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى﴾ ”یقیناً قارون موسیٰ کی قوم ہی سے تھا“

تورات میں اس شخص کا نام Qaurah لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے تلفظ کے اختلاف کی وجہ سے یہ فرق پیدا ہوا ہو۔ بہر حال اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہاں قارون نامی شخص کے حوالے سے جس کردار اور رویے کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض ایک فرد کا نام نہیں بلکہ یہ کردار ایک پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک ایسا طبقہ جو کسی محکوم قوم کے اندر حکمرانوں کے ہاتھوں جنم لیتا ہے اور ان کے سائے میں نشوونما پاتا ہے۔ دراصل کسی بھی ملک میں فاتح اور غاصب حکمرانوں کا طرز حکمرانی ظلم و نا انصافی سے عبارت ہوتا ہے۔ ایسے نظام میں عزت و شرافت کے نئے معیار جنم لیتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں ملکہ سبا کی زبانی غاصب بادشاہوں کے کردار پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے: ﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾ ”بلاشبہ جب بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔“

غاصب حکمران ہمیشہ خوف اور لالچ کے ذریعے عوام کے اندر سے اپنے حمایتی پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ماحول میں محکوم قوم کے گھٹیا اور بے غیرت قسم کے لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے اپنے آقاؤں سے مراعات

حاصل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ النمل کی مذکورہ آیت کے ضمن میں برصغیر پاک و ہند کے غیر ملکی حکمرانوں کی مثال دی جا چکی ہے۔ برصغیر میں انگریزوں نے بھی اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی لوگوں میں سے ایک ایسا ہی طبقہ پیدا کیا تھا۔ ان لوگوں کو جاگیریں دی گئیں، بڑے بڑے ٹھیکے الاٹ کیے گئے، خطابات سے نوازا گیا، اعلیٰ مناصب پر بٹھایا گیا اور یوں ان کی غیرتوں اور وفاداریوں کو خرید کر ان کو خود ان ہی کی قوم کے خلاف استعمال کیا گیا۔ اسی طرح فرعون کی عملداری میں بنی اسرائیل کے اندر بھی ایک ایسا ضمیر فروش طبقہ پیدا ہو چکا تھا اور قارون اسی طبقے کا ایک ”معزز فرد“ تھا۔ یہ شخص نہ صرف بنی اسرائیل میں سے تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچا زاد تھا۔ فرعون کے دربار میں اس کو خاص امتیازی مقام حاصل تھا۔ اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس قدر دولت اکٹھی کر رکھی تھی کہ اس اعتبار سے اس کا نام ضرب المثل کا درجہ رکھتا تھا، جیسے آج ہمارے ہاں کے بعض سیاسی کردار بھی دولت سمیٹنے میں علامتی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

﴿فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ ”لیکن اُس نے ان کے خلاف سرکشی کی“

اس نے اپنی قوم سے غداری کی اور فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی قوم کے خلاف ظلم و زیادتی پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔

﴿وَاتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوزُ ۖ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ﴾ ”اور اُس کو ہم نے اتنے

خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔“

اس سے اگر آج کل کی چابیوں کا تصور ذہن میں رکھیں تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس کو یوں سمجھیں کہ پرانے زمانے میں آج کل کی طرز کے تالے تو نہیں ہوتے تھے۔ لہذا پھانک نما دروازوں کو بند کرنے کے لیے بڑی بڑی لکڑیوں یا دھات کے ”اڑنگوں“ کو مخصوص طریقے سے ان کے اندر پھنسانے کا انتظام کیا جاتا ہوگا اور ان ہی کو ان دروازوں کی چابیاں کہا جاتا ہوگا۔ بہر حال اس جملے کا عمومی مفہوم یہی ہے کہ اس شخص کے پاس بے انتہا دولت تھی۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ﴾ ”جب اس سے کہا اس کی قوم کے لوگوں نے کہ اتر اؤ مت“

ظاہر ہے ہر معاشرے میں کچھ بھلے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ جیسے ہم سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو اشخاص کا واقعہ پڑھ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص درویش صفت اور عارف باللہ تھا جبکہ دوسرا مال مست تھا جو اپنی دولت کے گھمنڈ میں اللہ کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔ بہر حال کچھ بھلے لوگوں نے قارون کو نصیحت کی کہ تم اپنی دولت پر اترا یا نہ کرو۔ یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ان آیات میں دولت مند لوگوں کے لیے پانچ انتہائی مفید نصیحتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس بہت سی دولت جمع ہو گئی ہو انہیں ان نصیحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو یہی ہے کہ اپنی دولت پر اتراؤ نہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝۵۱﴾ ”یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اس کے بعد دوسری نصیحت نوٹ کریں:



**آیت ۷۷** ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ﴾ ”اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو“

یہ دولت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ اس کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے توشہِ آخرت جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اس ضمن میں سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے یہ الفاظ بھی مدِ نظر رہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ﴾ ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ”اور مت بھولو تم دنیا سے اپنا حصہ“

کسی دولت مند شخص کے لیے یہ تیسری نصیحت ہے کہ جو دولت اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اس میں سے اپنی ذات پر بھی خرچ کرو۔ اس سے یوں لگتا ہے کہ جیسے قارون بہت کنجوس تھا۔ اسے بس دولت جمع کرنے ہی کی فکر تھی، دولت کو خرچ کرنے سے وہ گھبراتا تھا، حتیٰ کہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھی نظر انداز کر دیتا تھا۔ اس سلسلے میں سورۃ الاعراف آیت ۳۲ کے ان الفاظ میں بہت واضح راہنمائی موجود ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟“ یعنی ایک خوشحال آدمی کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے کس نے منع کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رہبانیت اختیار کرنے کا حکم تو نہیں دیا، بلکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اعتدال کی روش کو پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الفرقان کی آیت ۶۷ میں ”عباد الرحمن“ کے اوصاف میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔“ بہر حال آیت زیر مطالعہ میں اس حکم کے ذریعے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بغیر اپنے وسائل میں سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پر خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں چوتھی نصیحت یہ دی گئی ہے:

﴿وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ ”اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جیسے اللہ نے تمہارے

ساتھ احسان کیا ہے“

اللہ نے تمہیں دولت دی ہے تو یہ اللہ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے۔ لہذا تمہیں چاہیے کہ تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور اپنے بیگانے کی تفریق و تخصیص کیے بغیر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کو اپنا شعار بناؤ۔ اس سلسلے میں سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۳۳﴾ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۳۴﴾﴾ ”اور وہ لوگ جن کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے سائلوں اور ناداروں کا۔“ اور اب پانچویں نصیحت:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ ”اور زمین میں فساد مت

مچاؤ یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے یہ بہت اہم ہدایت ہے۔ وہ کون سا فساد تھا جس میں قارون ملوث تھا؟ یہ سمجھنے کے لیے مصر کے اس ماحول کا تصور کریں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام دن رات ہمہ تن کارِ نبوت اور فرائض رسالت کی ادائیگی میں لگے ہوئے تھے۔ اُس معاشرے کے کچھ لوگ تو آپ کا ساتھ دے رہے تھے اور اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کی کوشش میں تھے جبکہ کچھ دوسرے لوگ آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے سازشوں میں مصروف تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس معاشرے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے جو خیر پیدا کرنا چاہتا تھا، قارون اور اس کے گروہ کے لوگ مختلف حربوں سے اس خیر کا راستہ روکنے کی کوشش میں مصروف تھے اور یہی وہ ”فساد فی الارض“ ہے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔

اس حوالے سے اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور کا جائزہ لیں تو مدینہ کے منافقین بھی آپ کے مشن کے خلاف اسی طرح کی منفی سرگرمیوں میں مصروف عمل تھے۔ ان کی مفسدانہ سازشوں کا ذکر سورۃ البقرۃ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ١١﴾ ۱۱ ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ١٢﴾ ۱۲ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! بلاشبہ وہی ہیں فساد کرنے والے، لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔“ چنانچہ کسی دینی جماعت یا تحریک کی اصلاحی اور انقلابی کوششوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا اور ایسی جماعت کے نظم کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرنا گویا ”فساد فی الارض“ کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ کو ایسے مفسد لوگ پسند نہیں ہیں۔ یعنی دین کی سر بلندی کے لیے کی جانے والی کوشش کا حصہ بنو نہ کہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔ مندرجہ بالا ہدایات کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ پھر سے دہرایا جائے:

(۱) ﴿لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ٢٥﴾

”(اپنی دولت پر) اتراؤ مت یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

(۲) ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ﴾

”اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو“

(۳) ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

”اور تم دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو“

(۴) ﴿وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾

”اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے“

(۵) ﴿وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ٢٥﴾

”اور زمین میں فساد مت مچاؤ یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

آیت ۷۸ ﴿قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ ”اُس نے کہا کہ مجھے تو یہ سب کچھ ملا ہے اُس علم کی

بنیاد پر جو میرے پاس ہے۔“

یعنی تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ دولت مجھے اللہ نے دی ہے؟ یہ تو میں نے اپنی ذہانت، سمجھ بوجھ، محنت اور اعلیٰ منصوبہ بندی کی وجہ سے کمائی ہے۔ یہ خالص مادہ پرستانہ سوچ ہے اور ہرزہ پرست شخص جو عملی طور پر اللہ کے فضل کا منکر ہے ہمیشہ اسی سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے کاروبار کی سب کامیابیاں میرے علم اور تجربے کی بنیاد پر ہیں۔ میں نے مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا بروقت اندازہ لگا کر جو فلاں فیصلہ کیا تھا اور فلاں سودا کیا تھا اس کی وجہ سے مجھے یہ اتنی بڑی کامیابی ملی ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا﴾<sup>۷۸</sup>  
 ”کیا اُسے معلوم نہیں کہ اللہ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو طاقت اور مال و اسباب کی فراوانی میں اس سے کہیں بڑھ کر تھیں!“

﴿وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ﴾<sup>۷۹</sup> ”اور (اللہ کے ہاں) مجرم لوگوں سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔“

اللہ تعالیٰ ان کے حساب کتاب کی جزئیات تک سے باخبر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اعمال نامہ کی ایک ایک تفصیل اس کے سامنے ہے۔ اسے کسی تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں۔ یہی بات سورۃ الرحمن میں یوں بیان ہوئی ہے: ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ﴾<sup>۸۰</sup> ”پھر اس دن نہیں پوچھا جائے گا کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں“۔ اس لیے کہ اللہ کے حضور پیشی کے وقت ہر فرد کی مکمل کارگزاری اس کی پیشانی پر نقش ہوگی۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ﴾<sup>۸۱</sup> (الرحمن) ”مجرم اپنے چہروں سے ہی پہچان لیے جائیں گے تو انہیں دبوچ لیا جائے گا سر کے بالوں اور پیروں سے“۔ اس طریقے سے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر جہنم کی طرف اچھال دیا جائے گا۔

**آیت ۷۹** ﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ﴾<sup>۷۹</sup> ”پھر (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ باٹھ میں۔“

اپنی قوم پر رعب جمانے کے لیے وہ اپنے خدم و خشم کے ساتھ اپنی دولت اور آرائش و زیبائش کا اظہار کرتے ہوئے نکلا۔ چنانچہ اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر:

﴿قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَبِئْسَ لَنَا مَثَلٌ مَّا أُوتِيَ قَارُونُ﴾<sup>۸۲</sup> ”کہا ان لوگوں نے جو خواہش مند تھے دنیا ہی کی زندگی کے، کہ کاش یہ سب کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا جو قارون کو ملا ہے“  
 وہ لوگ جو دنیوی زندگی ہی کے طالب تھے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر اندر ہی اندر اپنی محرومیوں پر پچھتاتے اور اس کی خوش نصیبی کی داد دیتے رہے کہ:

﴿إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾<sup>۸۳</sup> ”یقیناً وہ بہت بڑے نصیب والا ہے۔“



دنیا پرست اور ظاہر بین لوگوں کی نظر میں تو کسی شخص کی کامیابی اور خوش بختی کا معیار یہی ہے کہ اس کے پاس کس قدر دولت ہے۔ یہ دولت اس نے کہاں سے حاصل کی ہے اور کیسے حاصل کی ہے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

**آیت ۸۰ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾** ”اور کہا ان لوگوں نے جنہیں علم عطا ہوا تھا“

جیسا کہ قبل ازیں آیت ۷۶ کے ضمن میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس معاشرے میں کچھ نیک سرشت لوگ اور اصحاب علم و فہم بھی تھے جنہیں دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ باٹھ اور زیب و زینت کی اصل حقیقت معلوم تھی۔ ایسے لوگوں نے قارون کے ٹھاٹھ باٹھ سے متاثر ہونے والے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

**﴿وَيَلْكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾** ”افسوس ہے تم پر! اللہ کا (عطا کردہ)

ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے۔“

یعنی تم خواہ مخواہ اس کی شان و شوکت کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم حقیقی ایمان اور عمل صالح کی شرائط پر پورے اترو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں جن نعمتوں سے نوازے گا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوں گی۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں اس ضمن میں اللہ کے وعدے کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ.....﴾ ”اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے حقیقی طور پر ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں کہ انہیں وہ زمین میں ضرور حکومت و خلافت سے نوازے گا.....“ اس کے بعد آخرت میں ایسے لوگوں کو جو اجر و ثواب ملنے والا ہے اور جنت میں ان پر جن نعمتوں کی بارش ہونے والی ہے اس کا تو اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

**﴿وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ﴾** ”اور وہ نہیں ملے گا مگر ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں۔“

آخرت کا وہ اجر و ثواب صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوگا جو دنیا میں صبر و قناعت سے گزر بسر کرتے رہے اور اپنی ضروریات سے زیادہ کی ہوس سے بچتے رہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَالْهَيَّ))<sup>(۱)</sup> ”جو چیز کم ہو لیکن بقدر کفایت ہو وہ اس سے بہتر ہے جو بہت زیادہ ہو لیکن غفلت میں مبتلا کر دے۔“ کیونکہ دولت کی بہتات ہوگی تو اس کے سبب انسان غفلت کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر آج کا کھانا کھا کر آدمی کل کے کھانے کے لیے اللہ پر توکل کرے گا تو وہ اللہ کو بھول نہیں پائے گا۔

**آیت ۸۱ ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ﴾** ”تو ہم نے اُسے اور اُس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قارون ”خسف فی الارض“ کے عذاب کا شکار ہو گیا۔

**﴿فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾** ”تو اُس کے لیے نہ تو کوئی ایسا لشکر تھا جو اُس کی

مدد کرتا اللہ کے مقابلے میں“

(۱) الترغیب والترہیب للمنذری : ۱۲۹/۴ و ۱۵۵/۴۔ ومجمع الزوائد للہیثمی : ۲۵۹/۱۰ عن ابی

الدرداء ؓ وعن ابی امامۃ الباہلی ؓ [رواہ رواۃ الصحیح واسنادہ صحیح أو حسن أو ما قاربہما]

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُتَصَرِّينَ﴾ اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ بدلہ لینے والوں میں ہوتا۔“  
وہ اپنے لاؤ لشکر اور تمام تر جاہ و جلال کے باوجود اس قابل نہ تھا کہ (معاذ اللہ!) اللہ سے اپنی بربادی کا انتقام لے سکتا۔

**آیت ۸۲** ﴿وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ﴾ ”اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی اب وہ یوں کہہ رہے تھے“

﴿وَيَكَانَ اللَّهُ يَسُطُّ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ﴾ ”ہائے افسوس! اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی تنگ کرتا ہے۔“

تصور کریں کہ اگر رات کو یہ واقعہ ہوا ہوگا تو صبح ہوتے ہی ہر طرف دھوم مچ گئی ہوگی۔ چنانچہ وہی لوگ جو کل قارون کی آن بان کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اب وہ اس خوفناک انجام سے بچ جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہائے افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ رزق کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹتا دیتا ہے۔  
﴿لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا﴾ ”اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔“

یعنی ہم نے بھی اُس جیسی دولت اور شان و شوکت کی خواہش کی تھی اس لیے عین ممکن تھا ہمیں بھی وہی سزا ملتی، مگر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اس انجام سے بچالیا۔

﴿وَيَكَانَ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ ”افسوس! کہ کافر بالکل فلاح نہیں پائیں گے۔“

## آیات ۸۳ تا ۸۸

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ  
لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ  
عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى  
مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو  
أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّكَ  
عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنْزَلْتُ إِلَيْكَ وَأَدْعُرُّكَ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا  
تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ  
تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

**آیت ۸۳** ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾  
 ”یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں اقتدار و اختیار کے خواہاں  
 ہیں اور نہ ہی فساد مچانا چاہتے ہیں۔“

دراصل یہاں پر اقتدار کی طلب اور ہوس کی مذمت ہے نہ کہ بوقت ضرورت اقتدار کی ذمہ داری سنبھالنے  
 کی۔ جیسے حضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں مدینہ کی چھوٹی سی ریاست وجود میں آگئی تو آپ کو اس کے  
 سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالنا پڑی۔ لیکن نہ تو آپ کی جدوجہد کا مقصد حصول اقتدار تھا اور نہ ہی آپ  
 اس کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اقتدار کا خواہش مند ہونے اور اقتدار کی ذمہ داری نبھانے کے لیے آمادہ  
 ہو جانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس حوالے سے یہاں پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً  
 آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو اُس کے دین کی سر بلندی کے لیے جدوجہد میں خود کو کھپا  
 رہے ہیں۔ لیکن اس کٹھن راستے کے مسافروں کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر اس جدوجہد کے دوران  
 میں دل کے کسی گوشے میں ہوس اقتدار کی کوئی کونپل پھوٹ پڑی یا اپنا نام اونچا کرنے کی خواہش نے نفس کے کسی  
 کونے میں جڑ پکڑ لی تو اللہ کے ہاں ایسا ”مجاہد“ نا اہل (disqualified) قرار پائے گا اور اس کی ہر ”جدوجہد“  
 مسترد کر دی جائے گی۔

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور آخرت کی زندگی تو ہے ہی اہل تقویٰ کے لیے۔“

آخرت کی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

**آیت ۸۴** ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا﴾ ”جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کے لیے بدلہ ہوگا  
 اس سے بہتر۔“

سورۃ النمل کی آیت ۸۹ میں بھی یہ مضمون بالکل ان ہی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور جو  
 کوئی بُرائی لے کر آئے گا تو برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی کہ جو کچھ وہ  
 کر کے لائیں گے۔“

مطلب یہ کہ برائی کی سزا برائی کے عین مطابق دی جائے گی اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن  
 نیکوکاروں کے لیے ان کی نیکیوں میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے دس گنا سے سات سو گنا تک اضافہ کر دیا جائے گا  
 بلکہ غور کیا جائے تو ”خَيْرٌ مِنْهَا“ کی کوئی حد اور انتہا مقرر نہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَاللَّهُ  
 يُضِعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ جس کے لیے جتنا چاہے گا بڑھا دے گا۔ اور اللہ بہت  
 وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔“ بہر حال ”خَيْرٌ مِنْهَا“ کے الفاظ میں سب سے نچلی سطح پر بھی یہ بشارت  
 موجود ہے کہ تم جیسی بھی کوئی نیکی کر کے لے جاؤ گے وہاں اس کا اجر اس سے بہتر ہی ملے گا۔

**آیت ۸۵** ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یقیناً جس نے



آپ پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ آپ کو پہنچا کے رہے گا ایک بہت اچھی لوٹنے کی جگہ۔“

یہاں پر **فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ** کے حوالے سے سورۃ النمل کی آیت ۹۲ کے یہ الفاظ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ﴾ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کو قرآن سناتا رہوں۔ قرآن ہی کے ذریعے سے انداز تبشیر اور تبلیغ کا فرض ادا کرتا رہوں اور اسی کی مدد سے تمہارے نفسانی اور روحانی امراض کی شفا کے لیے کوشاں رہوں۔ گویا سورۃ النمل کی مذکورہ آیت میں قرآن پڑھ کر سنانے کے جس حکم کا ذکر ہے اسی کی تعبیر یہاں آیت زیر مطالعہ میں **فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ** کے الفاظ میں کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری آپ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۶۷ میں آپ کی اس ذمہ داری کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ ”اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔ اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔“

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھاری ذمہ داری اپنی امت کو منتقل کر دی اور اس سلسلے میں حکم دیا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ)) ”پس جو حاضر ہے وہ اُس تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے“۔ گویا یہ آپ ﷺ کا حکم ہے کہ آپ کا ہر امتی اپنی استطاعت کے مطابق تبلیغ دین کا یہ فریضہ لازماً ادا کرے۔ اس حکم کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنے ”فریضہ رسالت“ کا سلسلہ قیام قیامت تک دراز فرما دیا۔ چنانچہ اس امت کے افراد ہونے کے ناتے سے اب یہ ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک پر عائد ہوتی ہے۔ میں نے اپنے کتابچے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ میں اس ذمہ داری کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس لحاظ سے اس ذمہ داری کے پانچ پہلو ہیں: یا یوں سمجھئے کہ قرآن کے یہ پانچ بنیادی حقوق ہیں جو ہم میں سے فرداً فرداً سب کے ذمہ ہیں۔ یعنی:

- (۱) قرآن پر ایمان لانا جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔ (۲) قرآن کی تلاوت کرنا جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے۔ (۳) قرآن کو سمجھنا جیسا کہ اسے سمجھنے کا حق ہے۔ (۴) قرآن پر عمل کرنا جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اور (۵) قرآن کی تبلیغ کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا جیسا کہ اس کا حق ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں اسی ذمہ داری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اے نبی ﷺ! جس اللہ نے آپ پر قرآن کی یہ بھاری ذمہ داری ڈالی ہے وہ یقیناً آپ کو لوٹائے گا لوٹنے کی بہت اچھی جگہ پر۔

**مَعَاد** اسم ظرف ہے **عَادَ يَعُودُ** سے یعنی لوٹنے کی جگہ۔ اس سے مراد آخرت بھی لی جاتی ہے اور اسی لیے ایمان بالآخرت کو ”ایمان بالمعاد“ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس آیت کے حوالے سے ایک رائے یہ ہے کہ یہاں ”مَعَاد“ سے مراد ”مکہ“ ہے اور ان الفاظ میں گویا ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی تھی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹا دے گا۔ اس سلسلے میں جو روایات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کے دوران جب آپ غار ثور میں تین راتیں گزارنے کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو چونکہ تعاقب کا اندیشہ تھا اس لیے آپ نے احتیاطاً ایک ایسا غیر معروف پہاڑی راستہ اختیار فرمایا جو آگے جا کر مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستے سے مل جاتا تھا۔ چنانچہ آپ چلتے چلتے جب اس معروف راستے پر پہنچے تو وہاں آپ کے لیے بڑی جذباتی اور

رقت آمیز صورت حال پیدا ہوگئی۔ آپ راستوں کے ملاپ کی جگہ (T) پر کھڑے تھے۔ دائیں طرف کا راستہ مدینہ کو جاتا تھا جبکہ بائیں جانب مکہ تھا۔ اس وقت مکہ اور خانہ کعبہ کی جدائی کے غم میں آپ کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ چنانچہ آپ کی اس کیفیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ دل گرفتہ نہ ہوں، ہم آپ ﷺ کو ضرور مکہ واپس لے کر آئیں گے۔ اگرچہ اب تو آپ وہاں سے مجبور ہو کر نکلے ہیں لیکن عنقریب ہم آپ کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل کرنے والے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ایسی ہی کیفیت آپ پر مکہ سے روانگی کے وقت بھی طاری ہوئی تھی اور آپ نے کعبہ سے لپٹ کر فرمایا تھا: اے کعبہ اللہ! مجھے تجھ سے بہت محبت ہے، مگر میں کیا کروں، یہاں کے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

بہر حال میرے نزدیک اس آیت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ یہاں ”مَعَاد“ سے مراد آخرت اور جنت ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾ (اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آخرت آپ کے لیے اس دنیا کی زندگی سے بہتر ہوگی)۔ اس معنی میں یہاں پر ”مَعَاد“ بطور اسم نکرہ گویا ”تفخیمِ شان“ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی لوٹنے کی وہ جگہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوگی۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت میں بھی ملتی ہے: ﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا)۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی ”مقامِ محمود“ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس مقام (معاد) کی شان کیسی ہوگی؟ کسی انسان کے لیے اس کا تصور بھی محال ہے۔

﴿قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون ہے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے)۔

**آیت ۸۶** ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ﴾ (اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو تو کوئی توقع نہیں تھی کہ آپ پر کتاب القا کی جائے گی)

اس سے ملتا جلتا مضمون سورۃ النمل میں بھی آیا ہے: ﴿وَأَنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ﴾ (اے نبی ﷺ!) قرآن تو یقیناً ایک حکیم اور علیم ہستی کی طرف سے آپ پر القا کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بعثت سے پہلے نہ تو آپ اس بات کے امیدوار تھے کہ آپ پر قرآن نازل کیا جائے اور نہ ہی آپ اس کے لیے کوشاں تھے۔ اس سے پہلے آپ کی زندگی ایک صادق و امین، شریف النفس انسان اور ایک ایماندار تاجر کی زندگی تھی۔ اور جو تاجر آپ ﷺ کی اس تاجرانہ زندگی کا اتباع کرتا ہے اُس کے لیے آپ نے بایں الفاظ بشارت فرمائی ہے: ﴿الْتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصَّادِقِينَ وَالشَّهَدَاءِ﴾ (۱) یعنی وہ تاجر جو بالکل سچا ہو اپنے معاملات میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دے اور امانت دار ہو وہ (قیامت کے روز) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

﴿إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ﴾ (یہ تو محض آپ کے رب کی رحمت سے ہے)

(۱) سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التجار وتسمیة النبی ایاہم۔

یہ تو سراسر اللہ کی رحمت اس کی عطا اور مہربانی ہے کہ اس نے آپ کو نبوت کے لیے چنا ہے اور آپ کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے۔

﴿فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۝۸۱﴾ ”پس آپ کافروں کے پشت پناہ نہ بنیں۔“

اس جملے کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے سورۃ النساء کے سولہویں (۱۶) رکوع کا مضمون پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس رکوع میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہونے والے ایک مقدمے پر تبصرہ ہوا ہے۔ یہ ایک منافق کا مقدمہ تھا جس نے چوری کی تھی، لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے قبائلی عصبیت کی بنا پر اس کی بے جا حمایت کر کے چوری کا الزام ایک یہودی کے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۹ میں متعلقہ قبیلے کے لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ آج دنیا میں تو تم لوگوں نے اس کی خوب وکالت کر لی، لیکن کل قیامت کے دن ایسے مجرموں کو اللہ کی پکڑ سے کون چھڑائے گا؟ گویا مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ حق و انصاف کے سامنے خاندانی رشتوں اور قبائلی عصبیت کی کوئی اہمیت نہیں۔

آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مفہوم سمجھنے کے لیے مکہ کے اس ماحول کو بھی ذہن میں لائیے جہاں آپ ﷺ کی دعوت کے سبب معاشرہ واضح طور پر دو حصوں میں بٹتا جا رہا تھا۔ رجمی و خونی رشتے منقطع ہو رہے تھے اور دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابولہب نے آپ کے ساتھ دشمنی کی انتہا کر دی تھی۔ اس پس منظر میں آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی (ﷺ) آپ ان کافروں کے ساتھ اپنے رشتوں اور تعلقات کو بالکل کوئی اہمیت نہ دیں۔ عصبیت کا کوئی خفیف سا شائبہ بھی آپ اپنے دل کے قریب نہ پھٹکنے دیں اور ان مشرکین کے ساتھ بالکل کوئی موافقت اور ہمدردی نہ رکھیں۔ اس سے پہلے اسی سورت (قصص) کی آیت ۷۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بھی بالکل ایسے ہی الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ قبلی کے قتل ہو جانے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی تو اس وقت آپ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے عہد کیا تھا: ﴿فَلَنْ أَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ۝۱۷﴾ کہ میں آئندہ کبھی بھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں یہی حکم حضور ﷺ کو دیا جا رہا ہے کہ آپ کسی بھی حیثیت، کسی بھی انداز اور کسی بھی درجے میں ان کافروں کے مددگار نہ بنیں۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ﴾ ”اور وہ آپ کو روک نہ سکیں اللہ کی

آیات سے اس کے بعد کہ وہ آپ پر نازل کر دی گئی ہیں“

یعنی اگر آپ ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق رکھیں گے، چاہے وہ کسی ادنیٰ درجے کی قبائلی عصبیت ہی کی بنیاد پر ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کی دعوت کے عمل میں رکاوٹ بنیں گے اور آپ کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

﴿وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۸۲﴾ ”اور اپنے رب کی طرف دعوت دیتے

رہیے اور شرک (جیسے گھناؤنے جرم) کا شائبہ بھی اپنے قریب مت آنے دیجیے۔“



**آیت ۸۸** ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اور مت پکاریے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

جیسے کہ پہلے بھی کئی بار اس نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس نوعیت کے احکام میں اگرچہ صیغہ واحد میں خطاب بظاہر حضور ﷺ سے ہوتا ہے لیکن حقیقت میں آپ کی وساطت سے تمام اُمت مخاطب ہوتی ہے۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ ”ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کے چہرے کے!“  
کیا اللہ کا چہرہ بھی ہے؟ اور اگر اس کے چہرے کو فنا نہیں ہے تو کیا اس کے کوئی اور اعضاء بھی ہیں جن کو فنا ہے؟ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

یہ بہت اہم اور حساس مسئلہ ہے جس کے بارے میں پہلے بھی کئی بار بتایا جا چکا ہے۔ یہاں پھر ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم برزخ، عالم غیب اور عالم آخرت جیسے موضوعات کے بارے میں آیات سے جس قدر مفہوم سمجھ میں آجائے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ورنہ ایسے معاملات میں اگر انسان عقل اور منطق کے سہارے ایک ایک کر کے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرے گا تو غلط راستے پر چل نکلے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: الْعِجْزُ عَنْ دَرِكِ الذَّاتِ اِدْرَاكُ کہ اللہ کی ذات کے بارے میں ادراک سے عجز ہی اصل ادراک ہے۔ یعنی جب انسان یہ سمجھ لے کہ میں اس کی ذات کو نہیں سمجھ سکتا تو بس یہی ادراک ہے اور یہی اللہ کی معرفت ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے مکاتیب میں یہ الفاظ بار بار لکھے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ وراء الوراء، ثم وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔ اس بارے میں کوئی تصور بنانا انسانی ذہن کے لیے ممکن ہی نہیں۔ وَجْهَهُ سے کئی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہستی بھی مراد لی ہے جیسے ہمارے ہاں جب یہ کہا جاتا ہے کہ میں یہ کام فلاں کے منہ کو کر رہا ہوں تو اس اس کا معنی ہوتا ہے کہ اُس کی رضا جوئی کے لیے کر رہا ہوں۔ یعنی اس سے شخص کی ذات مراد ہوتی ہے نہ کہ صرف اُس کا منہ یا چہرہ۔ بہر حال آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔

﴿لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ ”فرماں روائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰

# سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

## تمہیدی کلمات

سورۃ العنکبوت کے بارے میں تعین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ۵ نبویؐ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مکہ میں مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم و ستم بہت بڑھ چکا تھا۔ اس سے پہلے تین سال تک تو مخالفین نے حضور ﷺ کی دعوت کے اثرات کے بارے میں کوئی سنجیدہ ردِ عمل ظاہر نہیں کیا، بلکہ اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران وہ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے رہے، آپ کو شاعر اور جادوگر کہتے رہے اور یوں آپ کی تضحیک کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے ہتھکنڈوں سے آپ کی قوتِ ارادی دم توڑ دے گی، آپ بددل ہو کر ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ لیکن ان تمام حربوں کے باوجود حضور ﷺ کی دعوت کا دائرہ تھا کہ روز بروز پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ خصوصی طور پر ان کے لیے تشویش ناک بات یہ تھی کہ آپ کی دعوت سے متاثر ہونے والوں میں زیادہ تعداد غلاموں اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی تھی۔ چنانچہ جب سردارانِ قریش کے کئی ایک غلام ایمان لے آئے اور دوسری طرف حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تو مشرکین کو اس دعوت کے تدارک اور سدِ باب کے لیے سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اہم فیصلہ کیا وہ یہی تھا کہ ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور جسمانی ایذا و تشدد کے ذریعے انہیں نیا دین چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔

جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ نوجوان اہل ایمان بھی اپنے اپنے خاندان والوں کے ہاتھوں کسی حد تک تشدد کا نشانہ بنے، لیکن غلاموں اور بے آسرا لوگوں پر تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ غلاموں کی حیثیت اُس معاشرے میں ڈھور ڈنگروں کی سی تھی۔ جیسے آپ نے ایک بکری خریدی اور اسے اپنے کھونٹے سے باندھ لیا۔ جب تک چاہا اس سے فائدہ اٹھایا اور جب چاہا اسے ذبح کر لیا۔ انسانی سطح پر ان کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے، اسے مارے، پیٹے یا جان سے مار ڈالے، اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت بلال، حضرت ابوفکیہ اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کے ساتھ ان کے آقاؤں نے ظلم و ستم کے ایسے ایسے طریقے آزمائے کہ ان کے تصور سے ہی رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غلاموں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی اس خوفناک اور بھیمانہ تشدد کا نشانہ بنے جو قریشی نہیں تھے اور کسی کے حلیف بن کر مکہ میں رہ رہے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپ نے یمن کے عیسائیوں سے نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کا چرچا سن رکھا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خواب میں اشارہ بھی ملا تھا کہ مکہ میں آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ کی

صحبت سے فیض یاب ہونے کے شوق میں آپؐ یمن کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور ابو جہل کے چچا کی پناہ حاصل کر لی۔ ابو جہل کا چچا شریف آدمی تھا، اُس نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ اپنی لونڈی سُمیہ سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ پھر اللہ نے آپؐ کو ایک بیٹا بھی عطا کیا۔ جب ابو جہل کا چچا فوت ہو گیا تو یہ خاندان ابو جہل کی پناہ میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت یاسرؓ آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سُمیہؓ اور آپؐ کا بیٹا عمارؓ (رضی اللہ عنہ) تینوں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جب قریش نے اہل ایمان پر تشدد کرنے کی حکمت عملی اپنائی تو اس چھوٹے سے خاندان پر ابو جہل نے تشدد کی انتہا کر دی۔ اس کے نتیجے میں حضرت یاسر اور حضرت سُمیہؓ تو شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمارؓ نے کلمات کفر کہہ کر اپنی جان بچائی، جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔ (سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اگر کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے۔)

اسی طرح حضرت خباب بن الارتؓ پر جو قیامت گزری وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپؐ غریب خاندان سے تھے اور پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ایک دن ان ہی کی بھٹی میں سے دھکتے ہوئے کوئلے لے کر انہیں زمین پر بچھایا گیا اور ان کی قمیص اتروا کر پشت کے بل کوئلوں پر لٹا دیا گیا، تا وقتیکہ آپؐ کے جسم کی چربی سے وہ کوئلے ٹھنڈے ہوئے۔

حضرت خبابؓ بن الارتؓ فرماتے ہیں کہ جب صورت حال ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ لیے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: حضور! آپؐ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ مشرکین کے تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں اب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری یہ بات حضور ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم تم جلدی مچارہے ہو ابھی تم پر وہ حالات تو آئے ہی نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں آدھا زمین میں دبا کر آروں سے چیر ڈالا گیا، وہ زندہ آگ میں جلادیے گئے اور انہوں نے ایسے حالات پر صبر کیا۔ تمہیں بھی بہر حال صبر کرنا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ وقت ضرور آئے گا جب ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔

یہ اس پس منظر کی ایک جھلک ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا۔ اس کی ابتدائی آیات میں حضرت خبابؓ کے بیان کردہ مذکورہ واقعہ کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ ان آیات کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اپنے کارکنوں کی قربانیوں کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کسی معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک اپنی جڑیں مضبوط کرتی دکھائی دیتی ہے تو پرانے نظام کے محافظوں کو اپنے مفادات خطرے میں پڑتے محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسی کسی بھی تحریک کو دبانے اور ختم کرنے کے لیے ہر حربہ آزمانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل مرحلے میں انقلابی تحریک اپنے کارکنوں سے قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ چنانچہ جب مکہ میں حضور ﷺ کی دعوت کا چرچا ہوا اور لوگ اس طرف متوجہ ہونے لگے تو مشرکین مکہ نظام کہنہ کے پاسبانوں



کی حیثیت سے اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آ گئے۔ اس کے بعد مکہ کی گلیوں میں ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس جان گداز صورت حال میں اہل ایمان نے غیر معمولی جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس سیاق و سباق میں سورت کا پہلا رکوع خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں مکہ کے مذکورہ خوفناک حالات کے حوالے سے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کے منطقی جوابات بھی فراہم کیے گئے ہیں، لہولہان جسموں کے لیے سہارے کا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے اور زخم خوردہ دلوں پر مرہم رکھنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ قیامت تک کے لیے ہر انقلابی دینی تحریک اور غلبہ دین کی جدوجہد کے کارکنوں کے لیے راہنما اصول بھی وضع فرما دیے گئے ہیں۔ اس مضمون کے اعتبار سے سورۃ العنکبوت کا یہ رکوع گویا پورے قرآن میں ”ذروہ سنام“ کی حیثیت رکھتا ہے۔ [یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بحیثیت مجموعی قرآن کا ذروہ سنام تو سورۃ البقرۃ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ))<sup>(۱)</sup> ”ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔“] — مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے پانچویں حصہ کا پہلا درس اسی رکوع پر مشتمل ہے۔ موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے یہ درس منتخب نصاب کے اس حصے کے لیے بمنزلہ فاتحہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۱۳

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۗ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۗ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولَنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۗ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْبَاطِلِينَ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورة البقرة وآية الكرسي۔

لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا سَبِيلَنَا وَلَنَحْمِلُ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

آیت ۱ ﴿آلَمَ ۝﴾ ”الف لام میم۔“

آیت ۲ ﴿أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝﴾ ”کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا

کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟“  
تمہیدی کلمات میں بیان کی گئی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی روایت کا مضمون ذہن میں رکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکورہ شکایت کا جواب ہے۔ اس میں خفگی کا بالکل وہی انداز پایا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی شکایت کے جواب میں اختیار فرمایا تھا۔ اہل ایمان کا ذکر عمومی انداز میں (”الناس“ کے لفظ سے) فرمانا بھی ایک طرح سے عتاب اور ناراضی ہی کا ایک انداز ہے۔ بہر حال دین میں تحریکی و انقلابی جدوجہد کے حوالے سے یہ بہت اہم مضمون ہے جس کی مزید وضاحت مدنی سورتوں میں ملتی ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں یہی مضمون مزید واضح انداز میں بیان ہوا ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ ۚ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝﴾ ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر وہ حالات و واقعات تو وارد ہوئے ہی نہیں جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں مسلط کر دی گئی تھیں اور وہ ہلا مارے گئے تھے یہاں تک کہ (وقت کا) رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد! آگاہ رہو اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔“ اس کے بعد سورۃ آل عمران میں یہی بات ایک دوسرے انداز میں فرمائی گئی ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝﴾ ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔“ اور پھر سورۃ التوبہ میں اس مضمون کی مزید وضاحت کی گئی ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾ ”کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ہیں جو واقعی جہاد کرنے والے ہیں اور جو نہیں رکھتے اللہ اُس کے رسول اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کے ساتھ دلی رازداری کا کوئی تعلق اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

مندرجہ بالا چاروں آیات میں یہ مضمون جس انداز میں بیان ہوا ہے اس کی مثال ایک خوبصورت پودے اور اس پر کھلنے والے خوبصورت پھول کی سی ہے۔ زیر مطالعہ مکی آیت اس پودے کی گویا جڑ ہے جبکہ مذکورہ بالا تینوں مدنی آیات اس پر کھلنے والے پھول کی تین پتیاں ہیں۔ یہاں پر جن تین آیات کا حوالہ دیا گیا ہے



(البقرة: ۲۱۴، آل عمران: ۱۴۲ اور التوبة: ۱۶) ان میں یہ عجیب مماثلت قابل توجہ ہے کہ نہ صرف ان آیات کے الفاظ میں مشابہت پائی جاتی ہے بلکہ ان میں سے ہر آیت کے نمبر شمار کا حاصل جمع ۷ ہے۔

**آیت ۳** ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”ہم نے تو ان کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے“  
ہم ان سے پہلے بھی ایمان کے ہر دعویدار کو آزماتے رہے ہیں اور آزمائش کے بغیر ہم کسی کے ایمان کو تسلیم نہیں کرتے۔

﴿فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ ”پس اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جو سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔“

اگرچہ ان الفاظ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ”اللہ جان کر رہے گا“ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے اور وہ انسانوں کی نیتوں اور دلوں کے حالات سے بخوبی واقف ہے اس لیے یہاں اللہ کے ”جان لینے“ کا مفہوم دراصل یہی ہے کہ اللہ ظاہر کر دے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے! وہ میسر کر دے گا کہ کون منافق ہے اور کون سچا مؤمن! کون ضعیف الایمان ہے اور کون قوی الایمان! کون سچا جاں نثار ہے اور کون محض دودھ پینے والا مجنوں ہے!

یہاں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ گزشتہ دو آیات میں اگر خفگی کا اظہار ہے تو اگلی دو آیات میں اہل ایمان کی دلجوئی کا سامان بھی ہے۔ گویا ترہیب اور ترغیب ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شفیق استاد اپنے شاگرد کو ایک وقت میں ڈانٹ پلاتا ہے لیکن پھر اس کے بعد تھپکی دے کر اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اس نکتے کو اس حدیث کے حوالے سے بھی سمجھنا چاہیے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ))<sup>(۱)</sup> کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ یعنی اللہ اپنی مخلوق اور خصوصاً اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ چنانچہ اس محبت اور شفقت کی جھلک اگلی آیت میں صاف نظر آرہی ہے:

**آیت ۴** ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۖ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ ”کیا سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے جو برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ کر نکل جائیں گے؟ بہت ہی برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔“

اس جملے کی روح کو سمجھنے کے لیے مکہ مکرمہ کے ماحول اور اس میں اہل ایمان کی دل دہلا دینے والی مظلومیت کے مناظر ایک دفعہ پھر اپنے تصور میں لائیے جہاں ابو جہل کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما کو جس طرح چاہے بربریت کا نشانہ بنائے۔ اُمیہ بن خلف مالک و مختار تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قسمت کا کہ ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔ انہیں مار پیٹ کر لہو لہان کر دے اور گرم ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دے یا گلے میں رسی ڈال کر مُردہ جانوروں کی طرح مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا پھرے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھیں تو آیت زیر مطالعہ کے الفاظ کا مفہوم یوں ہوگا کہ کیا بربریت کا یہ بازار گرم کرنے والے درندوں

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الایمان: ۶/۲۵۲۸۔ عن عبد اللہ بن مسعود و انس بن مالک رضی اللہ عنہما۔



نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ کیا ابو جہل اور امیہ بن خلف کو خوش فہمی ہے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے؟ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہوگا! انہیں اس سب کچھ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ وقت دور نہیں جب بہت جلد یہ پانسہ پلٹ جائے گا اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ چند ہی سال بعد غزوہ بدر میں کفر اور ظلم کے بڑے بڑے علم برداروں کا حساب چکا دیا گیا۔ میدان بدر میں ہی امیہ بن خلف کو بھی مکافاتِ عمل کے بے رحم شکنجے میں جکڑ کر حضرت بلالؓ کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔ اُس وقت اگرچہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے کوشش بھی کی کہ وہ امیہ کو قتل ہونے سے بچالیں اور اسے قیدی بنالیں لیکن حضرت بلالؓ نے اسے جہنم رسید کر کے ہی چھوڑا: ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ (البروج) ”بلاشبہ آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے!“ دراصل مکہ میں بارہ سال تک ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت مسلمانوں کو ہاتھ باندھے رکھنے ہر طرح کا ظلم برداشت کرنے اور استطاعت کے باوجود بھی بدلہ نہ لینے کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا تحریک کے اس مرحلے میں انہیں ظلم سہنے اور سخت سے سخت حالات میں عزم و استقلال کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تربیت کے عمل سے گزارا جارہا تھا۔ اور ان خطوط پر مکمل تربیت اور تیاری سے قبل انہیں عملی طور پر تصادم کا میدان گرم کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ حکمتِ عملی دراصل تحریکی و انقلابی جدوجہد کے فلسفے کا ایک اہم اور لازمی اصول ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ تراخام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

بعد میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق سورۃ الحج کی آیت ۳۹ کے اس حکم کے تحت اہل ایمان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے گئے: ﴿أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا﴾ ”اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کر دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔“

**آیت ۵** ﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ﴾ ”جو کوئی بھی اللہ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو (اسے یقین رکھنا چاہیے کہ) یقیناً اللہ کا معین کردہ وقت آ کر رہے گا۔“

یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر ایک بندہ مؤمن دنیا میں اپنا تن من دھن اُس کی راہ میں کھپا دے گا تو اُس کی اس قربانی کا صلہ اسے آخرت کی نعمتوں کی صورت میں دیا جائے گا۔ لیکن اللہ کا یہ وعدہ بہر حال ادھار کا وعدہ ہے۔ دوسری طرف دنیا کے ظاہری معاملات کو دیکھتے ہوئے انسان ”نوفتہ تیرہ ادھار“ کے اصول پر زیادہ اطمینان محسوس کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے دل میں دوسو سے ڈال کر اس کے یقین کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے یہاں حضرت بلالؓ، حضرت ابو فکیہہ اور حضرت خباب جیسے صحابہؓ اور ان کی قائم کردہ مثالوں کی قیامت تک کے لیے پیروی کرنے والے جاں نثاروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اے شمعِ توحید کے پروانو! شیطان تمہارے دلوں میں کسی قسم کا دوسو پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہونے پائے تم اطمینان رکھو! تمہارے ساتھ کیے گئے اللہ کے تمام وعدے ضرور پورے ہوں گے اور آخرت کا وہ دن ضرور آ کر رہے گا جس دن تمہاری تمام قربانیوں کا بھرپور صلہ تمہیں دیا جائے گا۔

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“  
وہ تمہارے حالات سے بخوبی آگاہ ہے تمہاری کوئی تکلیف اور کوئی قربانی اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب اگلی آیت میں پھر سرزنش کا انداز ہے:

**آیت ۶** ﴿وَمَنْ جَاهَدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ اور جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے (ہی فائدے کے) لیے جہاد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔“  
دیکھو! تم میں سے جو کوئی اللہ کی راہ میں جدوجہد کر رہا ہے اس کے لیے تکلیفیں اٹھا رہا ہے اور ایثار کر رہا ہے تو یہ سب کچھ وہ اپنے لیے کر رہا ہے اس کا فائدہ بھی اسی کو ملنے والا ہے۔ وہ اپنے ان اعمال کا اللہ پر احسان نہ دھرے۔ اللہ کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ وہ ان چیزوں سے بہت بلند اور بے نیاز ہے۔ سورۃ الحجرات میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُوا عَلَيَّ إِسْلَامُكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان مت دھرو بلکہ یہ تو تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم (اپنے ایمان کے دعوے میں) سچے ہو۔“

۔ منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہی کئی منت شناس ازو کہ بخد مت بداشت!

یعنی تم بادشاہ پر احسان مت دھرو کہ تم اس کی خدمت کر رہے ہو بلکہ تم اس سلسلے میں بادشاہ کا احسان پہچانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع فراہم کیا ہے۔

نوٹ کیجیے ان آیات کے مندرجات انسانی دل و دماغ کے احساسات و خیالات سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔ اب اگلی آیت میں پھر دلجوئی کا انداز ہے۔ گویا پہلے رکوع میں ترہیب کا رنگ بھی ہے اور ترغیب کا انداز بھی اور یہ دونوں مضامین پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ آغاز سرزنش سے ہوا تھا پھر دلجوئی فرمائی گئی اس کے بعد پھر سرزنش اور اب پھر دلجوئی:

**آیت ۷** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہم لازماً دور کر دیں گے اُن سے اُن کی برائیاں“  
جو لوگ ایمان لانے کے بعد ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے اور اس رستے میں آنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے ہم ان کے دامن پر سے گناہوں کے چھوٹے موٹے داغ دھبے دور کر دیں گے۔

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور ہم لازماً اُن کو بہترین بدلہ دیں گے ان کے اعمال کا۔“

زیر مطالعہ رکوع کے مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس پہلو سے بھی لگائیں کہ ان آیات میں لام مفتوح اور نون مشدد کی تکرار ہے۔ یعنی جابجا انتہائی تاکید کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ آیت ۳ میں دو مرتبہ یہی تاکید کا صیغہ آیا ہے:

﴿فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ جبکہ زیر مطالعہ آیت میں بھی دونوں باتوں میں تاکید کا وہی انداز پایا جاتا ہے۔

**آیت ۸** ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ ”اور ہم نے ہدایت کی ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی۔“

مکہ کے مذکورہ حالات میں اسلام قبول کرنے والے بہت سے نوجوانوں کے لیے اپنے والدین کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بھی ایک بہت سنجیدہ مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طرف قرآن کی یہ ہدایت تھی کہ انسان اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کی نافرمانی نہ کرے۔ دوسری طرف ایمان لانے والے بہت سے نوجوان عملی طور پر اپنے والدین سے بغاوت کے مرتکب ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایسے تمام نوجوان اخلاقی اور جذباتی طور پر شدید دباؤ کا شکار تھے۔ مشرک والدین کا ان سے تقاضا تھا کہ تم ہماری اولاد ہو، ہم نے پال پوس کر تمہیں بڑا کیا ہے، لہذا تم پر لازم ہے کہ ہمارا حکم مانو اور محمد (ﷺ) سے تعلق توڑ کر اپنے مذہب پر واپس آ جاؤ۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ آپ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ والدہ نے انہیں بہت ناز و نعم سے پالا تھا۔ آپ بہت سلیم الفطرت اور شریف النفس نوجوان تھے اور اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ کے ایمان لانے پر آپ کی والدہ نے ”مَرْنِ بَرْت“ رکھ لیا اور قسم کھالی کہ اگر اس کا بیٹا اپنے والد کے دین پر واپس نہ آیا تو وہ بھوکی پیاسی رہ کر خود کو ہلاک کر لے گی۔ تصور کریں کہ ماں بھوک اور پیاس سے مر رہی ہے اور بیٹا اس کی اس حالت کو بے چارگی سے دیکھ رہا ہے۔ ایک فرمانبردار بیٹے کے لیے یہ کس قدر سخت امتحان تھا! چنانچہ یہ سوال بہت اہم تھا کہ ایسے نوجوان ان حالات میں کیا کریں؟ ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ قرآن میں متعدد مقامات پر (البقرة: ۸۳، النساء: ۳۶، الانعام: ۱۵۱، بنی اسرائیل: ۲۳، لقمان: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے حق عبادت کا ذکر کرنے کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے۔ دوسری طرف مشرک والدین کا یہ اصرار کہ ان کی اولاد ان کی فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر واپس ان کے دین پر آ جائے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس نازک مسئلہ کے بارے میں راہنمائی فرمائی گئی ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ ”اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مانو۔“

نوٹ کیجیے یہاں ”جہاد“ کا لفظ مشرک والدین کی اس ”کوشش“ کے لیے استعمال ہوا ہے جو وہ اپنی اولاد کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کر سکتے تھے۔ گویا یہاں یہ لفظ اپنے خالص لغوی معنی (جدوجہد کرنا، کوشش کرنا) میں آیا ہے۔

اس آیت میں بہت واضح انداز میں اولاد کے لیے والدین کی فرمانبرداری کی ”حد“ (limit) بتادی گئی کہ والدین کے حقوق بہر حال اللہ کے حقوق کے بعد ہیں۔ یعنی اللہ کا حق، اس کا حکم اور اس کے دین کا تقاضا ہر صورت میں والدین کے حقوق اور ان کی مرضی پر فائق رہے گا۔ لہذا کسی نوجوان کے والدین اگر اسے کفر و شرک



پر مجبور کر رہے ہوں تو وہ ان کا یہ مطالبہ مت مانے۔ البتہ اس صورت میں بھی نہ تو وہ ان کے ساتھ بدتمیزی کرے اور نہ ہی سینہ تان کر جواب دے، بلکہ ادب سے انہیں سمجھائے کہ ان کا یہ حکم ماننا اس کے لیے ممکن نہیں، اس لیے اس کی درخواست ہے کہ وہ اس کے لیے اس پر دباؤ نہ ڈالیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک والد کے ساتھ مکالمہ (سورہ مریم آیات ۴۲ تا ۴۵) اس حکمت عملی کی بہترین مثال ہے۔ اس مکالمے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد کو بار بار یَا بَتِّ، یَا بَتِّ (ابا جان! ابا جان!) کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ والدین کے حقوق کے حوالے سے یہ مضمون سورہ لقمان میں زیادہ وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

﴿إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَتَّبِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۸﴾ ”میری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

**آیت ۹** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝۹﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہم انہیں لازماً داخل کریں گے صالحین میں۔“

نیک اہل ایمان کو صالحین کے گروہ میں شامل کرنے کا یہ وعدہ دنیا کے لیے بھی ہے اور آخرت کے لیے بھی۔ اس مژدہ جانفزا کے مفہوم کو بھی مکہ کے مذکورہ حالات کے پس منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے، جہاں اہل ایمان اپنے پیاروں سے کٹ رہے تھے والدین اپنے جگر گوشوں کو چھوڑنے پر مجبور تھے، اولاد والدین کی شفقت و محبت سے محروم ہو رہی تھی اور بھائی بھائیوں سے جدا ہو رہے تھے۔ جیسے سردار قریش عتبہ بن ربیعہ کے بڑے بیٹے حذیفہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے جبکہ چھوٹا بیٹا ولید کافر ہی رہا۔ (عتبہ اور اس کا بیٹا ولید غزوہ بدر میں سب سے پہلے مارے جانے والوں میں سے تھے۔) اگر انسانی سطح پر دیکھا جائے تو حضرت حذیفہ کے لیے یہ بہت کڑا امتحان تھا۔ بہر حال جو صحابہ اس آزمائش اور امتحان سے دو چار ہوئے انہوں نے غیر معمولی حوصلے اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن آخر تو وہ انسان تھے اندر سے ان کے دل زخمی تھے اور ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آیت زیر نظر کو اس سیاق و سباق میں پڑھا جائے تو اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ اے میرے جاں نثار بندو! اگر تم لوگ مجھ پر اور میرے رسول ﷺ پر ایمان لا کر اپنے والدین، بھائی، بہنوں اور عزیز رشتہ داروں سے کٹ چکے ہو تو رنجیدہ مت ہونا۔ دوسری طرف ہم نے تمہارے لیے نبی رحمت اور اہل ایمان کے گروہ کی صورت میں نئی محبتوں اور لازوال رفاقتوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں تمہارے لیے ایک نئی برادری تشکیل پا رہی ہے جس کی بنیاد ایک مضبوط نظریے پر رکھی گئی ہے۔ اب تم لوگ اس نئی برادری کے رکن بن کر ہمارے برگزیدہ بندوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو، جہاں رحمۃ اللعالمین ﷺ آپ لوگوں کو اپنے سینے سے لگانے کے لیے منتظر ہیں اور جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت تم لوگوں پر اپنی محبت و شفقت کے جذبات نچھاور کرنے کو بے قرار ہیں۔ اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کو بھی بار بار یاد دہانی کرائی جا رہی ہے (سورہ الحجر: ۸۸ اور سورہ الشعراء: ۲۱۵) کہ مؤمنین کے لیے آپ اپنے کندھوں کو جھکا کر رکھیے اور ان کے ساتھ محبت و رافت کا معاملہ کیجیے۔

دوسری طرف صالحین کے گروہ میں شمولیت کی اس خوشخبری کا تعلق آخرت سے بھی ہے جس کا واضح تر اظہار سورۃ النساء کی اس آیت میں نظر آتا ہے: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝۹۹﴾ ”اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو ایسے لوگوں کو معیت حاصل ہوگی ان لوگوں کی جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیاء کرام صدیقین شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے!“

**آیت ۱۰** ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۝۱۰﴾ ”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر مگر جب انہیں اللہ کی راہ میں ایذا پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی مانند سمجھ لیتے ہیں۔“

یعنی لوگوں کی طرف سے ڈالی گئی آزمائش سے ایسے گھبرا جاتے ہیں جیسے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گیا ہو۔ یہاں یہ نکتہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ آیت مکہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب اسلام میں منافقت کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ یہ وہ وقت تھا جب کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے ہر شخص پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں جو کوئی بھی اسلام قبول کرتا تھا اس کے ایمان میں کسی شک و شبہ کا امکان نہیں تھا۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ سب لوگوں کی طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں اور جذبے بہادری، استقامت وغیرہ میں سب انسان برابر نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اسی حوالے سے ایک ایسے کردار کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان تو پورے خلوص سے لایا ہے مگر اس راستے کی مشکلات اور آزمائشوں کو جھیلنے کا حوصلہ اس میں نہیں ہے۔

﴿وَلَمَّا جَاءَ نَصْرُكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آ جائے“

﴿لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ﴾ ”یہ ضرور کہیں گے کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہی تو تھے۔“

جب صورت حال تبدیل ہو جائے گی اور دین کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دینے والوں کو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے ہم کنار کرے گا تو اس کردار کے لوگ فتح کے ثمرات میں حصہ دار بننے کے لیے آ موجود ہوں گے کہ ہم تو دل سے آپ ہی کے ساتھ تھے۔ گویا یہ وہی کردار ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ہوا ہے اور سورۃ الحج کی اس آیت میں اس کی نفسیاتی کیفیت کو مزید واضح کر دیا گیا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ نَّاطَمَ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ نَّانْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝۱۱﴾ (الحج) ”اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔ پھر اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس کے ساتھ مطمئن رہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آ جائے تو منہ کے بل الٹا پھر جائے۔ وہ دنیا میں بھی خسارے میں رہا اور آخرت میں بھی۔ یہی ہے واضح خسارہ۔“

﴿أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝۱۰﴾ ”تو کیا اللہ بخوبی واقف نہیں ہے اس سے

جو جہان والوں کے سینوں میں مضمر ہے؟“

**آیت ۱۱** ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝۱۱﴾ ”اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا

سچے اہل ایمان کو بھی اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔“

یعنی ابھی اس مرض کی ابتدا ہے۔ اگر تم لوگ nip the evil in the bud کے مصداق ابھی سے اس کا علاج کر لو گے تو بچ جاؤ گے۔ منافقت کا مرض ٹی بی کے مرض کی طرح ہے جو انفیکشن سے شروع ہوتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا علاج روگ بن جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی تم لوگوں کو اس مرض کی انفیکشن ہوئی ہے۔ اگر ابھی تم نے اس کے تدارک کی فکر نہ کی اور یہ روگ ابتدائی مرحلے سے آگے بڑھ گیا تو مہلک اور لاعلاج مرض (باقاعدہ منافقت) کی شکل اختیار کر جائے گا۔

اس آیت کے حوالے سے ایک خصوصی نکتہ یاد رکھنے کا یہ ہے کہ مکی قرآن کا یہ واحد مقام ہے جہاں لفظ ”منافق“ آیا ہے۔ سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت میں بھی منافقانہ کردار کا ذکر ہوا ہے، لیکن ”منافق“ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

**آیت ۱۲** ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ﴾ ”اور یہ کافر کہتے ہیں اہل ایمان سے کہ تم ہمارے راستے کی پیروی کرو، ہم (آخرت میں) تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے۔“

اس آیت میں مکہ کے ماحول میں ایمان لانے والے نوجوانوں کے تیسرے اہم مسئلے کی نشاندہی ملتی ہے۔ یعنی رشتوں کے کٹنے اور کہیں کہیں حوصلے کی کمزوری کے اظہار کے علاوہ ایک سنجیدہ مسئلہ یہ بھی تھا کہ قبیلے کے بڑے بوڑھے ناصحانہ انداز میں نوجوانوں کو سمجھانے بیٹھ جاتے تھے کہ دیکھو بر خوردار! تم نوجوان ہو، باصلاحیت ہو، خاندانی کاروبار کے وارث ہو، ایک مثالی کیریئر اور روشن مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ مگر تم جذبات میں آکر ایک ایسا راستہ اپنانے جا رہے ہو جس میں مشکلات، پریشانیوں اور افلاس کے سوا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہماری طرف دیکھو! ہم نے اس دنیا میں ایک عمر گزاری ہے، ہم نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، ہم زندگی کے نشیب و فراز اور نفع و نقصان کے تمام پہلوؤں کو خوب پہچانتے ہیں۔ اس نئے دین کی باتیں ہم نے بھی سنی ہیں، مگر ہم ان کو سن کر جذباتی نہیں ہوئے۔ ہم نے پوری سمجھ بوجھ سے ان باتوں کا تجزیہ کیا ہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارا فائدہ اپنے پرانے طریقے اور اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی میں ہی ہے۔ لہذا تم ہماری بات مانو اور اپنے پرانے طریقے پر واپس آ جاؤ۔ رہی بات آخرت کے احتساب کی تو اس کی ذمہ داری تمہاری طرف سے ہم اٹھاتے ہیں۔ وہاں اگر کوئی سزا ہوئی تو وہ تمہاری جگہ ہم بھگت لیں گے۔

﴿وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ﴾ ”اور وہ نہیں اٹھانے والے ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ یقیناً وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔“

**آیت ۱۳** ﴿وَلْيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ﴾ ”البتہ وہ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ بھی۔“

یعنی آخرت میں یہ لوگ صرف اپنی گمراہی کی سزا ہی نہیں بھگت رہے ہوں گے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا خمیازہ بھی انہیں بھگتنا ہوگا۔ لیکن اے اہل ایمان! اگر تم میں سے کوئی خطا کرے گا تو اس کے لیے وہ خود ہی جوابدہ ہوگا۔ تمہاری کسی خطا کا بوجھ یہ لوگ نہیں اٹھاسکیں گے۔



﴿وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ اور ان سے لازماً باز پرس ہوگی قیامت کے

دن اس کے بارے میں جو جھوٹ یہ گھڑ رہے ہیں۔

اس آیت میں تاکید کا پھر وہی انداز ہے (لام مفتوح اور نون مشدد) جو اس سے پہلے آیات ۷۳ اور ۱۱ میں آچکا ہے۔ یعنی قیامت کے دن دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھانے کا یہ دعویٰ ان کا خود ساختہ جھوٹ ہے اور اس دن اپنی اس افترا پردازی کا بھی انہیں حساب دینا پڑے گا۔ اس سلسلے میں اللہ کا اٹل فیصلہ اور قانون بہر حال یہ ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (الاسراء: ۱۵) کہ اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

اس سورت کی ابتدائی بارہ آیات (پہلی آیت حروف مقطعات پر مشتمل ہے) اپنے مضمون کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ چنانچہ کسی بھی دینی انقلابی تحریک کے کارکنوں کو چاہیے کہ ان آیات کو حرزِ جان بنا لیں اور ان میں درج ہدایات و فرمودات کو اپنے قلوب و اذہان میں پتھر پر لکیر کی مانند کندہ کر لیں۔

## آیات ۱۲ تا ۲۴

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾ وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۷﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۱۹﴾ وَمَا أَنتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا لَا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿۲۳﴾ فَأَمِنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي

مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ  
النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَلُوطًا إِذْ قَالَ  
لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَيْتُمْ لَتَأْتُونَ  
الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ  
قَالُوا إِنَّتُمْ بَعْدَ اللَّهِ أَنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝  
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا  
ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنَنْجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ  
كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِتْمَامُ ذُرْعَاهُمْ وَذُرْعَاهُمْ  
تَخَفَ وَلَا يَمُوزُنُ ۖ إِنَّا مُنْجِيُونَكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَى  
أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ  
يَعْقِلُونَ ۝ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا  
تَعْبُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذْتَهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَمِينَ ۝  
وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسْكِنِهِمْ ۖ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْبَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ  
السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَاقِينَ ۝ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ  
مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ  
وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ مَثَلُ  
الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ  
الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ  
شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝  
خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

ع ۱۳

یہاں سے سورت کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ حصہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس میں بنیادی طور پر انباء الرسل کا مضمون ہے، لیکن وقفے وقفے سے بین السطور میں مکے کے ماحول میں جاری کش مکش کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔ اس کے بعد آخری تین رکوعوں پر مشتمل اس سورت کے آخری حصے میں مشرکین اور اہل ایمان سے خطاب ہے۔ یہ دونوں موضوعات سورت کے آخری حصے میں یوں متوازی چلتے نظر آتے ہیں جیسے



ایک رسی کی دو ڈوریاں آپس میں گندھی ہوئی ہوں۔ ان میں سے کبھی ایک ڈوری نمایاں ہوتی نظر آتی ہے تو کبھی دوسری۔ سورت کے اس حصے میں اہل ایمان سے خطاب کے دوران انہیں دس اہم ہدایات بھی دی گئی ہیں جو غلبہ دین کی جدوجہد کرنے اور اس راستے میں مصائب و مشکلات برداشت کرنے والے مجاہدین کے لیے رہتی دنیا تک گویا مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

**آیت ۱۴** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ ”اور ہم نے

بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو وہ رہا ان کے مابین پچاس برس کم ایک ہزار برس۔“

یعنی حضرت نوحؑ اپنی قوم کے درمیان ساڑھے نو سو سال تک رہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حضرت نوحؑ کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آچکا ہے لیکن یہ بات اور کہیں نہیں کہی گئی کہ انہوں نے ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ اپنی قوم کے ساتھ گزارا۔ اگر ہم مکہ کے ان حالات کا نقشہ ذہن میں رکھیں جن حالات میں یہ سورت نازل ہوئی تھی اور پہلے رکوع کا مضمون بھی مد نظر رکھیں تو حضرت نوحؑ کی دعوت اور جدوجہد کے ساڑھے نو سو سال کے ذکر کی وجہ صاف نظر آ جاتی ہے اور بین السطور میں یہاں جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ اقبال کے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا

ہے دُور وصال بحر ابھی تو دریا میں گھبرا بھی گئی!

کہ اے مسلمانو! تم لوگ چند برس میں ہی گھبرا گئے ہو۔ ذرا ہمارے بندے نوحؑ کی صدیوں پر محیط جاں گسل جدوجہد کا تصور کرو اور پھر ان کے صبر و استقامت کا اندازہ کرو! چنانچہ تم لوگوں کو اس راستے میں مزید امتحانات کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں! (اقبال)

سورة الانعام میں اسی حوالے سے محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأَوْدُوا حَتَّىٰ أَنهَلُّهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبِيِّ الْأُمُوسَلِينَ﴾ ”اور آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا، تو انہوں نے اس تکذیب پر صبر کیا، اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ان تک ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور (دیکھئے اے نبی ﷺ!) اللہ کے ان کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں، اور آپ کے پاس رسولوں کی خبریں تو آ ہی چکی ہیں۔“

﴿فَاخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ﴾ ”تو ان کو آپکڑا طوفان نے اور وہ ظالم تھے۔“

**آیت ۱۵** ﴿فَانجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”تو ہم نے بچا لیا اُس (نوحؑ)

کو اور کشتی والوں کو اور اسے بنا دیا ہم نے تمام جہان والوں کے لیے ایک نشانی۔“

**آیت ۱۶** ﴿وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ﴾ ”اور ابراہیمؑ کو (بھی رسول بنا کر بھیجا)

جب اُس نے کہا اپنی قوم سے کہ اللہ کی بندگی کرو اور اُس کا تقویٰ اختیار کرو۔“



﴿ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱۶) ”یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“  
**آیت ۱۷** ﴿إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا﴾ ”جن کو تم پوج رہے ہو اللہ کو چھوڑ کر یہ تو محض بُت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔“

یہ جو تم نے بُت اور ان کے استھان بنائے ہوئے ہیں یہ محض تمہارا افتراء ہے۔ اس سب کچھ کی کہیں کوئی سند نہیں ہے نہ عقلی طور پر اور نہ ہی اللہ کی نازل کردہ کسی کتاب میں!

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ﴾ ”جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے پس تم اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو۔“  
 اللہ ہی سے رزق مانگو اُسی سے مشکل کشائی کی درخواست کرو اور اُسی کو حاجت روائی کے لیے پکارو۔

﴿وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (۱۷) ”اور اُسی کی بندگی کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو۔ اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ذکر ابھی مزید جاری رہے گا مگر یہاں درمیان میں اچانک ایک طویل جملہ معترضہ آگیا ہے جس کے تحت خطاب کا رخ پھر سے اس کش مکش کی طرف موڑا جا رہا ہے جو مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان جاری تھی۔ چنانچہ اگلی آیت میں براہ راست مشرکین مکہ سے خطاب ہے:

**آیت ۱۸** ﴿وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ﴾ ”اور اگر تم جھٹلا رہے ہو تو (یاد رکھو کہ) تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں۔“

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ﴾ (۱۸) ”اور رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے۔“

**آیت ۱۹** ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا!“

﴿إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (۱۹) ”یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“  
**آیت ۲۰** ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ﴾

”ان سے کہیے کہ ذرا گھومو پھر زمین میں اور دیکھو کس طرح اللہ نے پہلی بار پیدا کیا پھر اللہ ہی اٹھاتا ہے (یا اٹھائے گا) دوسری بار!“

مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے دنیا میں بھی چل رہا ہے۔ جیسے ایک فصل ختم ہوتی ہے تو دوسری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی انسانوں کو پھر سے زندہ کرے گا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۲۰) ”یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“

**آیت ۲۱** ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۝۲۱﴾ ”وہ جسے چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا اور اسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔“

**آیت ۲۲** ﴿وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝۲۲﴾ ”اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ آسمان میں“

تم زمین یا آسمان میں کہیں بھی کسی بھی طریقے سے اس کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے۔  
**﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۲۲﴾** ”اور نہیں ہے اللہ کے مقابلے میں کوئی تمہارا حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔“

عربی میں دُون کا لفظ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عبارت کے سیاق و سباق سے پتا چلتا ہے کہ کس جگہ اس کے کون سے معنی مناسب ہیں۔ اس جگہ ”دُونِ اللہ“ کا بہتر مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔

**آیت ۲۳** ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ ۝۲۳﴾ ”اور جنہوں نے انکار کیا اللہ کی آیات کا اور اُس کی ملاقات کا“

**﴿أُولَٰئِكَ يَسْأَلُونَ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۳﴾** ”یہی لوگ ہیں جو مایوس ہو چکے ہیں میری رحمت سے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

آیت ۱۸ سے شروع ہونے والا جملہ معترضہ یہاں پر ختم ہوا۔ اب اگلی آیات میں پھر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جس کا سلسلہ آیت ۷۱ سے منقطع ہو گیا تھا۔

**آیت ۲۴** ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ ۝۲۴﴾ ”تو کوئی جواب نہیں تھا اُس (ابراہیم) کی قوم کا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا: اسے قتل کر دو یا اس کو جلا دو!“

**﴿فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝۲۴﴾** ”تو اللہ نے اُسے نجات دی آگ سے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا ۚ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝۲۵﴾ ”اور ابراہیم نے کہا کہ تم لوگوں نے اللہ کے سوا جو بت بنا رکھے ہیں یہ تو بس دنیا کی زندگی میں تمہاری آپس کی محبت کی وجہ سے ہے۔“

یہ بہت اہم بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ میں تمہیں متنبہ کر چکا ہوں کہ تم لوگ جن بتوں کو پوجتے ہو ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور ان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ میرے سمجھانے پر تم لوگ یہ بات سمجھ بھی چکے ہو اس سلسلے میں حق تم لوگوں پر پوری طرح منکشف بھی ہو چکا ہے اور تمہارے دل اس بارے میں حق کی گواہی بھی دے چکے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی تم لوگ اگر بتوں کے ساتھ چمٹے ہوئے

ہو اور گمراہی کا راستہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو اس کی اصل وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم لوگ آپس کے تعلقات، آپس کی دوستیاں اور رشتہ داریاں نبھا رہے ہو۔ دراصل یہ وہ بنیادی عامل (factor) ہے جو ہر سطح پر لوگوں کے لیے حق کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ ایک معقول اور باشعور شخص کی تان بھی اکثر یہیں پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ جی ہاں بات تو درست ہے، دل کو بھی لگتی ہے مگر کیا کریں مجبوری ہے! دوسری طرف برادری ہے، رشتہ داریاں ہیں، دوستیاں ہیں اور کاروبار کی شراکت داریاں ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے چھوڑ دیں؟ سب سے ناتا کیسے توڑ لیں؟ زندہ رہنے کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ انسان بھلا اکیلا کیسے زندگی گزار سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہ عصبیت ہر جگہ اور ہر دور میں اپنا رنگ دکھاتی ہے، حتیٰ کہ خالص دینی بنیادوں پر اٹھنے والی تحریکیں بھی اس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ سب کچھ یکدم نہیں ہو جاتا بلکہ منفی عصبیت کے خطرناک جراثیم آہستہ آہستہ ریگلتے ہوئے کسی تحریک کی صفوں میں داخل ہوتے ہیں۔ فرض کریں کہ آغاز میں ایک تحریک کا نظریہ بالکل خلوص پر مبنی تھا۔ اس کے کارکنوں کی وابستگی بھی خالصتاً حق شناسی کی بنیاد پر تھی اور ان میں جدوجہد کا جذبہ بھی قابل رشک تھا، مگر پھر کسی موڑ پر کہیں کوئی غلطی ہوئی اور تحریک کسی غلط رخ پر مڑ گئی۔ عموماً ایسی غلطیوں کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں آتے، بلکہ کچھ عرصے تک تو کارکنوں کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان کی تحریک غلط موڑ مڑ چکی ہے۔ لیکن جب اس غلطی کے نتائج واضح طور پر سامنے آنے لگتے ہیں اور کارکنوں کو معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو اس کے باوجود بھی ان کی اکثریت اس تحریک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ ایسی صورت حال میں وہ لوگ محض ”عصبیت“ کی وجہ سے اس تحریک کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ کسی بھی جماعت یا تنظیم کے اندر خواہ وہ خالص دینی بنیادوں پر ہی کیوں نہ اٹھی ہو، کچھ دیر کے بعد شخصی تعلقات، باہمی رشتہ داریاں اور مشترکہ مادی مفادات بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا ”جماعتی عصبیت“ کے علاوہ چھوٹی چھوٹی دوسری عصبیتیں بھی اس کے حلقے کے اندر فعال ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہر ایسی جماعت ایک فرقہ بن جاتی ہے۔

اس نکتے کو اس پہلو سے بھی سمجھنا چاہیے کہ اب نبوت ختم ہو گئی ہے اور قیامت تک دنیا میں کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے زمانے تک اس خلا کو پُر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تین چیزوں کا اہتمام فرمایا ہے:

(۱) قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کا اہتمام۔ جبکہ اس سے پہلے کسی کتاب کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔  
(۲) ہر صدی میں ایک مجدد اٹھانے کا اہتمام۔ یہ مجدد دین کے بنیادی حقائق کو تازہ کیا کرے گا اور لوگوں کو دین کی ان حقیقی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا کرے گا جنہیں وہ بھول چکے ہوں گے۔

(۳) اس چیز کا اہتمام کہ ہر دور میں ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ .....))<sup>(۱)</sup>

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قوله لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق .....



”میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ جو لوگ ان کو چھوڑ جائیں گے یا ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے.....“

اب عملی طور پر کیا ہوتا ہے؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے فرض کریں کہ ایک مجدد پیدا ہوا اس نے مختلف پہلوؤں سے جدوجہد کی دینی تعلیمات کی تطہیر کر کے اصل حقائق لوگوں پر واضح کر دیے۔ حالات اور زمانے کی ضروریات اور ترجیحات کے مطابق دین کے مطالبات کی تشریح کر کے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ کچھ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کے گرد جمع ہوئے۔ اعوان و انصار نے اپنا اپنا کردار ادا کیا اور ایک مضبوط جماعت قائم ہو گئی۔ ایسی کسی بھی جماعت کے ہر اول دستے کے کارکن چونکہ علی وجہ البصیرت اس میں شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کی نظریاتی وابستگی خالص اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس جماعت میں عصبيت کا عنصر داخل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب اس کے بہت سے کارکنوں کی نظریاتی وابستگی کمزور ہوتے ہوئے برائے نام رہ جاتی ہے، لیکن وہ لوگ صرف اس لیے اس کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں کہ ان کے بزرگوں کا تعلق اس جماعت سے تھا۔ پھر تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے اس عصبيت کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اتنے عرصے میں جماعت کے اندر مضبوط شخصی تعلقات پروان چڑھ چکے ہوتے ہیں، رشتہ داریاں بن چکی ہوتی ہیں، کاروباری شراکت داریاں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہوتی ہیں اور یوں یہ جماعت ایک معاشرتی حلقے یا فرقے کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اب اس کے کارکن اپنی اپنی ترجیحات اور اپنے اپنے مفادات کے تحت اس جماعت یا فرقے کے ساتھ خود کو وابستہ کیے رکھتے ہیں۔

تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے ہر جماعت میں اس خرابی کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس حوالے سے سب سے بڑی حقیقت اور دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: ((خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ))<sup>(۱)</sup> ”میری امت میں سب سے بہتر میرا دور ہے، پھر اس کے بعد والوں کا، پھر اس کے بعد والوں کا“۔ یعنی حضور ﷺ نے خیر کے حوالے سے درجہ بدرجہ تین نسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کا یہ فرمان اتنی بڑی حقیقت ہے کہ تین نسلوں کے بعد خود آپ ﷺ کی قائم کردہ جماعت کو بھی زوال آ گیا۔ اور جب حضور ﷺ کی قائم کردہ جماعت بھی اس فطری عمل کے مطابق زوال کا شکار ہو گئی تو کوئی دوسری جماعت کیونکر اس کمزوری سے مبرا ہو سکتی ہے؟ چنانچہ تیسری نسل (ایک صدی) کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر کسی مجدد کو اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور وہ از سر نو انہی بنیادوں پر جدوجہد کا آغاز کرتا ہے۔ اسی طرح یہ عمل قیامت تک کے زمانے تک تسلسل کے ساتھ چلتا رہے گا۔

چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے ہر دور کے مخلص مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حق شناسی کے سلسلے میں خود کو ہر قسم کی عصبيت سے بالاتر رکھ کر پوری دیانت داری سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کے دور میں اللہ نے دین کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔

سر بلندی کا کام کس کے حوالے کیا ہے اور وہ کون سی جماعت یا شخصیت ہے جو درست انداز میں اس راہ میں جدوجہد کر رہی ہے۔ پھر جب وہ اس سلسلے میں کسی واضح اور ٹھوس نتیجے پر پہنچ جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے تعلقات و مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اس شخصیت یا اس جماعت کا ساتھ دے جس کی جدوجہد کا رخ اس کی سمجھ اور معلومات کے مطابق درست ہو۔

﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ ”پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے“

﴿وَمَا لَكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نُصْرِينَ﴾ ”اور تم سب کا ٹھکانا آگ ہوگی اور (اس دن وہاں) تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

تمہاری یہ دوستیاں بس دنیا تک ہی محدود ہیں اور تمہارے یہ گٹھ جوڑ صرف یہیں پر تمہارے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ کل قیامت کے دن تمہارے یہ دوست اور رشتہ دار تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔ اپنے انجام کو دیکھتے ہوئے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہراؤ گے اور باہم ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے۔ اس مشکل گھڑی میں تمہارا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا۔

آیت ۲۶ ﴿فَأَمِّنْ لَهُ لُوطٌ﴾ ”تو لوط اُس (ابراہیم) پر ایمان لایا۔“

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

﴿وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ یقیناً وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ کے پیچھے آپ کی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس بارے میں قرآن سے ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ واللہ اعلم!

آیت ۲۷ ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ ”اور ہم نے اسے اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا“

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ ”اور اُس کی نسل میں ہم نے رکھ دی نبوت اور کتاب“

نبوت اور کتاب کی یہ وراثت ایک طویل عرصے تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں رہی اور پھر آخری نبوت اور آخری کتاب کی سعادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے حصے میں آئی۔ اس حوالے سے ایک اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دنیا میں کوئی نبی یا رسول آپ کی نسل سے باہر نہیں آیا۔ لیکن آپ کی نسل دنیا میں کہاں کہاں پھیلی؟ اس بارے میں ہمیں قطعی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ تورات نے تو حضرت اسحاق علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) کے بارے میں معلومات کو محفوظ کیا ہے۔ حضرت یعقوب کے ایک جڑواں بھائی ”عیسو“ کا ذکر بھی تاریخ میں ملتا ہے لیکن ان کی نسل کے بارے میں ہمیں

کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں کہاں آباد ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی ”قطورہ“ سے بھی آپ کے بہت سے بیٹے تھے۔ ان میں سے آپ کے صرف ایک بیٹے کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مدین میں آباد ہوئے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق ان ہی کی نسل سے تھا۔ لیکن ”بنی قطورہ“ میں سے باقی لوگ کدھر گئے کچھ معلوم نہیں۔ اس حوالے سے میرا خیال ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسوی اولاد میں سے کچھ لوگ ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور برہمن کہلوائے۔ میرے خیال میں یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسلی تعلق کی بنا پر خود کو ”براہمن“ یا ”براہما“ کہلواتے تھے۔ بعد میں اسی براہمن یا براہما کا لفظ ”برہمن“ بن گیا۔ واللہ اعلم! بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل دنیا میں کہاں کہاں پھیلی اور کس کس علاقے میں آباد ہوئی، یہ انسانی تاریخ کا ایک اہم لیکن گمنام باب ہے۔ آج ضرورت ہے کہ اعلیٰ پائے کا کوئی سکالر تحقیق کر کے اس موضوع کے گمنام گوشوں کو بے نقاب کرے۔

﴿وَاتَيْنَهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۲۷﴾ ”اور ہم نے اسے دنیا میں

بھی اس کا اجر عطا کیا، اور آخرت میں بھی وہ یقیناً ہمارے نیک بندوں میں سے ہوگا۔“

آیت ۲۸ ﴿وَلَوْ طَآ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اِنِّكُمْ لَتَاتُّونَ الْفَاحِشَةَ ۖ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸﴾

”اور (ہم نے بھیجا) لوٹ کو جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی۔“

حضرت لوط علیہ السلام کو عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ ان شہروں کے لوگ آپ کی قوم میں سے نہیں تھے چنانچہ آیت زیر نظر میں انہیں مجازاً آپ کی قوم (قَوْمُہ) کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی رہا ہے کہ کسی بھی قوم کی طرف رسول ہمیشہ اس قوم کے اندر سے مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ اس قاعدے اور قانون میں حضرت لوط علیہ السلام کے حوالے سے یہ واحد استثناء ہے اور یہ استثناء بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا حصہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی بھی پیغمبر ہوگا وہ آپ کی قوم سے ہی ہوگا۔ یاد رہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

آیت ۲۹ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاتُّونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۝۲۹﴾ ”کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس (شہوت

رانی کے لیے) اور (فطری) راستہ منقطع کرتے ہو“

یعنی فطرت نے اس مقصد کے لیے مرد اور عورت کے ملاپ کا جو طریقہ رکھا ہے اور اسے اولاد پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا ہے تم اس راہ کو کاٹ رہے ہو۔

﴿وَتَاتُّونَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرَ ۝۳۰﴾ ”اور یہ مذموم فعل تم اپنی مجلسوں کے اندر کرتے ہو!“

ان کی بے حیائی اور ڈھٹائی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اس گھناؤنے فعل کا ارتکاب کھلے عام اپنی مجالس کے اندر کیا کرتے تھے۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۱﴾ ”تو



اس کی قوم کا کوئی جواب اس کے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: تم لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!“

**آیت ۳۰** ﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ﴾ ”اُس نے دعا کی: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس مفسد قوم کے خلاف۔“

**آیت ۳۱** ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ﴾ ”اور جب ہمارے فرستادے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر آئے“

قوم لوط پر عذاب کی غرض سے جو فرشتے بھیجے گئے تھے وہ پہلے انسانی شکلوں میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس گئے۔ ان فرشتوں نے پہلے تو حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر اس کے بعد:

﴿قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یقیناً اس کے باسی بڑے ظالم ہیں۔“

**آیت ۳۲** ﴿قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا﴾ ”ابراہیمؑ نے کہا کہ اس میں لوطؑ بھی تو ہے!“

﴿قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کون کون اس میں ہے۔“

﴿لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ ”ہم ضرور بچالیں گے اُسے بھی اور اُس کے گھر والوں کو بھی سوائے اُس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔“

**آیت ۳۳** ﴿وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ ۖ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ ”اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے بہت پریشان اور دل تنگ ہوا“

حضرت لوطؑ کی پریشانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کے روپ میں وارد ہوئے تھے اور حضرت لوطؑ اپنی قوم کے اخلاق و کردار سے واقف تھے۔

﴿وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجِيُكَ وَأَهْلَكَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کھائیں اور نہ آپ رنجیدہ ہوں، ہم تو نجات دینے والے ہیں آپ کو بھی اور آپ کے اہل خانہ کو بھی“

﴿إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ ”سوائے آپ کی بیوی کے وہ ہوگی پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔“

**آیت ۳۴** ﴿إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ”ہم نازل کرنے والے ہیں اس بستی والوں پر ایک عذاب آسمان سے بسبب اس فسق و فجور کے جو وہ کر رہے تھے۔“

**آیت ۳۵** ﴿وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”اور ہم نے چھوڑ دی اس (بستی) میں سے ایک واضح نشانی ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔“

قوم لوط کی بستی کے کھنڈرات قریش کی تجارتی شاہراہ پر موجود تھے لہذا قرآن میں اہل مکہ کو بار بار مخاطب کر کے یاد دلایا گیا ہے کہ تم لوگ ان عذاب زدہ بستیوں کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہو اور پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے ہو! اس کے علاوہ بحیرہ مردار (جسے بحر لوط بھی کہا جاتا ہے) بھی قوم لوط کی بربادی کی کھلی نشانی ہے۔

**آیت ۳۶** ﴿وَالِی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ ”اور مدین کی طرف بھیجا ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو“  
 ﴿فَقَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ”تو اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو“

﴿وَلَا تَعْتَوُوا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ ”اور زمین میں فساد مت مچاتے پھرو۔“  
**آیت ۳۷** ﴿فَكَذَّبُوهُ فَآخَذْتَهُمُ الرَّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِیْ دَارِهِمْ جَثِمِیْنَ﴾ ”تو انہوں نے اسے جھٹلادیا چنانچہ انہیں آ پکڑا زلزلے نے تو وہ رہ گئے اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے ہوئے۔“  
**آیت ۳۸** ﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْکِنِهِمْ﴾ ”اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے ہلاک کیا) اور تم پر واضح ہو چکے ہیں ان کے مساکن۔“  
 تمہیں سب معلوم ہے کہ یہ قومیں کس کس علاقے میں کہاں کہاں آباد تھیں۔

﴿وَزَیِّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ”اور شیطان نے مزین کر دیے تھے ان کے لیے ان کے (بُرے) اعمال“

شیطان کے زیر اثر انہیں اپنے مشرکانہ افعال و اعمال بہت خوش نما لگتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ان ہی میں مگن رہتے تھے۔

﴿فَصَدَّهُمُ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِیْنَ﴾ ”اور اس (شیطان) نے روک دیا تھا انہیں سیدھے راستے سے حالانکہ وہ بہت سمجھ بوجھ والے تھے۔“

استبصار باب ”استفعال“ سے ہے۔ اس کے معنی بغور دیکھنا کے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ بڑے باریک بین تھے ہر چیز کا مشاہدہ بڑی احتیاط سے کرتے تھے بڑے ہوشیار اور دانشور قسم کے لوگ تھے مگر اس کے باوجود انہیں راہِ راست سجھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ تضاد اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سمجھدار انسان اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ آج کے سائنسدانوں ہی کی مثال لے لیجیے۔ آج یہ لوگ کیسی کیسی ایجادات کر رہے ہیں۔ کائنات کے کیسے کیسے حقائق تک آج ان کی رسائی ہے۔ اربوں کھربوں نوری سالوں کی دوری پر نئے نئے ستاروں کو دریافت کر رہے ہیں۔ کیسے کیسے آلات کی مدد انہیں حاصل ہے اور ان آلات کے ذریعے کیسے کیسے مشاہدات ان کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کے ذہن خالق کائنات اور مدبر کائنات کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ ایک (مادی) آنکھ سے دیکھ رہے ہیں جبکہ ان کی دوسری (روحانی) آنکھ بالکل اندھی ہے۔ ایسے ہی سائنسدانوں اور دانشوروں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا: نہ ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا!

یعنی یہ لوگ کائنات کے بڑے بڑے رازوں کی کھوج میں تو لگے ہوئے ہیں اور تحقیق کے اس میدان میں آئے روز نئی کامیابیوں کے جھنڈے بھی گاڑ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی اپنی ذات کے بارے میں جاننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ میری اس زندگی کا مقصد و مال کیا ہے؟ ان کے نزدیک تو زندگی بھی جانوروں کی طرح پیدا ہونے، کھانے پینے، نسل بڑھانے اور مر جانے کا نام ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ موت پر انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر انسانی زندگی ان دانشوروں کے خیال میں یہی کچھ ہے تو پھر یہ واقعی ایک کھیل ہے۔ اور کھیل بھی بقول بہادر شاہ ظفر بس چار دن کا!۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں!

اس ”دانشورانہ“ نقطہ نظر کے مطابق جائزہ لیں تو انسانی زندگی کی تہی دامانی اور بے بضاعتی پر ترس آتا ہے۔ ماہ و سال کے اس میزانیہ میں سے کچھ وقت تو بچپن کے بھولپن میں بیت گیا، کچھ لڑکپن کے کھیل کود اور شرارتوں میں۔ جوانی آئی تو سنجیدہ سوچ کی گویا بساط ہی الٹ گئی۔ جوانی کا خمرا ترا اور ہوش سنبھالنے کی فرصت محسوس ہوئی تو بڑھاپے کی چاپ سنائی دینے لگی۔ اور اگر کوئی زیادہ سخت جان ثابت ہوا تو اسے ”ارذل العمر“ میں لگتی لا یعلم بعد علم شیناً\* کے نوشتہ تقدیر کا سامنا کرنا پڑا۔ تو کیا یہی ہے انسان کی اس ”انمول“ زندگی کی حقیقت؟ کیا اسی کے بل پر انسان اشرف المخلوقات بنا تھا؟ اور کیا اسی برتنے پر یہ مسجود ملائک ٹھہرا تھا؟ اور کیا: ”اک ذرا ہوش میں آنے کے خطا کار ہیں ہم؟“ — نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہیں! انسانی زندگی اتنی ارزاں کیونکر ہو سکتی ہے؟ انسانی زندگی فقط پیدا ہونے، کھانے پینے اور چند سال زندہ رہنے کے دورانیے تک ہرگز محدود نہیں ہو سکتی! بلکہ یہ اس تصور سے بہت اعلیٰ اور بہت بالا ایک ابدی حقیقت ہے۔ بقول اقبال:

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!

دراصل جس ”دورانیے“ کو یہ لوگ زندگی سمجھے بیٹھے ہیں وہ تو اصل زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ انسانی زندگی کا اصل اور بڑا حصہ تو وہ ہے جس کا آغاز انسان کی موت کے بعد ہونے والا ہے۔ اس دنیا کی زندگی تو انسان کے لیے محض ایک وقفہ امتحان ہے اور بس!

**آیت ۳۹ ﴿وَقَارُونُ وَفِرْعَوْنُ وَهَامَنْ﴾** ”اور (اسی طرح ہلاک کیا ہم نے) قارون، فرعون اور ہامان کو بھی۔“

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ”اور ان کے پاس آئے تھے موسیٰ واضح نشانیاں لے کر“  
﴿فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ﴾ ”تو انہوں نے زمین میں تکبر کیا، لیکن وہ ہماری پکڑ سے بچ کر نکل جانے والے نہیں تھے۔“

**آیت ۴۰ ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُبِهِ﴾** ”چنانچہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اُس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا۔“  
﴿فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا﴾ ”تو ان میں وہ بھی تھے جن پر ہم نے زوردار آندھی بھیجی۔“

☆ ”تا کہ کچھ بھی نہ جان سکے وہ جان لینے کے بعد!“ (النحل: ۷۰)



یہ آندھی قوم لوٹ پر بھی آئی تھی جوزلز لے سے تلپٹ ہو جانے والی بستیوں پر پتھراؤ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس سے پہلے قوم عاد پر بھی آندھی کا عذاب آیا تھا جس کا ذکر سورۃ الحاقہ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَأَمَّا عَادُ فَاهْلَكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۖ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ ۖ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ ۖ كَأَنَّهُمْ أُغِجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴾ ”اور قوم عاد کے لوگ ہلاک کیے گئے تیز آندھی سے جو ان پر مسلط کر دی گئی سات راتیں اور آٹھ دن تک برباد کر دینے کے لیے پس تو دیکھتا ان لوگوں کو جو گری ہوئی کھجوروں کے تنوں کی طرح کچھڑے پڑے تھے۔“ روایات میں آتا ہے کہ اس ہوا میں کنکر اور پتھر بھی تھے جو گولیوں اور میزائلوں کی طرح انہیں نشانہ بناتے تھے اور وہ آندھی اتنی زوردار تھی کہ انسانوں کو پٹخ پٹخ کر زمین پر پھیلتی تھی۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ﴾ ”اور ان میں وہ بھی تھے جنہیں چنگھاڑنے آپکڑا۔“

اس سے قوم ثمود کے لوگ اور اہل مدین مراد ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ﴾ ”اور ان میں وہ بھی تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔“ اس ضمن میں قارون کا ذکر سورۃ القصص میں گزر چکا ہے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَاهُ ۚ﴾ ”اور وہ بھی تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا۔“

غرق کیے جانے کا عذاب دو قوموں پر علیحدہ علیحدہ طریقے سے آیا تھا۔ قوم نوح کو تو ان کے گھروں اور شہروں میں ہی غرق کر دیا گیا تھا جبکہ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو محلوں اور آبادیوں سے نکال کر سمندر میں لے جا کر غرق کیا گیا۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝﴾ ”اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔“

**آیت ۲۱** ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ﴾ ”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا کچھ حمایتی بنا رکھے ہیں ایسی ہے جیسے مکڑی کی مثال جس نے ایک گھر بنایا۔“ اس تمثیل کے اعتبار سے یہ آیت سورت کے اس حصے کی بہت اہم آیت ہے۔ اس تمثیل میں اللہ کے سوا جن مددگاروں کا ذکر ہوا ہے وہ غیر مرنی بھی ہو سکتے ہیں جیسے کوئی کہے کہ مجھے فلاں دیوی کی کرپا چاہیے یا کوئی کسی ولی اللہ کی نظر کرم کے سہارے کی بات کرے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری و معنوی طاقت یا مادی وسائل کی بنیاد پر کوئی شخص کسی فرد قوم یا چیز پر ایسا بھروسہ کرے کہ وہ اللہ کے اختیار اور اس کی قدرت کو بھلا بیٹھے۔ جیسے ہم امریکہ کو اپنا پشت پناہ سمجھ کر اُس کی جھولی میں جا بیٹھتے ہیں۔ آیت زیر نظر میں ایسے تمام سہاروں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر یہ حقیقت یاد دلانی گئی ہے کہ اصل اختیار اور قدرت و طاقت کا مالک اللہ ہے۔ اس کے سہارے اور اس کے توکل کو چھوڑ کر کسی اور کا سہارا ڈھونڈنا گویا مکڑی کے گھر میں پناہ لینے کے مترادف ہے۔

﴿وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾ ”اور بے شک تمام گھروں

میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی ہی کا گھر ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!“

**آیت ۲۲** ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ ”یقیناً اللہ

خوب جانتا ہے جس چیز کو بھی یہ لوگ اُس کے سوا پکارتے ہیں۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا۔“

**آیت ۴۳** ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾﴾ ”اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے، لیکن انہیں نہیں سمجھتے مگر وہی لوگ جو علم والے ہیں۔“

**آیت ۴۴** ﴿خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾﴾ ”اللہ نے تخلیق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ یقیناً اس میں عظیم نشانی ہے ایمان والوں کے لیے۔“

## آیات ۴۵ تا ۶۹

الجزء الحادی والعشرون (۲۱)

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَالْهَنَا وَالْهَكْمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ۝ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُهُ بِيَمِينِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۖ وَلِيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۖ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِنِّي أَفْعَلُ مَا أُبَدُّونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۖ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَكَآيِنٌ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تُحْمِلُ رِزْقَهَا ۚ اللَّهُ يَرْزُقُهَا إِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَٰكِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ



وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَاَلَمْ يُفَكِّرُونَ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۝ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۝ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ ۝ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ ۝ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۝ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۝ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۝ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۝ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْحَسَنِينَ ۝

اب یہاں سے اس سورت کا آخری حصہ شروع ہو رہا ہے جو تین رکوعات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ آغاز میں بتایا گیا ہے سورت کے اس حصے میں دو مضامین (مشرکین مکہ اور اہل ایمان سے خطاب) اس انداز میں متوازی چل رہے ہیں جیسے ایک رسی کی دو لڑیاں آپس میں گندھی ہوئی ہوں۔ قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں پہلے بھی کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ مدنی سورتوں میں اہل ایمان سے خطاب کے لیے عام طور پر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا صیغہ آیا ہے جبکہ مکی سورتوں میں اہل ایمان کو براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے عموماً رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ البتہ اس سورت کی آیت ۵۶ میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں مسلمانوں سے براہ راست خطاب بھی ہے۔ بہر حال آئندہ آیات میں اہل ایمان سے خطاب کے دوران ان لوگوں کو بہت اہم ہدایات دی گئی ہیں جو غلبہ دین کی جدوجہد میں مصروف ہوں اور اس راستے میں مصائب و مشکلات کا سامنا کر رہے ہوں۔ ان ہدایات کی تعداد دس کے قریب ہے جن میں سے پہلی اور سو ہدایات کے برابر ایک ہدایت یہ ہے:

**آیت ۲۵** ﴿اٰتِلْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ”تلاوت کرتے رہا کریں اُس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے“

سورۃ الکہف کی آیت ۲۷ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے: ﴿وَاٰتِلْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے۔“

تقرب الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں اہل ایمان کو قرآن سے چمٹ جانے کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ”اور مضبوطی سے تھام لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو!“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث اس مضمون کو مزید واضح کرتی ہے:



((كِتَابُ اللَّهِ هُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَمْدُودُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ))<sup>(۱)</sup>

”کتاب اللہ ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔“

حضور ﷺ کے اس فرمان کے مطابق قرآن ہی ”حبل اللہ“ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت میں مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کی تعلیم و تفہیم میں مشغول رہنے سے بندہ مؤمن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اللہ پر اس کے یقین اور توکل کی کیفیت میں پختگی آتی ہے۔ اسی سے ایک بندہ مؤمن کو صبر و استقامت کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو باطل کے مقابلے میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے۔“ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی ہدایت یہی دی گئی ہے کہ قرآن کی تلاوت کو اپنے شبانہ روز کے معمول میں شامل رکھو! اس سے تمہارا تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا اور پھر اسی تعلق کے سہارے حق و باطل کی کشاکش میں تمہیں استقامت نصیب ہوگی۔

﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ﴾ ”اور نماز قائم کریں!“

اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر پہلی وحی میں ہی اس کی تاکید کر دی گئی تھی: ﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طہ) ”اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔“  
﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ”یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے“

﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ ”اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔“

یہ گویا اوپر دی گئی پہلی ہدایت کے بارے میں مزید وضاحت ہے۔ تلاوتِ قرآن اور نماز دونوں اللہ کے ذکر ہی کے ذرائع ہیں بلکہ قرآن کو تو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں ”الذکر“ کا نام دیا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ”یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“ جب کہ سورہ طہ کی مذکورہ بالا آیت (آیت ۱۴) میں قیامِ نماز کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نماز اللہ کے ذکر کے لیے قائم کرو۔ اس کے علاوہ ادعیہ ماثورہ بھی اللہ کے ذکر کا ذریعہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں ہر عمل اور ہر موقع کی دعا سکھائی ہے۔ مثلاً گھر سے نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، بیت الخلاء میں جانے کی دعا، باہر آنے کی دعا، شیشہ دیکھنے کی دعا، کپڑے بدلنے کی دعا۔ یعنی ان دعاؤں کو زندگی کا معمول بنا لینے سے ہر لمحہ ہر قدم اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے ذہن اور دل کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ فرض نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ (۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر) اور دوسرے اذکار کا بھی احادیث میں ذکر ملتا ہے۔ گویا یہ سب اللہ کے ذکر کی مختلف شکلیں ہیں، لیکن سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ ذکر قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

اے مسلمانو! یہ یقین اپنے دلوں میں پختہ کر لو کہ اللہ تمہاری ہر حرکت، ہر عمل بلکہ تمہارے خیالات اور تمہاری نیتوں تک سے باخبر ہے — اس کے بعد دوسری ہدایت:

**آیت ۲۶** ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”اور اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر بہترین طریقے سے“

ان کو دعوت دیتے ہوئے اچھے طریقے سے ان سے گفتگو کرو۔ تمہاری گفتگو میں نہ تو ان کی توہین کا انداز ہو اور نہ ہی ان کی عصبيت جاہلی کو بھڑکنے کا موقع ملتا ہو۔ بہر حال اپنا پیغام احسن طریقے سے ان تک پہنچا دو۔ اس کے بعد وہ اپنے نظریے اور عمل کے لیے اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہیں۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ ”سوائے اُن کے جو اُن میں سے نا انصافی پر تِل جاتیں“

اس استثناء کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں غیر منصفانہ طرز عمل دکھانے والے افراد سے مجادلہ کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ دورانِ گفتگو ایسے لوگوں کی ہٹ دھرمی کے سبب ان کے ساتھ کسی حد تک سخت رویہ اختیار کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بہر حال اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو اس کے ساتھ بحث و تمحیص میں یہ دونوں صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس کا غیر منصفانہ رویہ دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ کچھ سخت جملوں کے تبادلے کی نوبت بھی آ سکتی ہے اور اس کے بعد مزید گفتگو کرنے سے اعراض بھی برتا جاسکتا ہے۔

﴿وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ ”اور (ان سے) کہیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس پر بھی جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ لوگوں پر نازل کیا گیا“

﴿وَالْهِنَا وَالْهَكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ ”اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے سامنے سر جھکا چکے ہیں۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے۔“

﴿فَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَوْمُنُونَ بِهِ﴾ ”تو جن لوگوں کو ہم نے (اس سے پہلے) کتاب دی تھی وہ بھی اس پر ایمان لائیں گے۔“

یعنی یہود و نصاریٰ میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہوئے اس پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں حبشہ سے مکہ آنے والے ان مسلمانوں کا ذکر پڑھ چکے ہیں جو پہلے عیسائی تھے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ سے حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے ہاں دوہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

﴿وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ﴾ ”اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی بہت سے لوگ اس پر ایمان

لارہے ہیں۔“

﴿وَمَا يَجْعَلُ بَايِتَنَا إِلَّا الْكُفْرُ ۚ﴾ اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے سوائے اُن لوگوں

کے جو کفر پراڑ گئے ہیں۔“

یہاں سے آگے اب دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے جس میں روئے سخن مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہاں نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ایک اور دلیل بیان کی جا رہی ہے۔ سورت کے اس حصے میں ساتھ ساتھ چلنے والے دو موضوعات کو قبل ازیں رسی کی دو ڈوریوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یوں سمجھیں کہ اب کچھ دیر کے لیے دوسری ڈوری نمایاں ہو رہی ہے۔

آیت ۲۸ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَأَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾

”اور (اے نبی ﷺ!) آپ تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے (اگر ایسا ہوتا) تب تو یہ جھٹلانے والے ضرور شک کرتے۔“

قرآن نازل ہونے سے پہلے تو آپ ﷺ ان لوگوں کو کوئی کتاب پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور نہ ہی آپ کوئی کتاب خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے بلکہ دُنیوی اعتبار سے تو آپ نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ ہی آپ نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ ہاں اگر ایسا ہوتا تو قرآن کو باطل قرار دینے والوں کے لیے اس کے بارے میں شک کی کچھ گنجائش پیدا ہو سکتی تھی کہ جی ہاں! یہ حضرت تو پرانے لکھاری ہیں، روز روز کی مشق سے قلم میں زور اور تحریر میں نکھار آتا گیا اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے قرآن جیسا بلند پایہ کلام لکھنا شروع کر دیا ہے۔

آیت ۲۹ ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے۔“

سابقہ الہامی کتابوں کا علم رکھنے والے لوگ قرآن کی آیات بینات کو خوب پہچانتے ہیں۔

﴿وَمَا يَجْعَلُ بَايِتَنَا إِلَّا الظُّلْمُونَ﴾ اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو

ظالم ہیں۔“

آیت ۵۰ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں نازل کی گئیں ان

پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے؟“

مشرکین مکہ آئے دن یہ مطالبہ دہراتے رہتے تھے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بھی ان کا یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ آپ کہیے کہ نشانیاں (نازل کرنے کے اختیارات) تو اللہ ہی

کے پاس ہیں۔“

﴿وَأِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ اور میں تو صرف واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“

آیت ۵۱ ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ کیا ان کے لیے یہ (نشانی) کافی



نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے!“  
اگر یہ معجزہ کے منتظر ہیں تو انہیں قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ کیوں نظر نہیں آتا؟ کیا ہم نے انہیں بار بار چیلنج نہیں کیا کہ اس جیسا کلام تم لوگ بھی بنا کر دکھاؤ؟ اور کیا یہ لوگ اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہیں؟ اگر کوئی شخص واقعی حق اور ہدایت کا طالب ہو تو اس کے لیے یہی ایک معجزہ کافی ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ﴿۵۱﴾ ”یقیناً اس میں رحمت اور یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

**آیت ۵۲** ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے بطور گواہ۔“

وہ خوب جانتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے قرآن جیسا بصیرت افروز معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔“  
﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ﴿۵۲﴾ ”اور وہ لوگ جو باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا کفر کرتے ہیں یقیناً وہی خسارہ پانے والے ہیں۔“

**آیت ۵۳** ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْ لَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَ هُمُ الْعَذَابِ﴾ ”یہ لوگ جلدی مچار ہے ہیں عذاب کی۔ اور اگر (پہلے سے) ایک وقت معین طے نہ ہو چکا ہوتا تو ضرور ان پر عذاب آچکا ہوتا۔“  
﴿وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ﴿۵۳﴾ ”اور وہ ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔“

**آیت ۵۴** ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ ”یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچار ہے ہیں۔“  
یہ جملہ پھر سے دہرایا گیا ہے یہ بہت لطیف انداز ہے۔

﴿وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ﴾ ﴿۵۴﴾ ”حالانکہ جہنم ان کافروں کا گھیراؤ کر چکی ہے۔“  
جہنم کی آگ ایک غیر مرنی چیز ہے اس لیے انہیں یہ نظر نہیں آرہی لیکن حقیقت میں یہ انہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مخالف فوج کسی شہر کی فسیل کے قریب پہنچ کر شہر کا محاصرہ بھی کر لے لیکن شہر کے باسیوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔

**آیت ۵۵** ﴿يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ ”جس دن عذاب ڈھانپ لے گا انہیں اوپر سے بھی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی“

﴿وَيَقُوْلُ ذُوْ قُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ﴿۵۵﴾ ”اور کہا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اپنے کرتوتوں کا۔“  
اب اگلی آیت میں خطاب کا رخ پھر اہل ایمان کی طرف پھیرا جا رہا ہے اور راہ حق کے مجاہدین کو تیسری

ہدایت دی جا رہی ہے۔ (پہلی ہدایت آیت ۴۵ میں جبکہ دوسری ۴۶ میں دی جا چکی ہے۔)

**آیت ۵۶** ﴿لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ۝۵۶﴾ ”اے میرے وہ بندو جو

ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے پس عبادت تم میری ہی کرو۔“

قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں ایک نکتہ جو پہلے کئی بار دہرایا جا چکا ہے یہاں پھر ذہن میں تازہ کر لیں کہ مکی دور میں اہل ایمان سے براہ راست بہت کم خطاب کیا گیا ہے زیادہ تر انہیں نبی مکرم ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا گیا ہے جبکہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کی اصطلاح صرف مدنی قرآن میں ملتی ہے۔

یہاں پر یَعْبَادِي کے طرزِ خطاب میں بہت شفقت اور عنایت کا اظہار پایا جاتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر مجھ پر ایمان لانے کی پاداش میں مکہ کی سرزمین میں تمہارا قافیہ تنگ کر دیا گیا ہے تمہارے لیے اگر یہاں رہنا محال ہو گیا ہے اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید ہمت تم لوگوں میں نہیں رہی تو اپنے اس شہر کو چھوڑ دو کہیں اور چلے جاؤ میری زمین بہت وسیع ہے۔ اس آیت میں ہجرت کی طرف راہنمائی ہے اور ہجرت حبشہ اسی حکم کی روشنی میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اب اگلی آیت میں چوتھی ہدایت کا ذکر ہے:

**آیت ۵۷** ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝۵۷﴾ ”ہر جان موت کا مزہ اچکھنے والی ہے

پھر تم ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔“

دیکھو! موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ اس دنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ہمیشہ رہے گا۔ فرض کرو اگر یاسر اور ان کی اہلیہ سمیہ رضی اللہ عنہما ابو جہل کے ہاتھوں شہید نہ بھی ہوتے تو کیا ہوتا؟ بس یہی ناکہ چند برس اور جی لیتے۔ موت تو پھر بھی انہیں آنی ہی تھی۔ راہِ حق کے مسافروں کے لیے یہ بہت قیمتی نصیحت ہے۔ اگر یہ اہل حقیقت انسان کے دل و دماغ میں مستحضر رہے تو انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں بھی اس کی ہمت قائم رہتی ہے اور وہ زندگی بچانے کے لیے حق کا ساتھ چھوڑنے اور باطل کے ساتھ مصالحت کر لینے کی سوچ جیسے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اب پانچویں نصیحت:

**آیت ۵۸** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا﴾ ”اور جو لوگ ایمان

لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کیے ہم انہیں ضرور جگہ دیں گے جنت کے بالا خانوں میں“

اے میرے بندو! اگر تم نے میرے لیے اپنی جان جو حکم میں ڈالی ہے تو میرے اس وعدے پر بھی پختہ یقین رکھو کہ میں نے تمہارے لیے جنت اور اس کی بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ تمہارے اعمال کے بدلے میں تم لوگوں کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دی جائے گی جہاں تم رنگارنگ کی نعمتوں کے درمیان عیش کی زندگی بسر کرو گے۔ جنت کے بالا خانوں کا ذکر سورۃ الفرقان کی اس آیت میں بھی ہوا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرَفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝۵۹﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں بالا خانے ملیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا اس میں دعاؤں اور سلام کے ساتھ۔“

﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۝۶۰﴾ ”جس کے نیچے ندیاں بہتی

ہوں گی اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہوگا عمل کرنے والوں کا!“  
اس کے بعد چھٹی ہدایت:

**آیت ۵۹** ﴿الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“

اگر تم لوگوں نے اپنے لیے حق کے راستے کا انتخاب کیا ہے تو اس پر چلتے ہوئے باطل سے بچہ آزمائی کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا اور قدم قدم پر مصائب و مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ اس سب کچھ کے مقابلے میں تمہارے پاس دو انتہائی موثر ہتھیار ہمہ وقت موجود دستیاب رہنے چاہئیں، یعنی صبر اور توکل علی اللہ! بس اس راستے میں جو مشکل اور جو مصیبت بھی آئے اسے جھیلنے اور برداشت کرنے کا عزم اپنے اندر ہر دم تازہ اور بلند رکھو اور بھروسہ رکھو تو صرف اللہ کی ذات پر! اس کٹھن سفر میں نہ تو تم مادی اسباب و وسائل پر نظر رکھو اور نہ ہی اپنی ذہانت و فطانت اور قوت و شجاعت کو لائق اعتناء سمجھو! — اب ساتویں نصیحت ملاحظہ ہو:

**آیت ۶۰** ﴿وَكَايْنٍ مِّنْ ذَا بَئٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۝﴾ ”اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔“  
تمہارے رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ خود ہے لہذا اس کے لیے تم اللہ پر توکل کرو اور اُس کے سوا کسی اور کی طرف مت دیکھو۔ دنیا میں کبھی کسی کے بارے میں ایسا مت سوچو کہ وہ ناراض ہو گیا تو تمہاری ضروریات کا کیا بنے گا۔☆

متی کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جو وعظ (پہاڑی کا وعظ) نقل ہوا ہے اس میں یہ مضمون بڑے خوبصورت انداز میں بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاٹتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا

☆ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرِزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا))

(سنن الترمذی، ابواب الزہد، باب فی التوکل علی اللہ)

”اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ اُس پر توکل کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ (اپنے گھونسلوں سے) نکلتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔“



ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملتس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقاد و تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں <sup>☆</sup> رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔“ (متی، باب ۶: ۲۵-۳۴ بحوالہ تدبر قرآن، جلد پنجم، ص ۶۰)

اس ضمن میں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ توکل اور ایمان ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کسی شخص کا اللہ پر ایمان جس قدر پختہ ہوگا، اسی قدر اس کا اُس پر توکل بھی مضبوط ہوگا اور اگر ایمان کمزور ہوگا تو پھر توکل بھی کمزور پڑ جائے گا۔ ﴿اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ﴿۶۰﴾ ”اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور وہ تم لوگوں کو بھی دے گا“ اور یقیناً وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وہ ہر حاجت مند کی التجا کو سنتا ہے اسے ہر ایک کی ضرورت کا علم ہے وہ اپنے ہر بندے کے حالات سے باخبر رہتا ہے کیا اسے خبر نہ ہوگی کہ میرا فلاں بندہ اس وقت بھوکا ہے؟ کیا اسے معلوم نہ ہوگا کہ میرا فلاں وفادار تمام اسباب کو ٹھکرا کر مجھ پر توکل کیے بیٹھا ہے؟ بلاشبہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے کس محتاج کی حاجت روائی کا کیا بندوبست کرنا ہے اور کس بندے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسے وسیلہ بنانا ہے۔ اب آئندہ آیات میں خطاب کا رخ پھر مشرکین مکہ کی طرف ہے۔

**آیت ۶۱** ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!“

﴿فَأَنّٰی يُؤْفَكُونَ﴾ ﴿۶۱﴾ ”تو پھر یہ لوگ کہاں سے لوٹا دیے جاتے ہیں!“

**آیت ۶۲** ﴿اللَّهُ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ﴾ ”اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اسے نپاٹتا دیتا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ﴿۶۲﴾ ”یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“

**آیت ۶۳** ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے برسایا آسمان سے پانی، پس اس سے زندہ کر دیا زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!“

☆ ’غیر قوموں‘ سے حضرت مسیح ﷺ کا فرق قوموں کو مراد لیتے ہیں۔ یہ قدیم صحیفوں کی ایک معروف اصطلاح ہے۔

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ کل شکر اور کل حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔“

اب اگلی آیت میں اہل ایمان کے لیے ایک اور ہدایت آرہی ہے:

**آیت ۶۲** ﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌ وَلَعِبٌ﴾ ”اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں۔“

دیکھو مسلمانو! یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل جیسی ہے۔ اس کی حیثیت تمہارے ایک سٹیج ڈرامے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جس طرح ڈرامے کا بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں اور سٹیج پر فقیر کا کردار ادا کرنے والا شخص سچ سچ کا فقیر نہیں اسی طرح تمہاری اس زندگی کے تمام کردار بھی حقیقی نہیں۔ حقیقی کردار تو اس سٹیج سے باہر جا کر (موت کے بعد) سامنے آئیں گے۔ عین ممکن ہے یہاں کے شہنشاہ کو وہاں مجرم کی حیثیت میں اٹھایا جائے اور جو شخص یہاں زندگی بھر لوگوں کا معتب و مغضوب رہا وہاں اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا جائے۔ چنانچہ تم خاطر جمع رکھو! نہ تو یہاں کا عیش اصل عیش ہے اور نہ آج کے مصائب حقیقی مصائب ہیں۔ یہ سب کچھ وقتی عارضی اور فانی ہے۔

﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور آخرت کا گھر ہی یقیناً اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!“

اس مضمون کا مفہوم اپنے دل میں اتارنے کے لیے آخری جملے کو اپنے اوپر طاری کر کے یوں کہیں: کاش کہ ہمیں معلوم ہوتا! یہاں یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجیے کہ بعث بعد الموت کا صرف مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں ایسے پختہ یقین کی ضرورت ہے جس کے تحت انسان کے دل کی گہرائیوں میں یہ حقیقت واقعی جاگزیں ہو جائے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ آخرت کی زندگی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے میں نے اکثر مواقع پر ایک کتاب کی تشبیہ بیان کی ہے جس کے آغاز میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک ضمیمہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ہم دنیا دار یہی سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی اصل کتاب ہے جبکہ آخرت کی زندگی اس کتاب کا ضمیمہ ہے جبکہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی محض ایک دیباچہ ہے اس کتاب کا جو موت کے بعد کھلنے والی ہے بلکہ اگر نسبت تناسب کے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تشبیہ بھی درست قرار نہیں پاتی۔ درحقیقت دنیا کی زندگی محدود ہے جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود ہے اور حق یہ ہے کہ محدود اور لامحدود میں باہم کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بہر حال ہمیں اپنے محدود ذہن کو سمجھانے کے لیے اس مثال کا سہارا لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد اب خطاب کا رخ پھر مشرکینِ مکہ کی طرف مڑ گیا ہے۔

**آیت ۶۵** ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ ”سو جب یہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔“

یہ مضمون قرآن میں کئی بار آچکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ ”پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو ج بھی وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔“

آیت ۶۶ ﴿لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ﴾ ”تا کہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے انہیں عطا کر رکھی ہیں۔“

﴿وَلِيَتَمَتَّعُوا﴾ ”اور تاکہ مزے اڑالیں“ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“  
اس دنیا میں تو یہ لوگ اللہ کی نافرمانیاں بھی کر رہے ہیں اور مزے بھی اڑا رہے ہیں، لیکن عنقریب جب آنکھ بند ہوگی تو اصل حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی:

یہی اسلوب اور انداز ہمیں ”سورة التكاثر“ میں بھی نظر آتا ہے: ﴿الْهَلْكُمْ التَّكَاثُرُ ① حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ④﴾ ”تم لوگوں کو غافل رکھا باہم کثرت کی خواہش نے یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔“

آیت ۶۷ ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّمَّا﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے“  
یہاں مخاطب اہل ایمان ہیں لیکن بات مشرکین مکہ کی ہو رہی ہے۔

﴿وَيَتَخَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ ”اور لوگ اُچک لیے جاتے ہیں ان کے ارد گرد سے۔“  
اللہ نے حدودِ حرم کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے جس کی برکات سے یہ لوگ مسلسل مستفیض ہو رہے ہیں جبکہ باقی پورے عرب میں امن و امان نام کی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔

﴿أَفِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ﴾ ”تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں!“

آیت ۶۸ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا جس نے حق کو جھٹلادیا جب وہ اس کے پاس آیا!“  
کوئی چیز خود گھڑ کر اللہ سے منسوب کرنا اور حق کو پہچان کر جھٹلادینا دونوں برابر کے جرم ہیں۔ گویا یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اے گروہ مشرکین! دیکھو! اگر میں یہ کلام خود گھڑ کر اسے اللہ سے منسوب کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں (معاذ اللہ!) اور اگر یہ واقعاً اللہ کا کلام ہے اور اسے میں نے تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اس کے بعد تم لوگ اس کی تکذیب کر رہے ہو تو پھر تم سے بڑا ظالم کوئی اور نہیں ہے۔

﴿الْأَنسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ﴾ ”تو کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے ان کافروں کا!“  
اب آخری آیت میں بڑے تاکیدِ انداز میں پھر سے اہل ایمان کی دلجوئی فرمائی گئی ہے:



**آیت ۶۹** ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ ”اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔“

جو لوگ ہمارے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور ہماری راہ میں جہاد کر رہے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ ہم انہیں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے، ہم انہیں اپنے راستوں کی بصیرت عطا فرمائیں گے۔ یہ ان سے ہمارا پختہ وعدہ ہے۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے اور ان کا ایمان ”احسان“ کے درجے تک پہنچ چکا ہے پھر اللہ کی راہ میں وہ اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار بھی رہتے ہیں اللہ کبھی انہیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تائید و نصرت ہر وقت ان کے ساتھ رہے گی۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰

# سُورَةُ الرُّومِ

## تمہیدی کلمات

سورة الروم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی دو بڑی سلطنتوں یعنی ایرانی سلطنت اور سلطنتِ روما کی باہمی چپقلش کے ذکر سے ہوا ہے اور اسی حوالے سے ابتدائی آیات میں ایک بہت بڑی پیشین گوئی کا ذکر بھی ہے۔ اس موضوع اور اس سے متعلق پیشین گوئی کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔ ایرانی سلطنت کی بنیاد آج سے کوئی ڈھائی ہزار سال قبل ایران کے عظیم بادشاہ کے خسرو (Cyrus) نے رکھی تھی جسے ”ذوالقرنین“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف سلطنتِ روما نے بھی صدیوں سے خود کو ایک بہت بڑی طاقت کے طور پر منوار کھا تھا۔ سلطنتِ روما کا بڑا حصہ تو یورپ کے علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ترکی کا پورا علاقہ اور شام سمیت مغربی بحرِ روم (Mediterranean Sea) کے ساحلی علاقے بھی اس کے قبضے میں تھے۔ مذہب کے اعتبار سے رومی عیسائی تھے (۳۰۰ عیسوی میں پوری رومی سلطنت نے عیسائیت قبول کر لی تھی) جبکہ ایرانی آتش پرست تھے۔ ان دونوں عالمی طاقتوں کے درمیان طاقت کے توازن میں کچھلی ایک صدی سے جھولے (sea saw) کی سی کیفیت تھی۔ جب کبھی ایرانیوں میں کوئی باصلاحیت حکمران برسرِ اقتدار آتا تو وہ رومیوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیتا اور اسی طرح جب رومیوں کے کسی طاقتور بادشاہ کو موقع ملتا تو وہ ایرانیوں سے بہت سے علاقے خالی کر لیتا۔

حضور ﷺ کی ولادت (۵۷۱ء) کے زمانے میں دونوں طاقتوں کی روایتی کشمکش جاری تھی۔ ۶۰۲ء میں اس کشمکش نے باقاعدہ ایک جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۱ برس تھی۔ یہ جنگ بالآخر ۶۱۴ء میں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز (کے خسرو ثانی) کے ہاتھوں رومیوں کی بدترین شکست پر ختم ہوئی۔ اس جنگ میں رومی سلطنت کو ترکی کے اہم شہروں سمیت اپنے بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ان کے مقدس شہر ایلیا (یہ یروشلم ہی کا دوسرا نام ہے۔ یروشلم ۷۰ عیسوی میں بالکل تباہ ہو گیا تھا) بعد میں رومی شہنشاہ ہیڈریان کے دور میں اسے ایلیا کے نام سے از سر نو آباد کیا گیا) کو بھی ایرانیوں نے تباہ و برباد کر دیا اور وہاں پر نصب مقدس صلیب بھی ان کے قبضے میں چلی گئی۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہی صلیب تھی جس پر حضرت مسیح ﷺ کو مصلوب کیا گیا تھا۔

رومیوں کی اس شکست کے وقت مکہ میں حضور ﷺ کی دعوت شروع ہوئے تقریباً پانچ برس ہو چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اہل ایمان کے ساتھ مشرکین کی زیادتیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور مقامی آبادی واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ میں مشرکین مکہ کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں

اس لیے کہ وہ ایرانیوں کو آتش پرست (مشرک) ہونے کی وجہ سے اپنا ہم مذہب خیال کرتے تھے۔ دوسری طرف رومی چونکہ اہل کتاب تھے اس لیے مسلمان فطری طور ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے اور وہ ان کی شکست پر دل گرفتہ بھی تھے۔ ان حالات میں مشرکین مکہ رومیوں کی شکست پر بغلیں بجا رہے تھے اور دن رات اس پروپیگنڈا میں مصروف تھے کہ جس طرح آج آتش پرست ایرانیوں کے ہاتھوں پیغمبروں اور الہامی کتابوں کے ماننے والوں کو شکست ہوئی ہے کل اسی طرح ہم بت پرستی کے علمبردار بھی مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں گے۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی تھی اور ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی عیسائی سلطنت میں (جو سلطنت روم کی حلیف تھی) پناہ لینا پڑی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس کی ابتدائی آیات میں واضح پیشین گوئی کی گئی کہ قریب کی سرزمین میں اس وقت واقعی رومی شکست کھا چکے ہیں، مگر چند ہی سال میں یہ صورت تبدیل ہو جائے گی اور وہ پھر سے ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ بظاہر چونکہ یہ بالکل اُنہونی بات تھی اس لیے مشرکین مکہ نے اسے بھی تضحیک کا نشانہ بنایا۔ وہ اس پیشین گوئی کو اکثر موضوع گفتگو بنا کر مسلمانوں کو زچ کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مشرک اُبی بن خلف نے اس حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرط لگائی کہ اگر قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا، ورنہ دس اونٹ تم کو دینا ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو چونکہ اس وقت تک شرط وغیرہ کی حرمت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے اس کی اجازت دے دی، لیکن چونکہ لفظ ”بضع“ (چند) کا اطلاق گنتی کے اعتبار سے تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے اس لیے آپ نے پیشین گوئی پورا ہونے کی مدت تین سال سے بڑھا کر نو سال جبکہ اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سو اونٹوں پر شرط پکی کر دی۔ ٹھیک نو سال بعد جب یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی تو اُبی بن خلف کے وارثوں کو سو اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے پڑے۔ اس وقت تک جوئے کی حرمت کی آیات نازل ہو چکی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اونٹ صدقہ کر دیے جائیں۔

دوسری طرف روم کا ہرقل اعظم (Heraclius) اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مسلسل منصوبہ بندی میں مصروف رہا۔ آٹھ سال بعد (۶۲۲ء) میں جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے (ہرقل نے حالات کو سازگار سمجھتے ہوئے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ خفیہ طور پر ایک لمبا چکر کاٹ کر بحیرہ کیسپین (Caspian Sea) کی طرف سے ایرانیوں کی پشت پر زوردار حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے لیے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ چنانچہ وہ اس کی تاب نہ لا سکے۔ نتیجتاً انہیں اس معرکے میں ذلت آمیز شکست ہوئی اور ہرقل ان سے اپنے مقبوضہ علاقے واکزار کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی سال اللہ کی مدد سے بدر میں مسلمانوں کو بھی فتح (الفرقان) نصیب ہوئی اور اس طرح ان آیات کی دونوں پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہو گئیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱۰ تا ۱۰

الْمَ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِيْ اَدْنٰى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِيْبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بَضْعِ  
سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۝ وَيَوْمَئِذٍ يَفْقَرُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يَنْصُرُ اللّٰهُ ۝ يَنْصُرُ  
مَنْ يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ ۝ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا  
يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اَوَلَمْ  
يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ ۝ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاجَلٍ  
مُّسَمًّى ۝ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ  
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارًا فِي الْاَرْضِ  
وَعَمْرُوْهَا اَكْثَرُ مِّمَّا عَمُرُوْهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنٰتِ ۝ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيْظْلِمَهُمْ  
وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ اَسَءُوْا السُّوْاى اَنْ كَذَّبُوْا  
بِآيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

ع

آیت ۱ ﴿الْمَ ۝﴾ ”الف‘ لام‘ میم“

آیت ۳۲ ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ ۝﴾ ”غُلِبَتِ الرُّومُ ۝“ ”رومی  
مغلوب ہو گئے“ قریب کی سرزمین میں۔ اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔“  
نقشے میں دیکھیں تو جزیرہ نمائے عرب کے اوپر شمال کی سمت میں شام ہے جبکہ شام کے ساتھ ہی نیچے عراق  
اور پھر عراق کے ساتھ مشرق کی سمت میں ایران واقع ہے۔ چنانچہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر واقع ان علاقوں  
کو قریب کی سرزمین کہا گیا ہے جہاں ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان مذکورہ جنگ جاری تھی۔

آیت ۴ ﴿فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۝﴾ ”چند سالوں میں“

عربی میں لفظ ”بَضْع“ کا اطلاق گنتی کے اعتبار سے تین سے نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ اسی لیے  
حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نو سال کی مدت تک شرط طے کرنے کا فرمایا تھا۔ واضح رہے کہ ان آیات کے  
نزول کے وقت تک شرط یا جوئے کی حرمت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۝﴾ ”اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔“

اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہوگا جو بعد میں ہوگا۔ فرماں روائی تو ہر حال میں  
اللہ ہی کی ہے۔ پہلے جسے فتح نصیب ہوئی اُسے بھی اللہ نے فتح دی اور بعد میں جو فتح پائے گا وہ بھی اللہ ہی کے حکم

سے پائے گا۔

﴿وَيَوْمَئِذٍ يُفْرِحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اور اُس دن اہل ایمان خوشیاں منا رہے ہوں گے۔“  
اس وقت اہل ایمان کو ایک خوشی تو آتش پرستوں پر اہل کتاب (عیسائیوں) کی فتح پر ہوگی اور اس کے علاوہ:  
**آیت ۵** ﴿بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”(وہ خوش ہوں گے) اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اور وہ زبردست بہت رحم فرمانے والا ہے۔“

یہاں اگرچہ ذکر نہیں کیا گیا لیکن اس سے غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد سے انہیں عنقریب حاصل ہونے والی تھی۔

**آیت ۶** ﴿وَعَدَ اللَّهُ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“

یہ وہ چھ آیات ہیں جن میں رومیوں کے دوبارہ غلبے اور اہل ایمان کی مشرکین مکہ پر فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ یہ آیات تقریباً ۶۱۴ء میں نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء میں ہوا تھا۔ چنانچہ ان آیات کے نزول کے وقت آپ کی دعوت کو پانچ برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اس کے ٹھیک نو (۹) برس بعد اس پیشین گوئی کے عین مطابق رومی بھی ایرانیوں پر غالب آگئے اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کو بھی اللہ کی مدد سے فتح نصیب ہوئی۔

**آیت ۷** ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”یہ لوگ دنیا کی زندگی کے بھی صرف ظاہر کو جانتے ہیں۔“  
یہاں سے موضوع ”التذکیر بالآلاء اللہ“ (اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے نصیحت اور یاد دہانی) کی طرف موڑا جا رہا ہے اور اس مضمون کے اعتبار سے سورۃ الروم اور سورۃ النحل میں بہت گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔

﴿وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ﴾ ”اور وہ آخرت سے بالکل ہی غافل ہیں۔“  
یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے، لیکن یہ لوگ دنیا کی اس حقیقت کو بالکل فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ انہیں یاد ہی نہیں کہ آج وہ یہاں جو بوئیں گے کل آخرت میں وہی کچھ انہیں کاٹنا ہوگا۔ ان کے سامنے دُنیوی زندگی کا صرف یہی پہلو رہ گیا ہے کہ کھاؤ پیو اور عیش کرو جبکہ آخرت کی زندگی کا تصور ان کے ذہنوں سے بالکل ہی اوجھل ہو گیا ہے۔

**آیت ۸** ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ ”کیا یہ لوگ اپنی ذات میں غور نہیں کرتے؟“  
﴿مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک وقت معین تک کے لیے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات ایک مقصد کے تحت پیدا کی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اقرار ہر وہ شخص کرتا ہے جو چشم بصیرت سے کائنات کا نظام دیکھتا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹۱ میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جب وہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ ”اے ہمارے پروردگار! (ہم سمجھ گئے ہیں کہ) تو نے یہ سب

کچھ عبت پیدا نہیں فرمایا۔“

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ۝۸﴾ ”اور یقیناً بہت سے لوگ اپنے رب سے

ملاقات کے منکر ہیں۔“

آیت ۹ ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ﴾ ”کیا یہ لوگ

زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!“

﴿كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ﴾ ”وہ قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے“

﴿وَأَثَارُوا الْأَرْضِ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا ۖ﴾ ”اور انہوں نے زمین کو کاشت کیا اور

اسے آباد کیا اس سے کہیں بڑھ کر جو (آج) انہوں نے آباد کیا“

﴿وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ﴾ ”اور ان کے پاس بھی ان کے رسول آئے تھے کھلی نشانیاں

لے کر۔“

﴿فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۹﴾ ”سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا

نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔“

آیت ۱۰ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَءُوا السُّوْءَ ۖ﴾ ”پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے بُری روش

اختیار کی بہت بُرا ہوا“

﴿أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ۝۱۰﴾ ”اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو

جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔“

## آیات ۱۱ تا ۱۹

اللَّهُ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ

الْمُجْرِمُونَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاؤُا وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ

تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِدُ يُتَفَرَّقُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ

يُحْبَرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ

مُحْضَرُونَ ۝ فَسُبْحَنَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝

آیت ۱۱ ﴿اللَّهُ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ ”اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے“



یہ الفاظ قرآن حکیم میں بار بار آئے ہیں۔ یُعِيدُهُ فعل مضارع ہے اور اس لحاظ سے اس میں حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اگر اس کا ترجمہ فعل حال میں کیا جائے تو دنیا میں مخلوقات کی بار بار پیدائش (reproduction) مراد ہوگی، جیسے ایک فصل بار بار کٹتی ہے اور بار بار پیدا ہوتی ہے جبکہ فعل مستقبل کے ترجمے کی صورت میں اس کا مفہوم عالم آخرت میں انسانوں کے دوبارہ جی اٹھنے تک وسیع ہو جائے گا۔

﴿ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۱۱﴾ ”پھر اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔“

آیت ۱۲ ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝۱۲﴾ ”اور جس دن قیامت قائم ہو جائے گی تو مجرم اُس دن مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔“

آیت ۱۳ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝۱۳﴾ ”اور نہیں ہوں گے ان کے شریکوں میں سے کوئی بھی ان کے لیے سفارش کرنے والے اور وہ خود بھی اپنے شریکوں کا انکار کرنے والے ہوں گے۔“

جب وہ دیکھیں گے کہ جن سے انہوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کر رہے تو وہ ان کے منکر ہو جائیں گے۔

آیت ۱۴ ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِرُونَ ۝۱۴﴾ ”اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔“

بنی نوع انسان کی یہ تقسیم (polarization) کس بنیاد پر ہوگی؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝۱۵﴾ ”تو جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تھے وہ ایک باغ میں مسرور کیے جائیں گے۔“

آیت ۱۶ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ۝۱۶﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا تو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔“

آیت ۱۷ ﴿فَسُبْحَنَّ اللَّهَ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝۱۷﴾ ”تو تم تسبیح کرو اللہ کی جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔“

آیت ۱۸ ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝۱۸﴾ ”اور اُسی کے لیے حمد ہے آسمانوں اور زمین میں اور رات کو اور جب تم ظہر کرتے ہو۔“

ان دونوں آیات میں صبح، شام، رات اور دن ڈھلنے کے اوقات کا ذکر کر کے پانچوں نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت ۱۹ ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے“

مثلاً انڈے میں بظاہر زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے، لیکن اس میں سے اللہ کی قدرت سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ”اور (اسی طرح) وہ نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے“  
مثلاً مرغی جاندار ہے اور اس سے انڈا برآمد ہوتا ہے جو بظاہر بے جان ہے۔ اسی طرح زندہ سے مُردہ اور مُردہ سے زندہ برآمد ہونے کی بہت سی مثالیں ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔  
﴿وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝۱۹﴾ ”اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔ اور اسی طرح تمہیں بھی نکال لیا جائے گا۔“  
جس طرح اللہ تعالیٰ بظاہر مردہ زمین سے فصلیں اور دوسرے نباتات نکالتا ہے اسی طرح وہ تمہیں بھی اس میں سے نکال کر حاضر کر لے گا چاہے تمہارے اجزاء تحلیل ہو کر کسی بھی شکل میں ہوں اور کہیں بھی ہوں۔

## آیات ۲۰ تا ۲۷

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوُاْنِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُجِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ ۚ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۝ وَلَهُ مَن فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلُّ لَّهُ قَانُونٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۲۷

آئندہ آیات کا اسلوب اور انداز بہت منفرد ہے۔ ان میں اللہ کی خَلْق کی علامات اور اس کی رحمت کے مظاہر کا ذکر تکرار کے ساتھ اس طرح ہوا ہے کہ ہر آیت کے آغاز میں وَمِنْ آيَاتِهِ اور آخر میں إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ قبل ازیں اس سے ملتا جلتا انداز ہم سورۃ النمل اور سورۃ الشعراء میں بھی دیکھ آئے ہیں۔ سورۃ النمل کے پانچویں رکوع میں بھی آفاقی و انفسی آیات الہیہ کا ذکر اسی طرح تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے اور ہر آیت کے آخر میں ءَالَهُ مَعَ اللّٰهِ کے الفاظ آئے ہیں۔ جبکہ سورۃ الشعراء میں ایک تسلسل کے ساتھ عبرت انگیز تاریخی حقائق و بصائر کا ذکر ہوا ہے اور ہر واقعہ کے آخر میں إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ کے الفاظ کی تکرار ہے۔

**آیت ۲۰** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن گئے (زمین میں) پھیلے ہوئے۔“

**آیت ۲۱** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا ۝﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے پیدا کیے تمہارے لیے تمہاری نوع میں سے جوڑے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو“

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۝﴾ ”اور اُس نے تمہارے مابین محبت اور رحمت پیدا کر دی۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کریں۔“

**آیت ۲۲** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۝﴾ ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق“

﴿وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوُأْنِكُمْ ۝﴾ ”اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا فرق۔“

پوری دنیا کے انسانوں کے درمیان بولی جانے والی طرح طرح کی زبانوں کے اندر پایا جانے والا تنوع بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اسی طرح مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے مختلف رنگ بھی اُس کی صناعی اور خَلْق کے مظاہر کی مثالیں ہیں کہ کس طرح ایک ہی نسل سے تعلق کے باوجود کوئی زرد رو ہے تو کوئی سرخ رو کوئی سفید فام ہے تو کوئی سیاہ فام۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَلَمِينَ ۝﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“

**آیت ۲۳** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۝﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اُس کے فضل کو تلاش کرنا۔“

تمہارا رات کے وقت سونا دوپہر کے وقت قیلولہ کرنا اور پھر آرام کے ان اوقات کے علاوہ معاشی دوڑ دھوپ میں سرگرم عمل رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ۝﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔“

یہ سب نشانیاں یقیناً ان لوگوں کے لیے ہیں جو انسانی کانوں یعنی دل کے کانوں سے سنتے ہیں نہ کہ محض حیوانی کانوں سے۔

**آیت ۲۴** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا ۝﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے خوف اور اُمید کے ساتھ“

آسمانوں میں بادلوں کا چھانا اور بجلی کا چمکنا بھی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے جس میں لوگوں کو بجلی کے گرنے اور طوفان وغیرہ کا خوف بھی ہوتا ہے جبکہ باران رحمت کے برسنے کی امید بھی۔



﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ”اور وہ برساتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔“  
 ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ قائم ہیں آسمان و زمین اُس کے حکم سے۔“

ہماری زمین سورج، نظام شمسی اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں اور سیاروں کا ایک عظیم الشان اور لامتناہی نظام بھی اس کی قدرت کے مظاہر میں سے ہے۔ آج کا انسان جانتا ہے کہ اس نظام کے اندر ایسے ایسے ستارے بھی ہیں جن کے مقابلے میں ہمارے سورج کی جسامت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ اتنے بڑے بڑے اجرام سماویہ اللہ ہی کے حکم سے اپنے اپنے مدار پر قائم ہیں اور یوں اس کی مشیت سے کائنات کا یہ مجموعی نظام چل رہا ہے۔

﴿ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ ۖ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ﴾ ”پھر جب وہ تمہیں پکارے گا ایک ہی بار زمین سے (نکلنے کے لیے) تو تم دفعۃً نکل پڑو گے۔“  
 قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کی شان ”کُنْ فَيَكُونُ“ کا ظہور ہوگا اور اس کے ایک ہی حکم سے پوری نسل انسانی زمین سے باہر نکل کر اس کے حضور حاضر ہو جائے گی۔

**آیت ۲۶** ﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلُّ لَّهُ قٰنِیْنٌ﴾ ”اور اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ سب اُسی کے حکم کے تابع فرمان ہیں۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ وَهُوَ اَھْوَنُ عَلَیْهِ﴾ ”اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور وہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔“

یہ بعث بعد الموت کے بارے میں عقلی دلیل ہے جو قرآن میں متعدد بار دہرائی گئی ہے۔ معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس دلیل کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی کام کا پہلی دفعہ کرنا دوسری دفعہ کرنے کے مقابلے میں نسبتاً مشکل ہوتا ہے اور جب کسی کام کو ایک دفعہ سرانجام دے دیا جائے اور اس سے متعلق تمام مشکلات کا حل ڈھونڈ لیا جائے تو اسی کام کو دوسری مرتبہ کرنا نسبتاً بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اہل عرب جو قرآن کے مخاطب اول تھے وہ اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کا خالق اور اس پوری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔ ان کے اس عقیدے کا ذکر قرآن میں بہت تکرار سے ملتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَیَقُولُنَّ اللّٰهُ﴾ (لقمن: ۲۵) ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!“ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں ان لوگوں کو خالص منطقی اور عقلی سطح پر یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ جس اللہ کے بارے میں تم مانتے ہو کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے اور خود تمہارا بھی خالق ہے اس کے بارے میں تمہارے

لیے یہ ماننا کیوں مشکل ہو رہا ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کرے گا؟ جس اللہ نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ آخر دوسری مرتبہ ایسا کیوں نہیں کر سکے گا؟ جبکہ کسی بھی چیز کو دوسری مرتبہ بنانا پہلے کی نسبت کہیں آسان ہوتا ہے۔

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۷۲﴾ ”اور اُس کی شان

بہت بلند ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ بہت زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے لیے ”مثال“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن مثل یا مثال کا جو مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہے اُس کا اللہ کے بارے میں تصور کرنا مناسب اور موزوں نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ”مثال“ کا ترجمہ ”شان“ یا ”صفت“ سے کیا جائے کہ اس کی شان بہت اعلیٰ اور بلند ہے یا اُس کی صفت سب سے برتر ہے۔

## آیات ۲۸ تا ۴۰

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيمَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝۷۳ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ۝۷۴ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۖ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلٰكِن أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۷۵ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِعَابًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۚ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ عَوَّارَهُمْ مِّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۚ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ فَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ أَمْ أَنْزَلْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۚ وَإِذَا آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۚ أَوْ لَمْ يَدْرُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝۷۶ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرِينَ وَالْبَنِي السَّبِيلَ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۷۷ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِّن رِّبَا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِّن زَكَاةٍ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْبٰضِعُونَ ۝۷۸ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝۷۹

**آیت ۲۸** ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ ”وہ تمہارے لیے خود تمہارے اندر سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔“

﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيْ مَا رَزَقْنَكُمْ فَأَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ﴾ ”بھلا وہ (غلام اور لونڈیاں) جو تمہاری ملکیت ہیں کیا ان میں سے کچھ شریک بن جاتے ہیں اُس مال و اسباب میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس طرح کہ (وہ اور) تم برابر ہو جاؤ؟“

ظاہر ہے کوئی آقا اپنے کسی غلام کو کبھی بھی اپنی ملکیت اور اپنی جائیداد میں اس طرح تصرف کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کا حق اور اختیار خود اس کے برابر ہو جائے۔ گویا یہ امر محال ہے۔

﴿تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ﴾ ”اور کیا تم ان کے بارے میں ایسے خدشات رکھتے ہو جیسے خدشات خود اپنے بارے میں رکھتے ہو؟“

یعنی کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جیسے خدشات اور اندیشے تم اپنی ذات اور اپنے مال و اسباب کے بارے میں رکھتے ہو ان لونڈی غلاموں کے بارے میں بھی تمہیں ایسے ہی اندیشے لاحق ہوئے ہوں؟ تم لوگ اپنے آپ اپنی اولاد اپنی ملکیت کے بارے میں تو ہر وقت متفکر رہتے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے ویسا نہ ہو جائے مگر کبھی تمہیں اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں بھی ایسی ہی سوچوں نے پریشان کیا ہے؟

﴿كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔“

یعنی تم لوگ اگر کچھ بھی عقل رکھتے ہو تو تمہیں اس مثال سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ جب تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے برابر بٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تو پھر تم یہ کیسے سوچ لیتے ہو کہ اللہ اپنی مخلوق کو اپنے برابر کر لے گا؟ تم لوگ خود بھی تسلیم کرتے ہو کہ بڑا معبود اللہ ہی ہے اور تمہارے بنائے ہوئے شریک چھوٹے معبود ہیں تو تم چھوٹے معبودوں کے بارے میں کیسے گمان کر لیتے ہو کہ اللہ انہیں اپنے اختیارات کا مالک بنا دے گا اور ان کی سفارش اللہ کو مجبور کر دے گی؟ تمہارے یہ من گھڑت معبود چاہے ملائکہ میں سے ہوں یا انبیاء اور اولیاء اللہ میں سے وہ سب کے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور مخلوق میں سے یہ لوگ خالق کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

**آیت ۲۹** ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان ظالموں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے بغیر کسی علم کے۔“

﴿فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ ”تو اُس شخص کو کون ہدایت دے گا جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو!“

اگر کسی کی ہٹ دھرمی کی سزا کے طور پر اللہ ہی نے اس کی گمراہی پر مہر ثبت کر دی ہو تو وہ ہدایت کیسے پاسکتا ہے؟

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ﴾ ”اور اب ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔“



اگلی آیات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں دین کی بنیاد اور اصل روح بیان ہوئی ہے۔  
**آیت ۳۰** ﴿فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا﴾ ”پس تم قائم رکھو اپنے چہرے کو (اللہ کے) دین کے لیے یکسو ہو کر۔“

تم اپنے کردار میں ایسی توحیدی شان پیدا کرو کہ تمہارا ایک ایک عمل گویا اس دعوے کی گواہی بن جائے:  
 ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الانعام) ”آپ کہیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“ اور دنیا کے تمام جھمیلوں کو چھوڑ کر اپنی توجہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اس انداز سے مرکوز کرو کہ تمہاری زندگی کے شب و روز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان الفاظ کا رنگ جھلکتا نظر آئے: ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الانعام) ”میں نے تو اپنا رخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“  
 ﴿فَطَرَتِ اللَّهُ النَّاسَ عَلِيَّهَا﴾ ”اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔“

یہی فطرتِ سلیمہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کی ہے۔ نسلِ انسانی کا ہر بچہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کی اس فطرت پر کچھ اور رنگ چڑھا دیتے ہیں یا اس کے ماحول کی وجہ سے اس کا رخ کسی اور طرف مڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ)) (۱)

”ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔“

﴿لَا تَبْدِيلَ لَخَلْقِ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔“

یعنی اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے:  
 ”اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو تبدیل نہ کیا جائے۔“ یا ”اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس کو بگاڑنا اور مسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”یہی ہے سیدھا دین، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“

**آیت ۳۱** ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ”رجوع کرتے ہوئے اُسی کی طرف اور اُسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت ہونا۔“

یہاں مُنِيبِينَ إِلَيْهِ کے الفاظ میں گویا پچھلی آیت کے مضمون ﴿فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا﴾ کا ہی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قيل في اولاد المشركين۔ وصحيح مسلم، كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة.....

تسلسل ہے۔ پچھلی آیت میں صیغہ واحد میں حضور ﷺ سے خطاب تھا اور اب جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اس حکم میں اُمت کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ قرآن کے اس اسلوب کا قبل ازیں کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ نکی سورتوں میں اکثر مقامات پر حضور ﷺ سے صیغہ واحد کے پردے میں اصل خطاب اُمت سے ہی ہوتا ہے۔

**آیت ۳۲ ﴿مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا﴾** ”(یعنی) ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف گروہ بن گئے۔“

فَرَّقَ کے معنی جدا کرنا اور پھاڑ دینا کے ہیں جبکہ فَرَّقَ میں اس بنیادی معنی پر مستزاد کسی چیز کو کاٹ دینا، توڑ دینا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾ (آیت ۵۰) ”اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں بچا لیا اور فرعونوں کو غرق کر دیا۔“ اس طرح فوق یا فرقہ کے معنی کسی چیز کا کٹا ہوا حصہ یا ٹکڑا کے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی اس آیت میں ہے: ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ﴾ ”تو وہ (سمندر) پھٹ گیا، پھر ہو گیا ہر ٹکڑا ایک بہت بڑے پہاڑ کی مانند۔“

اس اعتبار سے دین کو پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے نام لیواؤں نے اپنی اطاعت کو اس طرح منتشر کر دیا کہ زندگی کے ایک حصے میں تو اللہ کی اطاعت کرتے رہے جبکہ کسی دوسرے معاملے میں کسی اور کی بات مانتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا نظام زندگی منتشر ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں اللہ کا حکم بہت واضح ہے: ﴿وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (الاعراف: ۲۹) ”اور اُسی کو پکارو دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔“ یعنی اللہ کی اطاعت کے متوازی کسی دوسرے کی اطاعت قابل قبول نہیں کہ کچھ احکام اللہ کے مان لیے جائیں اور کچھ میں کسی دوسرے کی پیروی کی جائے۔ ہاں اللہ کی اطاعت کے تابع رہ کر کسی اور کی اطاعت میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً والدین کی اطاعت کرنا، اساتذہ کا کہنا ماننا اور محکام کا فرمانبرداری بن کر رہنا ضروری ہے، مگر اُس وقت تک جب تک کہ ان میں سے کوئی اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے۔ اس سلسلے میں نبی مکرم ﷺ نے بہت واضح اصول بیان فرما دیا ہے: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))<sup>(۱)</sup> یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جائے گی جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ ”ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔“

ایک گروہ دین کے ایک حصے پر عمل کر رہا ہے دوسرے گروہ نے اپنی پسند کے کچھ اور احکام کو اپنی پیروی کے لیے منتخب کر لیا ہے اور تیسرے نے کوئی اور راستہ نکال لیا ہے۔ غرض مختلف گروہوں نے دین کے مختلف حصوں کو آپس میں بانٹ لیا ہے اور ہر گروہ اپنے طریقے میں مگن ہے اور اس پر اترارہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی گروہ بھی پورے دین پر عمل پیرا نہیں ہے۔

(۱) صحیح الجامع الصغیر و زیادته، ج: ۷۵۲۰۔ عن عمران بن الحصین ؓ۔ مشکاة المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی، عن النواس بن سمرعان ؓ۔

**آیت ۳۳** ﴿وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ﴾ ”اور جب انسانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی

ہے تو وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے“

﴿ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ﴾ ”پھر جب وہ انہیں اپنی

طرف سے رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ج بھی ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔“

**آیت ۳۴** ﴿لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ﴾ ”تا کہ ناشکری کریں اس کی جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کر کے عملی طور پر اس کی ناشکری کا ثبوت دیں۔

﴿فَتَمَتَّعُوا﴾ فسوف تعلمون ﴿۳۴﴾ ”تو ٹھیک ہے (چند روزہ زندگی کا) فائدہ اٹھاؤ پھر جلدی

ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔“

یہ وہی انداز ہے جو سورۃ التکاثر میں آیا ہے: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۳﴾ ”کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳﴾“

کہ تمہاری یہ زندگی چند روزہ ہے اس محدود مہلت میں تم اپنی من مانیوں کے مزے اڑالو۔ بالآخر تم نے ہمارے پاس ہی آنا ہے اور وہ وقت دور بھی نہیں۔ چنانچہ بہت جلد اصل حقائق تم پر منکشف ہو جائیں گے۔

**آیت ۳۵** ﴿أَمْ أَنْزَلْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ﴾ ”کیا ہم نے ان پر

کوئی ایسی سند اتاری ہے جو انہیں ان چیزوں کے متعلق بتا رہی ہے جن کو یہ شریک ٹھہرا رہے ہیں!“

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بارے میں کیا ان لوگوں کے پاس کسی آسمانی کتاب میں کوئی دلیل

موجود ہے جو اس شرک کی صداقت پر شہادت دیتی ہو جو یہ کر رہے ہیں؟ کیا ان پر ایسی کوئی ہدایت نازل ہوئی

ہے کہ فلاں شخصیت بھی اللہ کے برابر ہو سکتی ہے اور فلاں ہستی بھی اس کے اختیارات میں حصہ دار بن سکتی ہے؟

یہاں پر آسمانی سند یعنی الہامی کتاب کے بارے میں لفظ يتكلم آیا ہے یعنی کیا اللہ کی نازل کردہ کتاب ان سے

اس بارے میں گفتگو کرتی ہے؟ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں قرآن کے لیے جو لفظ ”گویا“ (گفتگو کرنے والا)

استعمال کیا ہے شاید اس کا تصور انہوں نے یہیں سے لیا ہو:۔

مثل حق پہاں وہم پیدا ست ایں زندہ و پائندہ و گویا ست ایں!

یعنی حق تعالیٰ کی مانند یہ کلام پوشیدہ بھی ہے ظاہر بھی ہے اور زندہ و پائندہ بھی۔ دوسری بہت سی صفات کے علاوہ

اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ کتاب اپنے پڑھنے والے کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہے اور اس سے گفتگو کرتی ہے۔

**آیت ۳۶** ﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا﴾ ”اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے

ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتے ہیں۔“

﴿وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾ ”اور اگر ان پر کوئی مصیبت

آ جاتی ہے ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب تو ج بھی وہ آس توڑ دیتے ہیں۔“



موافق حالات میں تو یہ لوگ اپنی کامیابیوں پر پھولے نہیں سماتے، لیکن اگر ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے سبب کبھی ان پر برا وقت آجاتا ہے تو مایوسی سے گویا ان کی کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے۔

**آیت ۳۷** ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور نپاٹتا دیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔“  
**﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾** ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

**آیت ۳۸** ﴿قَاتِلْ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ ”تو قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو۔“

**﴿ذَلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾** ”یہی بہتر روش ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

**آیت ۳۹** ﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رَّبٍّ لَّيْبُوا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”اور جو کچھ تم دیتے ہو سود پر تا کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں تو اللہ کے ہاں اس میں کوئی بڑھوتری نہیں ہوتی۔“

اس آیت کا حوالہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۷ کی تشریح کے ضمن میں بھی دیا گیا ہے۔ دراصل اپنے مستقبل کے لیے بچت کرنا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ پھر ہر شخص نہ صرف اپنی بچت کو سنبھال کر رکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بچائی ہوئی رقم وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی بھی رہے۔ قرآن اس بچت کو ”العفو“ یعنی قدر زائد (surplus value) قرار دے کر اسے انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں اللہ کے بینک میں جمع کرانے کی ترغیب دیتا ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوُ﴾ (البقرۃ: ۲۱۹) ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ (وہ سب خرچ کر دو) جو ضرورت سے زائد ہے!“

انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں ایسے مال سے محتاجوں اور ناداروں کی مدد بھی کی جاسکتی ہے اور اسے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے بھی کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کا کم تر درجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی شکل میں وقتی طور پر کسی ضرورت مند کی مدد کر دی جائے۔ بہر حال اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال اس کے ہاں محفوظ بھی رہے گا اور بڑھتا بھی رہے گا۔ یعنی آخرت میں اس کا اجر کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔

**﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْغِفُونَ﴾** ”اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اور اس سے) اللہ کی رضا چاہتے ہو تو یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے ہاں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔“

دنیا میں جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کی صورت میں اللہ کے راستے میں خرچ کر رہے ہیں انہیں آخرت میں اس کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا کر دیا جائے گا، بلکہ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے

اسے اور بھی زیادہ بڑھا دے گا۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں اجر موعود کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔ اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کا تقابل کر کے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کسی شخص کی بچت کا بہترین مصرف ہے۔ اس میں منافع (اجر و ثواب) بہت زیادہ بھی ہے اور دائمی بھی۔ دوسری طرف سود پر رقم دینا کسی بچت کا بدترین مصرف ہے جس میں ایک شخص بغیر کوئی محنت کیے اور بغیر کوئی خطرہ مول لیے ایک طے شدہ رقم باقاعدگی سے حاصل کرتا رہتا ہے جبکہ اس کی اصل رقم بھی محفوظ رہتی ہے۔ اس کے بارے میں یہاں فرمایا گیا کہ سود کی شکل میں سرمائے میں بظاہر جو اضافہ ہوتا نظر آتا ہے اللہ کی نظر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ صدقات اور سود کے تقابل کے حوالے سے دراصل یہاں دو متضاد ذہنیتوں کا تقابل بھی سامنے آتا ہے۔ ایک اس شخص کی ذہنیت ہے جو اپنے مال سے اللہ کی رضا کا متمنی ہے جبکہ دوسرا شخص اللہ کے احکام کی پروا کیے بغیر ہر قیمت پر اپنے سرمائے میں اضافہ چاہتا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بھی سمجھ لیں کہ ایک ایسا شخص جس کے پاس سرمایہ ہے مگر وہ خود محنت یا تجارت وغیرہ نہیں کر سکتا اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اس کے لیے شریعت اسلامی میں مضاربہ کا طریقہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی رقم کسی دوسرے شخص کو کاروبار وغیرہ کے لیے دے اور اس سے منافع وغیرہ کی شرائط طے کر لے۔ اب اگر اس کاروبار میں منافع ہوگا تو سرمایہ فراہم کرنے والا شخص اس میں سے شرائط کے مطابق اپنے حصے کا حق دار ہوگا لیکن نقصان کی صورت میں تمام نقصان اسے خود ہی برداشت کرنا ہوگا۔ عامل (محنت کرنے والا) اس نقصان میں حصہ دار نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں مزید تفصیل کے لیے فقہ کی کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

**آیت ۳۰ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾** ”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔“

**﴿هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾** ”کیا تمہارے شریکوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی بھی کام کرتا ہو؟“

اے گروہ مشرکین! کیا تمہارے لات، منات اور عزیٰ میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی ایک کام بھی سرانجام دینے کی قدرت رکھتا ہو؟ دراصل مشرکین مکہ خود ہی یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کا خالق اللہ ہے اور زندگی و موت کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لات و منات وغیرہ کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا: ﴿هُؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸) کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش سے آخرت میں وہ چھوٹ جائیں گے۔

**﴿سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾** ”وہ پاک ہے اور بہت بلند و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔“

## آیات ۴۱ تا ۵۳

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۖ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسٍ لَهُمْ يَهْدُونَهُ ۖ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٤﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَنْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٦﴾ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٧﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿٤٨﴾ فَانْظُرْ إِلَى اثْرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُغِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَجْمِ الْبُوتَى ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْبُوتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥١﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

ع ۱۳

آیت ۴۱ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ ”بحر و بر میں فساد رونما چکا ہے“ لوگوں کے اعمال کے سبب“

یہ آیت جس شان سے آج دنیا کے افق پر نمایاں ہوئی ہے شاید اپنے نزول کے وقت اس کی یہ کیفیت نہیں تھی۔ آج سے پندرہ سو سال پہلے نہ تو دنیا کی وسعت کے بارے میں لوگوں کو صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی ”فساد“ کی اقسام میں وہ تنوع سامنے آیا تھا جس کا نظارہ آج کی دنیا کر رہی ہے۔ آج پوری دنیا میں جس جس نوعیت کے فسادات رونما ہو رہے ہیں ان کی تفصیلات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ آج چونکہ پوری دنیا سمٹ کر ”گلوبل ویلج“ کی صورت اختیار کر چکی ہے اس لیے دنیا کے کسی بھی گوشے میں رونما ہونے والے ”فساد“ کے اثرات ہر انسان کو بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ان حالات میں آج اس آیت کا مفہوم واضح تر ہو کر دنیا کے سامنے آیا ہے۔



﴿لِيَذِقَهِمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا﴾ ”تاکہ وہ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا“

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ وہ انسانوں کے سب اعمال کی سزا دنیا میں نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو روئے زمین پر کوئی انسان بھی زندہ نہ بچے: ﴿وَلَوْ يُوَاحِدُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (فاطر: ۴۵) ”اور اگر اللہ گرفت کرے لوگوں کی ان کے اعمال کے سبب تو اس (زمین) کی پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑے، لیکن وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے ان کو ایک مقررہ مدت تک۔“ اس اصول کے تحت اگرچہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کی حد تک انسانوں کی زیادہ تر نافرمانیوں کو نظر انداز کر کے ان کی سزا کو مؤخر کرتا رہتا ہے لیکن بعض گناہوں یا جرائم کی گرفت وہ دنیا میں بھی کرتا ہے اور اس گرفت کا مقصد یہ ہوتا ہے:

﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (۴۴) ”تاکہ وہ لوٹ آئیں۔“

کہ شاید اس سے کچھ لوگوں کو ہوش آجائے اور وہ توبہ کر کے اپنی روش تبدیل کر لیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان جس ذلت و خواری کو اپنا مقدر سمجھے بیٹھے ہیں شاید ایسی کسی گرفت سے انہیں بھی غور کرنے کی توفیق مل جائے کہ:۔۔۔  
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں! (غالب)

شاید ایسی کسی ٹھوکر سے وہ جاگ جائیں اور انہیں اللہ کے اس وعدے پر غور و خوض کرنے کی فرصت میسر آجائے: ﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران) ”اور تم لوگ ہی سر بلند ہو گے اگر تم (حقیقی) مؤمن ہو گے۔“ اور اس طرح وہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ ان کے تمام مسائل کا سبب ایمان حقیقی کا فقدان ہے۔ اور شاید اس طرح انہیں قرآن سے براہ راست ہم کلام ہونے کا بھی موقع مل جائے اور خود قرآن انہیں ان کی ذلت و خواری کی وجہ بتا دے کہ تم اس حالت کو اس لیے پہنچے ہو کہ تم نے اپنے دین کے حصے بخرے کر دیے ہیں، تم دین کے صرف ان احکام پر عمل کرتے ہو جو تمہیں پسند ہیں اور جو احکام تمہاری نجی اور معاشرتی زندگی کے معمول سے مطابقت نہیں رکھتے انہیں نظر انداز کر دیتے ہو: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (البقرة) ”تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے؟ تو انہیں ہے کوئی سزا اس کی جو یہ حرکت کرے تم میں سے سوائے دنیا کی زندگی کی ذلت و رسوائی کے اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔“ چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں ہم میں سے ہر ایک کو اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ایک بڑے عذاب سے پہلے جو مہلت ہمیں دستیاب ہے اس سے فائدہ اٹھالیں اور توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں۔

یہاں پر زیر مطالعہ چار سورتوں (العنکبوت، الروم، لقمان اور السجدة) کے ذیلی گروپ کے بارے میں ایک اہم بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ مضامین کی خاص مشابہت کے اعتبار سے یہ سورتیں مزید دو جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ اس نقطہ نظر سے سورۃ العنکبوت کی مناسبت سورۃ لقمان کے ساتھ ہے جبکہ سورۃ الروم کے مضامین

سورۃ السجدۃ کے مضامین سے مطابقت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اس سورت کی یہ آیت (آیت ۳۱) اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ السجدۃ کی آیت ۲۱ کے ساتھ خصوصی مطابقت رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ سورۃ الروم کی ۶۰ آیات ہیں جبکہ سورۃ السجدۃ کی ۳۰ آیات ہیں۔ چنانچہ آیات کی تعداد کے لحاظ سے جو جگہ سورۃ الروم کی ساٹھ آیات کے اندر اس کی آیت ۲۱ کی ہے تقریباً وہی جگہ سورۃ السجدۃ کی تیس آیات کے اندر اس کی آیت ۲۱ کو حاصل ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں آیات کی باہمی مطابقت و مشابہت معنی خیز ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو (تم سے) پہلے تھے۔“  
 ﴿كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ﴾ ”ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔“

**آیت ۲۳** ﴿فَاقُمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ﴾ ”پس اپنے چہرے کو قائم رکھو دینِ قیّم کی طرف“  
 قبل ازیں آیت ۳۰ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے۔  
 ﴿مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ﴾ ”اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جسے اللہ کی طرف سے کوئی لوٹانے والا نہیں ہوگا“

﴿يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ﴾ ”جس دن یہ لوگ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔“  
 اس دن تمام نسل انسانی اپنے اپنے اعتقادات اور اعمال کے اعتبار سے مختلف گروہوں میں بٹ جائے گی۔ گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔

**آیت ۲۴** ﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ ”جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہوگا۔“  
 ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُمْ يَمْهَدُونَ﴾ ”اور جن لوگوں نے نیک اعمال کیے تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے سامان کرتے ہیں۔“

مَہَدَ يَمْهَدُ کے معنی ہیں: (زمین) ہموار کرنا، (بستر) بچھانا، ساز و سامان تیار کرنا یا کمائی کرنا۔ یعنی یہ لوگ اپنے لیے فلاح کا راستہ ہموار کر رہے ہیں یا جنت میں آرام کرنے کے لیے اپنا بستر بچھا رہے ہیں اور ساز و سامان تیار کر رہے ہیں۔

**آیت ۲۵** ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”تا کہ اللہ بدلہ دے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔“  
 ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ ”یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔“

**آیت ۲۶** ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ﴾ ”اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دینے والی بنا کر“  
 ﴿وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ﴾ ”اور تا کہ وہ تمہیں مزہ چکھائے اپنی رحمت کا“

تاکہ بارانِ رحمت برسا کر تمہیں اس کے ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرے۔  
 ﴿وَلِتَجْرِىَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور اس لیے بھی کہ  
 اُسی کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم (ان کشتیوں پر سوار ہو کر) اُس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا  
 شکر ادا کرو۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ﴾ اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی  
 ہم نے رسول بھیجے ان کی اپنی اپنی قوم کی طرف“  
 ﴿فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاَنْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا﴾ ”تو وہ ان کی طرف لے کر آئے واضح  
 نشانیاں پھر ہم نے انتقام لیا (ان میں سے) ان لوگوں سے جو مجرم تھے۔“

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔“  
 مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو سیلاب کی آفت سے بچالیا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے  
 ساتھی بھی تباہی سے محفوظ رہے اور اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے لوگ بھی اللہ کی مدد  
 سے عذاب کی زد میں آنے سے بچ گئے۔

**آیت ۲۸** ﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا﴾ ”اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ اٹھاتی  
 ہیں بادلوں کو“

﴿فَيَسْطِطُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ ”پھر وہ پھیلا دیتا ہے ان (بادلوں) کو فضا میں جیسے چاہتا ہے“  
 ﴿وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ﴾ ”اور انہیں کر دیتا ہے تہ برتہ پھر تم دیکھتے  
 ہو بارش کو کہ برستی ہے ان کے درمیان سے“  
 یہ مضمون قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔

﴿فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ ”پھر جب وہ برساتا ہے  
 اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے تو یکایک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“  
**آیت ۲۹** ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنَ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ﴾ ”اگرچہ اس سے پہلے کہ وہ  
 ان پر برستی وہ لوگ بالکل ناامید تھے۔“

جس انسانی نفسیاتی کیفیت کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے اس کا تجربہ مصنوعی آب پاشی کے علاقوں کے لوگوں کو  
 کم ہوتا ہے جبکہ بارانی علاقوں میں اس کے مظاہر اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اکثر اوقات جب کسانوں کی  
 مایوسی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اچانک موسم کروٹ لیتا ہے ہوائیں اپنا رخ بدلتی ہیں فضا میں گھٹائیں نمودار ہوتی  
 ہیں دیکھتے ہی دیکھتے خشک زمین سیراب ہو جاتی ہے اور کسان مزدور چرند پرند حشرات الارض وغیرہ سب نہال  
 ہو جاتے ہیں۔



**آیت ۵۰** ﴿فَانْظُرْ إِلَىٰ اثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ”تو دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف وہ کس طرح زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد!“

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”یقیناً وہی زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو بھی اور یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

**آیت ۵۱** ﴿وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ﴾ ”اور اگر ہم ایک ایسی ہوا بھیج دیں کہ (جس کے اثرات سے) وہ اسے زرد دیکھیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔“

اگر کسی جھکڑ وغیرہ سے کھیتی تباہ ہو جائے یا لو اور بادِ صحر کے اثرات سے اچھی بھلی فصل مرجھا جائے تو فوراً یہ لوگ اللہ کی ناشکری کا اظہار کرنے لگتے ہیں کہ ہماری قسمت تو ہمیشہ ہی پھوٹ جاتی ہے ہمیں تو کبھی بھی اچھے دن دیکھنے کو نہیں ملے ہمارے حصے میں تو کبھی کوئی خوشی آئی ہی نہیں۔

**آیت ۵۲** ﴿فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی آپ اپنی پکار بہروں کو سنا سکتے ہیں (خاص طور پر) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔“

اگر کوئی بہرا شخص آپ کے سامنے ہو تو پھر بھی امکان ہے کہ آپ اسے اشاروں کنایوں سے کسی حد تک اپنی بات سمجھالیں گے لیکن اگر وہ آپ سے منہ پھیر کر دوسری سمت چلا جا رہا ہو تو آپ کسی طور پر بھی اسے اپنا مدعا نہیں سمجھا سکتے۔ تو اے نبی ﷺ! ایک تو یہ لوگ سننے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور مزید یہ کہ وہ آپ کی بات سننا چاہتے بھی نہیں۔ چنانچہ ان تک آپ کی دعوت کے ابلاغ کا کوئی امکان نہیں۔

**آیت ۵۳** ﴿وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ﴾ ”اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (پھیر کر)۔“

ان دل کے اندھوں کو آپ گمراہی میں بھٹکنے سے نہیں بچا سکتے اور ان کو ضلالت سے نکال کر راہِ راست پر نہیں لاسکتے۔

﴿إِنْ تُسْمِعْ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ”آپ نہیں سنا سکتے مگر انہی کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہیں۔“

## آیات ۵۲ تا ۶۰

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْجَرْمُونَ ۚ مَا لَكُمْ غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مُعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ وَلَكِنْ جَسَّتْهُمُ بَآيَةٌ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝

**آیت ۵۴** ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ ”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزوری سے“

یعنی انسان کا بچہ اپنی پیدائش کے وقت بہت کمزور ہوتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً﴾ ”پھر اُس نے طاقت عطا کی کمزوری کے بعد“

پھر اللہ کی قدرت اور مشیت سے وہی ناتواں بچہ بڑا ہو کر کڑیل جوان بن جاتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾ ”پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔“

پھر رفتہ رفتہ انسان کی تمام صلاحیتیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں اور بڑھاپے میں ایک دفعہ پھر انسان کمزوری

اور بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ ”وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ سب کچھ

جاننے والا بہت قدرت والا ہے۔“

**آیت ۵۵** ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ ”اور جس دن قیامت

قائم ہوگی مجرمین قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔“

کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے۔

﴿كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ﴾ ”اسی طرح وہ (دنیا میں بھی) اُلٹے پھرائے جاتے رہے ہیں۔“

جس طرح وہ لوگ روز قیامت اپنی زندگی کے دورانیے کے بارے میں انتہائی غیر معقول بات کریں گے

بالکل ایسے ہی دنیا میں بھی ان کی سوچ اور فکر حقیقت سے بہت دور تھی۔

**آیت ۵۶** ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ﴾ ”اور

(اُس وقت) کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا کہ تم ٹھہرے ہو اللہ کے فیصلے کے مطابق

دوبارہ اٹھنے کے دن تک۔“

تب اہل علم اور صاحب ایمان لوگ انہیں بتائیں گے کہ اے بد بختو! تم جسے ایک گھڑی کہہ رہے ہو وہ

در اصل عالم برزخ کا طویل عرصہ تھا جو اللہ کے فیصلے کے مطابق تم پر گزرا۔ ظاہر ہے ایک شخص اگر آج سے پانچ

ہزار سال قبل فوت ہوا تھا تو آج تک وہ عالم برزخ میں ہی ہے اور نہ معلوم قیامت تک اور کتنا عرصہ وہ مزید وہاں

رہے گا۔ اور یوم بعث کب آئے گا؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ چنانچہ انہیں بتایا جائے گا کہ تم لوگ اللہ کے

حساب اور اس کے فیصلے کے مطابق یومِ بعثت تک وہاں رہے ہو۔

﴿فَهَذَا يَوْمُ الْبُعْثِ وَلِكِنِّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۵۶﴾ ”تو یہ ہے یومِ بعثت، لیکن تم لوگ تو علم ہی نہیں رکھتے تھے۔“

ابھی تمہاری آنکھ کھلی ہے تو تم یومِ بعثت کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو مگر دنیا میں تو تم لوگوں نے آخرت کی زندگی اور اس دن کے بارے میں کبھی غور کرنا پسند ہی نہیں کیا تھا۔

**آیت ۵۷** ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ﴾ ”تو آج کے دن کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی ظالم لوگوں کو ان کی معذرت“

جن لوگوں نے دنیا میں گناہ کی زندگی بسر کی اور ساری عمر ظلم و زیادتی کا رویہ اپنائے رکھا، قیامت کے دن ان کا معذرت کرنا، بہانے بنانا اور معافیاں مانگنا کام نہیں آئے گا۔

﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝۵۷﴾ ”اور نہ ہی انہیں توبہ کا موقع دیا جائے گا۔“

دنیا میں ہر شخص کے لیے موت کے آثار ظاہر ہونے تک (مَا لَمْ يُغْرَوْ غُرًّا) توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور جو لوگ اپنی دنیوی زندگی میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں، قیامت کے دن انہیں یہ موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

**آیت ۵۸** ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط﴾ ”اور ہم نے تو لوگوں کے لیے قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔“

ع ”اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں!“ کے مصداق قرآن میں اللہ کا پیغام ہر پہلو سے لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے اور ہر انداز سے حقیقت ان پر واضح کر دی گئی ہے۔

﴿وَلَكِنَّ جِنَّهُمْ بَايَةً لِّقَوْلِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸﴾ ”اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی بھی نشانی تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہ نہیں ہو تم لوگ مگر جھوٹ گھڑنے والے۔“

اگر آپ ان لوگوں کو کوئی معجزہ دکھا بھی دیں تو یہ اسے بھی جادو قرار دے کر الٹا آپ پر جھوٹ کا بہتان لگا دیں گے۔

**آیت ۵۹** ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۹﴾ ”اسی طرح اللہ مہر لگا دیا کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے۔“

**آیت ۶۰** ﴿فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ط﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے“ جیسا کہ قبل ازیں بار بار توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن میں بہت سے مقامات پر صیغہ واحد میں حضور ﷺ سے

خطاب کیا گیا ہے مگر دراصل آپ کی وساطت سے تمام اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ لوگ اللہ کے وعدے پر یقین رکھو اور ہر حال میں صبر و استقامت کا دامن تھامے رہو۔ اللہ کی مدد ضرور آئے گی اور بالآخر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ جہاں تک تمہارے موجودہ



حالات اور مصائب و مشکلات کا تعلق ہے تو یہ تمہارے امتحان کا حصہ ہیں: ﴿أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۖ﴾ (العنکبوت) ”کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟“ اس سلسلے میں ہمارا قانون بہت واضح ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ﴾ (البقرة: ۱۵۵) ”اور ہم ضرور آزمائیں گے تم لوگوں کو کسی قدر خوف، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصانات سے۔“ چنانچہ اے مسلمانو! ہمت سے کام لو ع ”ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!“ اگر تم لوگ ان امتحانات میں سرخرو ہو گئے تو اللہ کے وعدے کے مطابق کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

﴿وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۖ﴾ ”اور آپ کو ہرگز ہلکا نہ پائیں وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔“ اگرچہ یہ خطاب بھی صیغہ واحد میں حضور ﷺ سے ہے مگر یہاں بھی اہل ایمان کی تثبیت قلبی مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ایسا نہ ہو کہ مخالفین کے دباؤ کی وجہ سے تمہارے پاؤں میں لغزش آ جائے اور انہیں تمہارے بارے میں یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ یہ لوگ تو کمزور اور بودے ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ تم اپنے موقف پر کوہ ہمالیہ کی طرح ڈٹے رہو۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اس کے راستے میں اپنا تَن مَن اور دھن کھپانے کی حکمت عملی بدستور اپنائے رکھو۔ اللہ کی مدد اس راستے میں ضرور تمہارے شامل حال رہے گی اور اللہ تمام مشکلات کو دور کر کے تمہیں لازماً کامیاب کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۝

# سُورَةُ لُقْمٰن

## تمہیدی کلمات

سورۃ لقمان کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہیں۔ مشابہت کے ساتھ ساتھ دونوں سورتوں کی آیات میں لطیف فرق بھی ہے جس کے بارے میں مطالعہ کے دوران وضاحت کر دی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۱۱

الْمَّۙ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۙ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن یَشْتَرِی لَهْوَ الْحَدِیثِ لِیُضِلَّ عَن سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۙ وَیَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلٰی مُسْتَكْبِرًا ۙ كَاَن لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَن فِیْ اُذْنِیْهِ وَقْرًا ۙ فَنَسُوْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَزَآءٌ تَعْلِیْمٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۙ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۙ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا ۙ وَالْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَن تَمِیْدَ بِكُمۡ ۙ وَبَثَّ فِیْهَا مِنۢ كُلِّ دَآبَّةٍ ۙ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاکْتَبْنَا فِیْهَا مِنۢ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٌ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَارْوُوْا مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۙ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

آیت ۱ ﴿الْمَّۙ﴾ ”الف لام میم۔“

سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت بھی انہی تین حروف پر مشتمل ہے۔

آیت ۲ ﴿تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ﴾ ”یہ حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں۔“

سورۃ البقرۃ سے تقابل کریں تو وہاں آیت ۲ میں ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ کے الفاظ ہیں۔

آیت ۳ ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ﴾ ”ہدایت اور رحمت محسنین کے حق میں۔“

یعنی قرآن محسنین کے لیے سراسر ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ یاد رہے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲ میں اس کے

مقابل ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کے الفاظ ہیں کہ یہ ہدایت ہے اہل تقویٰ کے لیے۔ یہاں پر ایک تو ہدایت کے ساتھ لفظ ”رَحْمَةً“ کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کتاب سے استفادہ کے حوالے سے ”متقین“ کے بجائے ”محسنین“ کا ذکر ہے۔ محسنین دراصل متقین سے بلند تر درجے پر فائز وہ لوگ ہیں جن کا ایمان ترقی پاتے پاتے ”احسان“ کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ ”احسان“ قرآن کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اس کی وضاحت قبل ازیں سورۃ المائدہ کی اس آیت کے ضمن میں کی جا چکی ہے: ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور پھر تقویٰ میں بڑھیں اور ایمان لائیں پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور پھر درجہ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔ یہ اس درجہ بندی کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے پہلے اسلام اس کے بعد ایمان اور پھر اس کے اوپر احسان کا درجہ ہے۔ اسلام ایمان اور احسان کی یہ تین منازل ”حدیث جبریل“ میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ اللہ کے راستے کے مسافروں کی اعلیٰ ترین منزل ”احسان“ ہے۔

**آیت ۴ ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾** ”جو نماز قائم کرتے ہیں“

اب یہاں محسنین کے اوصاف کا ذکر ہے اور ان کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ ”اور زکوٰۃ دیتے ہیں“

ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے تزکیے کے لیے مسلسل کوشاں رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۳ میں اس حوالے سے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ کے الفاظ آئے ہیں جبکہ یہاں باقاعدہ ”زکوٰۃ“ کا لفظ آیا ہے۔

**﴿وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾** ”اور آخرت پر یہی لوگ پختہ یقین رکھتے ہیں۔“

”ایمان بالآخرۃ“ کی اہمیت کے پیش نظر اس کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہاں ”یقین“ کا ذکر ہوا ہے۔ دراصل آخرت کا عقیدہ وہ عامل (factor) ہے جو انسان کے عمل اور کردار پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اس ضمن میں ایک بندہ مسلمان سے یقین والے ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔

**آیت ۵ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾** ”یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

یہاں اس سورت کی پانچویں آیت بعینہ وہی ہے جو سورۃ البقرہ کی پانچویں آیت ہے۔

**آیت ۶ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا﴾** ”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کھیل تماشے کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ گمراہ کریں (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بغیر علم کے اور اس کو ہنسی بنا لیں۔“

یہاں خصوصی طور پر نضر بن حارث کے کردار کی طرف اشارہ ہے جو روسائے قریش میں سے تھا۔ دراصل



نزولِ قرآن کے وقت عرب کے معاشرہ میں شعر و شاعری کا بہت چرچا تھا۔ ان کے عوام تک میں شعر کا ذوق پایا جاتا تھا اور اچھی شاعری اور اچھے شاعروں کی ہر کوئی قدر کرتا تھا۔ ایسے ماحول میں قرآن کریم جیسے کلام نے گویا اچانک کھلبلی مچا دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ اس کلام کے گرویدہ ہونے لگے تھے اس کی فصاحت و بلاغت انہیں مسحور کیے دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ جو شخص قرآن کو ایک بار سن لیتا وہ اسے بار بار سننا چاہتا۔ یہ صورت حال مشرکین کے لیے بہت تشویش ناک تھی۔ وہ ہر قیمت پر لوگوں کو اس کلام سے دور رکھنا چاہتے تھے اور دن رات اس کی اس ”قوتِ تسخیر“ کا توڑ ڈھونڈنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ نضر بن حارث نے اپنے فہم کے مطابق اس کا حل یہ ڈھونڈا کہ وہ شام سے ناچ گانے والی ایک خوبصورت لونڈی خرید لایا اور اس کی مدد سے مکہ میں اس نے راتوں کو ناچ گانے کی محفلیں منعقد کرانا شروع کر دیں۔ بظاہر یہ ترکیب بہت کامیاب اور موثر تھی کہ لوگ ساری ساری رات ناچ گانے سے لطف اندوز ہوں اس کے بعد دن کے بیشتر اوقات میں وہ سوتے رہیں اور اس طرح انہیں قرآن سننے یا اپنے اور اپنی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی کبھی فرصت ہی میسر نہ آئے۔

یہاں ضمنی طور پر اس صورت حال کا تقابل آج کے اپنے معاشرے سے بھی کر لیں۔ مکہ میں تو ایک نضر بن حارث تھا جس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا، لیکن آج ہمارے ہاں سپورٹس میچز، میوزیکل کنسرٹس (concerts) اور بے ہودہ فلموں کی صورت میں لہو و لعب اور فحاشی و عریانی کا سیلاب بلا گھر گھر میں داخل ہو چکا ہے جو پورے معاشرے کو اپنی رو میں بہائے چلا جا رہا ہے۔ فحاشی و عریانی کے تعفن کا یہ زہر ہمارے نوجوانوں کی رگوں میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ بحیثیت مجموعی ان کے قلوب و اذہان میں موت یا آخرت کی فکر سے متعلق کوئی ترجیح کہیں نظر ہی نہیں آتی۔ ان میں سے کسی کو (الا ماشاء اللہ) اب یہ سوچنے کی فرصت ہی میسر نہیں کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس طرف جا رہا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد و مال کیا ہے؟ اس کے ملک کے حالات کس رخ پر جا رہے ہیں اور اس ملک کا مستقبل کیا ہے؟ اس سب کچھ کے مقابلے میں ذہنِ اقبال کے ابلیس کی سوچ تو گویا بالکل ہی بے ضرر تھی جس نے بقولِ اقبال مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے کارندوں کو یہ سبق پڑھایا تھا:۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے پختہ تر کرد و مزاج خانقاہی میں اسے!

گویا اُس دور میں ابلیس کو معلوم تھا کہ مسلمان کسی قیمت پر بھی ”عریاں الحاذ“ کے جال میں پھنسنے والا نہیں۔ اس لیے وہ کھل کر سامنے آنے کی بجائے ”مزاج خانقاہی“ کا سہارا لے کر مسلمانوں کو ”شرع پیغمبر“ سے برگشتہ کرنے کا سوچتا تھا۔ مگر آج صورت حال یکسر مختلف ہے۔ آج ابلیس کی ”جد و جہد“ کی کرامت سے ”نوجواں مسلم“ اس قدر ”جدت پسند“ ہو چکا ہے کہ فحاشی و عریانی کے مظاہر کو وہ جدید فیشن اور نئی ترقی کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میڈیا کے سٹیج پر ابلیسیست کوئی بہروپ بدلنے کا تکلف کیے بغیر اپنی اصل شکل میں برہنہ محوِ رقص ہے اور ہماری نئی نسل کے نوجوان بغیر کسی تردد کے اپنی تمام ترجیحات کو بالائے طاق رکھ کر اس تماشہ کو دیکھنے میں رات دن لگن ہیں۔ گویا یہی ان کی زندگی ہے اور یہی زندگی کا مقصد و مال!

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۶﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔“

**آیت ۷** ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا﴾ ”جب اسے سنائی جاتی ہیں ہماری آیات تو وہ پیٹھ موڑ کر چل دیتا ہے استکبار کرتے ہوئے“

﴿كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا﴾ ”جیسے کہ اُس نے انہیں سنا ہی نہیں، گویا اُس کے کانوں میں بوجھ ہے۔“

گویا وہ بہرا ہے اور جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے سنایا ہے اس نے وہ سنا ہی نہیں۔  
**﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾** ”تو (اے نبی ﷺ) آپ اس شخص کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔“  
 تاویل خاص کے اعتبار سے دونوں آیات مذکورہ شخص نصر بن حارث کے بارے میں ہیں اور ان میں عذاب کے حوالے سے اسی کا ذکر ہے۔

**آیت ۸** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے نعمتوں بھرے باغات ہیں۔“

**آیت ۹** ﴿خَالِدِينَ فِيهَا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو سچا ہے۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا۔“

**آیت ۱۰** ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ”اُس نے آسمانوں کو تخلیق کیا بغیر ایسے ستونوں کے کہ جنہیں تم دیکھ سکو“

﴿وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ﴾ ”اور اُس نے زمین میں لنگر ڈال دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ایک طرف لڑھک نہ جائے“

یعنی زمین کا توازن (isostasy) برقرار رکھنے کے لیے اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔

﴿وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ﴾ ”اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیے۔“

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ﴾ ”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اُگائے اس میں ہر طرح کے (نباتات کے) خوبصورت جوڑے۔“

آج کی سائنس ”نباتات کے جوڑوں“ کی بہتر طور پر تشریح کر سکتی ہے۔ بہر حال دوسرے جانداروں کی طرح پودوں اور نباتات میں بھی نر اور مادہ کا نظام کارفرما ہے اور ان کے ہاں باقاعدہ خاندانوں اور قبیلوں کی پہچان اور تقسیم بھی پائی جاتی ہے۔

**آیت ۱۱** ﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ ”یہ تو ہے اللہ کی تخلیق، اب تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے جو اُس کے سوا (تمہارے معبود) ہیں!“

قرآن میں مشرکین کے اس عقیدے کا بار بار ذکر ہوا ہے کہ وہ اللہ کو اس کائنات اور اس میں موجود

ہر شے کا خالق مانتے تھے۔ چنانچہ یہاں ان سے یہ سوال ان کے اسی عقیدے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔  
 ﴿بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾ ”بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔“  
 دراصل اس دلیل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ عقیدے کے اعتبار سے اگرچہ وہ لوگ اپنے چھوٹے  
 معبودوں کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے تھے لیکن وہ گمراہی میں اتنے دور جا چکے تھے کہ ایسی باتوں کی طرف کبھی  
 متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔

## آیات ۱۲ تا ۱۹

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۖ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ  
 اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝۱۲ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنَىٰ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ  
 لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝۱۳ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصْلُہُ فِي  
 عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَى الْمَصِيرِ ۝۱۴ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا  
 لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَآتِ بِمَا سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ  
 إِلَيَّ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۵ لِيُبْنَىٰ إِلَٰهًا إِنْ تَكُ مُثْقَلًا حَبَّةً مِّنْ  
 خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمُوتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ  
 خَبِيرٌ ۝۱۶ لِيُبْنَىٰ أَقِيمِ الصَّلَاةَ وَامْرُءًا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنَّمَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصِدٌ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ  
 إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ  
 اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْصِضْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ  
 الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۱۹

ع

سورہ لقمان کا یہ رکوع اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اسے ہم نے  
 مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ منتخب نصاب کے پہلے حصے (جامع اسباق) کا  
 تیسرا درس اس رکوع پر مشتمل ہے۔

بنیادی طور پر اس رکوع میں حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان نصیحتوں میں اس قدر جامعیت ہے  
 کہ انسان کی نجاتِ اخروی کے لوازمات کا ایک مکمل خاکہ ان کے اندر موجود ہے۔ حضرت لقمان نہ تو خود نبی تھے  
 اور نہ ہی کسی نبی کے پیروکار تھے بلکہ وہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان تھے۔ ان کے حوالے سے جو بہت  
 اہم نکتہ یہاں پر واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے (اس دورہ ترجمہ قرآن کے دوران قبل ازیں بھی یہ نکتہ بار بار زیر بحث  
 آچکا ہے) کہ ہر انسان فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اور اگر ماحول کے منفی اثرات کے باعث اس کی فطرت مسخ نہ  
 ہوگئی ہو تو وحی یا کسی نبی کی راہنمائی کے بغیر بھی کائنات کے کچھ حقائق تک اُس کی رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی



عقل سلیم کے ذریعے بڑی آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق ایک ہے اس کی تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔ وہ ایسی ہستی ہے جو تمام صفات کمال سے تمام و کمال متصف ہے۔ اُسی نے اس کائنات کی تدبیر کی ہے اور وہی اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

اسی طرح ایک سلیم الفطرت انسان عقلی طور پر یہ حقیقت بھی سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف اس دنیا کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے بعد ایک دوسری زندگی کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ اور یہ کہ جس خالق نے انسانوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کا محاسبہ بھی کرے گا۔ ہر انسان کو اپنے کیے کی سزایا جزا کے لیے اپنے خالق کے حضور ضرور حاضر ہونا پڑے گا۔ ان حقائق کے ادراک کو ”ایمان“ تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن معرفت یا حکمت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ”ایمان“ تو نبی کی دعوت کی تصدیق کا نام ہے جس تک انسان خود بخود رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ معرفت اور حکمت کے یہ دو مقامات (وجودِ باری تعالیٰ کا ادراک اور آخرت کا شعور) ایسے ہیں جن تک انسان اپنی عقل سلیم کی مدد سے بھی پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ اس کی فطرت پر غفلت اور مادیت کے پردے نہ پڑ چکے ہوں۔

ایک سلیم الفطرت انسان کو اس مقام معرفت پر پہنچ کر آگے بڑھنے کے لیے کسی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی اب تک اُس نے عقل کی مدد سے اپنے خالق کو پہچان تو لیا ہے لیکن اس کے خالق کا اس سے تقاضا کیا ہے اس بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر وہ مدد کے لیے پکارتا ہے۔ انسان کی فطرت سلیمہ کی اس پکار کو اللہ تعالیٰ نے الفاظ کا جامہ عطا کر کے ایک خوبصورت دعا کی صورت میں محفوظ فرما دیا ہے۔ یہ وہی دعا ہے جو ہم ہر نماز کی ہر رکعت کے اندر پڑھتے ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک عام آدمی کی دعا نہیں ہے بلکہ یہ اُس انسان کی فطرت کی پکار ہے جو اپنی سلامتی، طبع، سلامتی فطرت اور سلامتی عقل کی مدد سے اللہ کی معرفت حاصل کر چکا ہے۔ اس معرفت کے بعد اس کی روح گویا بے اختیار پکار اٹھتی ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی اُس نے اللہ کو خالق کائنات اور رب العالمین کے طور پر پہچان لیا ہے۔ وہ اللہ کو ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ہستی کے طور پر بھی جان چکا ہے۔ اس کے بعد وہ ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ کی منطق کا قائل بھی ہو چکا ہے اور اپنی عقل سلیم ہی کی مدد سے اسے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کا فلسفہ بھی سمجھ میں آچکا ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہیں جانتا۔ اسے اس حقیقت کا ادراک تو ہو گیا ہے کہ اسے اپنے رب ہی کی بندگی کرنا چاہیے اور اسی کی مرضی پر چلنا چاہیے مگر اس کی بندگی کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کی مرضی ہے کیا؟ اس بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ چنانچہ یہاں وہ اُسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جس کی معرفت سے اس کا سینہ منور ہوا ہے اور اُس سے راہنمائی کی درخواست کرتا ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۴﴾ ”(اے ہمارے رب!) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی۔ راہ اُن لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا، جو نہ تو مغضوب ہوئے اور نہ گمراہ۔“

حضرت لقمان ایک ایسی ہی سلیم الفطرت شخصیت تھے جو وحی یا کسی نبی کی راہنمائی کے بغیر کائنات کے مذکورہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ وہ حبشی النسل تھے اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔ ان کا تعلق مصر اور سوڈان کے سرحدی علاقے نو بیا (Noobia) سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و

ذہانت اور سلامتی فطرت کی مدد سے نہ صرف انہیں توحید کی معرفت حاصل ہوئی بلکہ وہ اس نتیجے پر بھی پہنچ گئے کہ انسانی اعمال ضائع ہونے کی چیز نہیں ہیں۔ اس رکوع میں حضرت لقمان کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ گویا یہ باتیں ان کی عمر بھر کی سوچ کا لب لباب ہیں۔ چونکہ وہ کسی نبی کے پیروکار نہیں تھے اور نہ ہی وحی کی تعلیمات ان تک پہنچی تھیں اس لیے ان کی نصیحتوں میں نہ تو کسی رسول کا تذکرہ ہے اور نہ ہی ان حقائق کا ذکر ہے جن کا علم صرف وحی کے ذریعے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت لقمان کی شخصیت سے خوب واقف تھے۔ وہ نہ صرف انہیں ایک دانشور حکیم کے طور پر جانتے تھے بلکہ ان کے اقوال کو اپنے اشعار اور خطبات میں نقل (quote) بھی کیا کرتے تھے۔ اس پس منظر میں حضرت لقمان کے اقوال و نصائح کو قرآن میں نقل (quote) کر کے اللہ تعالیٰ گویا مشرکین عرب کو بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو! لقمان جیسا دانشور حکیم بھی اپنی سلامتی طبع اور سلامتی فکر کے باعث اسی اصول اور اسی نکتے تک پہنچا تھا جس کی دعوت آج تم لوگوں کو محمد (ﷺ) دے رہے ہیں۔

**آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾** ”اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی تھی“

**﴿إِنْ اشْكُرْ لِلَّهِ﴾** ”کہ اللہ کا شکر ادا کرو!“

انسان کی حکمت و دانائی اور اس کی فطرت کے ”سلیم“ ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ جو کوئی بھی اس کے ساتھ بھلائی کرے اُس کے لیے اس کے دل میں بھلائی اور احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں اور پھر وہ مناسب طریقے سے ان جذبات کا اظہار بھی کرے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو چکی ہو تو وہ اپنے محسن اعظم اور منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور ہر لمحہ اور ہر مقام پر ضرور کلمہ شکر بجالائے گا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کے شکر کے اظہار کے لیے بہترین کلمہ شکر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ہے جو قرآن مجید کا کلمہ آغاز بھی ہے۔

**﴿وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ﴾** ”اور جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی بھلے

کے لیے۔“

**﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾** ”اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے اور وہ

اپنی ذات میں خود محمود ہے۔“

**آیت ۱۳ ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ﴾** ”اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے جبکہ وہ اسے

نصیحت کر رہا تھا“

یہاں سے ان نصیحتوں کا آغاز ہوتا ہے جن میں حضرت لقمان اپنے بیٹے سے مخاطب ہیں۔ اگرچہ یہاں پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا، لیکن انہوں نے یہ نصیحتیں اپنے انتقال کے وقت کی تھیں۔ ہر شخص فطری طور پر چاہتا ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنی اولاد کو اپنے ورثے کے بارے میں ضروری ہدایات دے جائے۔ جیسے عام طور پر بڑے بڑے کارخانہ دار اور دولت مند لوگ اپنے کاروبار، اثاثہ جات اور ورثہ کے معاملات سے متعلق وصیت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت لقمان جیسے حکیم انسان نے بھی ضروری سمجھا کہ اپنے عمر بھر کے غور و فکر اور

دانائی کا نچوڑ اور لب لباب موت سے پہلے اپنے بیٹے کو منتقل کر دیں۔

﴿يُنَبِّئُ لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ”اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک

مت کرنا۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

لغوی اعتبار سے لفظ ”ظلم“ کا مفہوم نا انصافی اور حق تلفی ہے۔ ”ظلم“ کی تعریف یوں کی جاتی ہے: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ یعنی کسی چیز کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ پر رکھ دینا۔ ظلم کی اس تعریف (definition) پر غور کریں تو یہ نکتہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہاں شرک کو ”ظلم عظیم“ کیوں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز اُس کی مخلوق ہے۔ وہ اپنی صفات میں یکتا اور تنہا ہے۔ اب اگر کوئی انسان ان صفات کے اعتبار سے مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر کر دے یا اللہ تعالیٰ کو کسی اعتبار سے گرا کر مخلوق کی صف میں لاکھڑا کرے تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا؟

حضرت لقمان کی اس اہم نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی طرف سے ایک نصیحت کا اضافہ کیا ہے جو والدین کے حقوق سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت لقمان نے کس نفسی کے باعث خود اپنے حق سے متعلق بیٹے کو نصیحت کرنا مناسب نہ سمجھا ہو چنانچہ اس کی کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم میں یہ پانچواں مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق توحید کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے البقرة: ۸۳ النساء: ۳۶ الانعام: ۱۵۱ اور بنی اسرائیل: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہوا ہے۔

**آیت ۱۲** ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ ”اور ہم نے وصیت کی انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں۔“  
یعنی والدین کے بارے میں حسن سلوک کی تاکید ہدایت کی۔ پھر والدین میں سے بھی والدہ کے حق کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا، کیونکہ بچوں کی پیدائش اور پرورش کے سلسلے میں زیادہ مشقت اور تکلیف والدہ ہی کو برداشت کرنا پڑتی ہے۔

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ﴾ ”اس کو اٹھائے رکھا اس کی ماں نے (اپنے پیٹ میں) کمزوری

پر کمزوری جھیل کر“

﴿وَفِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ ”اور اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سال میں“

پہلے نو ماہ تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر جو تک کی طرح اس کا خون چوستا رہا اور پھر پیدائش کے بعد دو سال تک مسلسل اس کے جسم کی توانائیاں دودھ کی شکل میں نچوڑتا رہا۔

﴿إِنْ أَشْكُرْ لِي وَلَوْ الْدَيْكَ﴾ ”کہ تم شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا!“

﴿إِلَى الْمَصِيرِ﴾ ”اور میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔“

اب اللہ تعالیٰ اور والدین کے حقوق میں توازن کے سلسلے میں جو وضاحت اگلی آیت میں آرہی ہے وہ ہم سورۃ العنکبوت کی آیت ۸ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس سے ان دونوں سورتوں کے مضامین میں مشابہت اور مناسبت کی نشان دہی بھی ہوتی ہے۔



**آیت ۱۵** ﴿وَإِنْ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ ”اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شریک کرو اُس چیز کو جس کا تمہارے پاس کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مانو“

یہاں والدین کے اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کرنے کے حوالے سے ”جہاد“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ چنانچہ اس لفظ میں والدین کی طرف سے اپنا موقف منوانے کے لیے لڑنے جھگڑنے اور ہر طرح سے دباؤ ڈالنے کا مفہوم موجود ہے۔ البتہ یہاں بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ والدین کے تمام تر تقدس اور احترام کے باوجود انہیں اپنی حدود سے تجاوز کرنے اور اللہ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اگر والدین اپنی اولاد کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کرنے لگیں تو اولاد ان کے اس حکم کی تعمیل کسی قیمت پر نہیں کرے گی۔ اس حوالے سے یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ حکم صرف بت پرستی کی ممانعت تک محدود نہیں بلکہ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ کے الفاظ میں ہر قسم کے شرک کی مطلق ممانعت ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر والدین اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو توڑنے کا کہہ رہے ہوں تو گویا وہ شرک ہی کا حکم دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو مطاع ماننا گویا اسے معبود بنا لینے کے مترادف ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص اپنے نفس کے اُکسانے پر حرام میں منہ مارتا ہے یعنی اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنے نفس کی بات مانتا ہے تو گویا اس نے حرام دولت کو اور اپنے نفس کو معبود کا درجہ دے دیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا حکم بہت واضح ہے: ﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۚ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ (الفرقان) ”کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے! تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟“

شرک جیسے حساس مسئلے کو بہت زیادہ احتیاط اور اہتمام کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شرک کا محدود مفہوم سامنے رکھ کر اس کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ! اس موضوع پر میں نے تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ ”حقیقت و اقسام شرک“ کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ موجود ہے۔ اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان تقاریر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تقاریر کو اسی موضوع کے تحت کتابی صورت میں شائع بھی کیا جا چکا ہے۔

﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ ”اور دنیا میں ان کے ساتھ رہو بہتر انداز میں“

ملاحظہ کیجیے اللہ تعالیٰ کے احکام کے اندر کس قدر خوبصورت توازن پایا جاتا ہے۔ ایک طرف والدین کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے جبکہ دوسری طرف ان کے حقوق کی حد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ اگر والدین کافر یا مشرک ہیں تو ان کے تمام حقوق ہی ساقط ہو جائیں بلکہ ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ یعنی اگر والدین مشرک ہیں تو بھی ان کی خدمت کروانے کی ضروریات کا خیال رکھو اور ان کے مؤدب بن کر رہو۔ البتہ اگر وہ شرک پر مجبور کریں یا اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کا یہ مطالبہ نہ مانا جائے اور اس حوالے سے بھی انکار کرتے ہوئے ان کے ساتھ بدتمیزی نہ کی جائے۔

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ ”اور پیروی کرو اُس شخص کی جو میری طرف رخ کر چکا ہے“ قرآن مجید میں جہاں بھی والدین کے حقوق کی بات ہوئی ہے وہاں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے جبکہ ان کی اطاعت کرنے کا حکم کہیں بھی نہیں دیا گیا۔ بہر حال اگر والدین کی اطاعت ہوگی بھی تو اللہ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہ کر ہی ہوگی۔ البتہ جہاں تک اتباع اور پیروی کا تعلق ہے تو وہ صرف اسی شخص کی جائز ہے جو ہر طرف سے منہ موڑ کر کُلّی طور پر اللہ کی اطاعت میں آچکا ہو۔ جب تک نبوت کا تسلسل قائم تھا تو یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام پر صادق آتی تھی۔ اب ختم نبوت کے بعد امت میں سے جو شخص بھی اللہ کی اطاعت اور حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے لوگوں کو دین کی طرف بلائے اس آیت کی رو سے اس کا اتباع کرنا اور اس کا ساتھ دینا ضروری ہے۔

﴿ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے“ پھر میں تمہیں جہلا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

آخر کار تم سب نے میرے پاس ہی آنا ہے والدین کو بھی میرے حضور حاضر ہونا ہے اور ان کی اولاد کو بھی۔ ان میں سے جس نے جو کیا ہوگا وہ سب کچھ اسے دکھا دیا جائے گا۔

اب اگلی آیت میں حضرت لقمان کی دوسری نصیحت کا ذکر ہے۔ ان کی پہلی نصیحت آیت ۱۳ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد دو آیات میں والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔

**آیت ۱۶** ﴿يٰۤاِبْنٰی اِنَّ تٰکَ مُثْقَلًا حَبۡۃً مِّنْ خَرَدَلٍ﴾ ”اے میرے بچے! اگر وہ (کوئی اچھا یا برا عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو“

اپنی جسامت کے اعتبار سے رائی کا دانہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ مراد اس سے بہت ہی چھوٹی یا حقیر چیز ہے۔ قرآن مجید میں کسی چھوٹی یا حقیر چیز کا ذکر کرنے کے لیے حَبَّةٌ مِّنْ خَرَدَلٍ (رائی کے دانے) کے علاوہ بالعموم قَتِيْلًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگے ہوئے دھاگے (النساء: ۴۹) اور نَقِيْرًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے گڑھے (النساء: ۱۲۴) جیسے الفاظ بھی آتے ہیں لیکن رائی کا دانہ اپنی جسامت میں ان سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔

﴿فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمُوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یٰۤاِبٰتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ ”پھر وہ ہو کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین کے اندر اُسے اللہ لے آئے گا۔“

انسان اشرف المخلوقات ہے اس کے اعمال چاہے اچھے ہوں یا بُرے وہ بھی انسان ہی کی طرح اہم ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ چنانچہ انسان کا کوئی بھی عمل چاہے وہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں وقوع پذیر ہوا ہو، خلاء کی پہنائیوں میں یا زمین کے پیٹ کی تاریکیوں میں سرانجام دیا گیا ہو، وہ اللہ سے چھپ نہیں سکتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِيْرٌ﴾ ”یقیناً اللہ بہت باریک بین، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

یہی مضمون سورۃ الزلزال میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهُ ۙ ۝۷ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهُ ۙ ۝۸﴾ ”تو جو کوئی کرے گا ذرہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لے گا“ اور جو کوئی کرے گا

ذّرہ برابر برائی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔“

نوٹ کیجیے! حضرت لقمان نے اپنی وصیت میں شرک اور انسانی اعمال کے لازمی نتائج کے بعد بعث بعد الموت یا جنت و دوزخ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ معلومات صرف وحی یا نبوت کی تعلیمات کے ذرائع سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت لقمان نہ تو خود نبی تھے اور نہ ہی ان تک کسی نبی کی تعلیمات پہنچی تھیں۔ اس لیے ان کی نصیحتوں میں صرف وہی باتیں پائی جاتی ہیں جن تک کوئی صاحب حکمت شخص غور و خوض کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اب ان کی تیسری نصیحت ملاحظہ ہو:

**آیت ۱۷۱ ﴿يُنِىِٔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾** ”اے میرے بچے! نماز قائم کرو“

نماز اللہ کے ذکر کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نماز کی اقامت یا پابندی سے مقصود بنیادی طور پر یہی ہے کہ اللہ پر ایمان کی کیفیت کو ہر وقت مستحضر رکھا جائے ورنہ انسان کا نفس اسے غلط راستے پر ڈال دے گا اور شیطان اسے ورغلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ میں نماز کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ یہ غلط کاموں سے روکتی ہے: ﴿اَتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ”تلاوت کرتے رہا کریں اُس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کریں“ یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے۔“ چنانچہ حضرت لقمان کی نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ بیٹا! اللہ کو محض پہچان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اسے ہر وقت یاد رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ انسان کا سیدھے راستے سے بھٹکنے کا اندیشہ ہر وقت رہے گا۔ اب ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے ہاں نماز کی کیا صورت تھی مگر مراد اس سے یہی ہے کہ انسان کو اپنے شب و روز میں کوئی ایسا معمول ضرور اپنانا چاہیے جس سے اللہ کو ہر وقت یاد رکھا جائے۔

﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو“

یہ ان کی چوتھی نصیحت ہے۔ دراصل یہ انسان کی انسانیت اس کی شرافت اور مروّت کا ناگزیر تقاضا ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کی بھلائی کے لیے حسب استطاعت کوشاں رہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت جو کوئی انسان سرانجام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ معاشرے میں رہتے ہوئے بھلائی کا پرچار کرے اور برائیوں سے لوگوں کو روکے۔

﴿وَاَصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ﴾ ”اور جو بھی تکلیف تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو!“

یہ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے اپنے اعمال اور رویے پر تنقید کسی کو بھی پسند نہیں۔ چنانچہ جب آپ حق کی بات کریں گے، لوگوں کے غلط طرز عمل پر تنقید کریں گے، کسی کو برائی سے رک جانے کی نصیحت کریں گے، تو لوگ آپ کو برا بھلا بھی کہیں گے اور آپ پر کچھ بھی اچھا لنے کی کوشش کریں گے۔ حتیٰ کہ وہ آپ کی جان کے درپے بھی ہو جائیں گے۔ اس لیے اگر آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم بلند کر کے حق کا راستہ اپنانا ہے تو پھر آپ کو صبر کرنا بھی سیکھنا ہوگا اور مشکل سے مشکل حالات میں استقامت کا مظاہرہ بھی کرنا ہوگا۔



﴿إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۷﴾ ”یقیناً یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

غور کریں تو حضرت لقمان کی ان چار نصیحتوں میں وہی چار باتیں ایک دوسرے انداز میں بیان ہوئی ہیں جن کا ذکر سورۃ العصر میں آیا ہے۔ سورۃ العصر میں یہ باتیں یوں بیان ہوئی ہیں: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۖ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ ”سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“ سورۃ العصر میں مذکور ان چار نکات یعنی ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا اگر حضرت لقمان کی نصائح کے مندرجات سے تقابل کریں تو ”ایمان“ کی جگہ حضرت لقمان نے توحید کا ذکر کیا ہے، اعمالِ صالحہ میں سے نماز اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے۔ تواصی بالحق کی جگہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت کی ہے جبکہ ”صبر“ کا ذکر دونوں جگہ پر ہی موجود ہے۔ گویا دونوں مقامات پر استعمال ہونے والی اصطلاحات اگرچہ مختلف ہیں لیکن مضمون ایک ہی ہے۔

**آیت ۱۸** ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ ”اور اپنے گالوں کو پھلا کر مت رکھو لوگوں کے سامنے“

یعنی لوگوں سے بے رخی اور غرور و تکبر کی روش مت اختیار کرو۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ﴾ ”اور زمین میں اکڑ کر مت چلو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۸﴾ ”یقیناً اللہ ہر شیخی خورے تکبر کرنے والے کو پسند

نہیں کرتا۔“

لفظی اعتبار سے مُخْتَال کا تعلق خیل (گھوڑے) سے ہے۔ گھوڑے کی چال میں ایک خاص تمکنت اور غرور کا انداز پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اپنی چال کے انداز میں گھوڑے کے سے غرور و تمکنت کا مظاہرہ کرتا ہے تو گویا وہ مُخْتَال بن جاتا ہے۔ یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝۳۲﴾ ”اور زمین میں اکڑ کرنے چلو تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہنچ سکو گے پہاڑوں تک اونچائی میں“ — اور اب آخری نصیحت:

**آیت ۱۹** ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ ”اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو“

یہ میانہ روی (اقتصاد) صرف ظاہری چال ہی میں نہیں بلکہ زندگی کی مجموعی ”چال“ میں بھی مطلوب ہے۔ خصوصی طور پر قرآن میں معیشت کی میانہ روی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں بندہ مومن کی پختہ (mature) اور متوازن شخصیت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝۶۷﴾ ”اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔“

﴿وَاعْصِصْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ﴾ ”اور اپنی آواز کو پست رکھو۔“

خصوصی طور پر کسی بحث و تمحیص کے دوران اونچی آواز میں چیخنے کے بجائے ٹھوس دلیل کے ساتھ پُر وقار

انداز میں گفتگو کرو۔ کیونکہ عام طور پر بحث کرتے ہوئے آدمی اونچی آواز میں چیخ چیخ کر اس وقت بولتا ہے جب اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ گویا وہ آواز کے زور سے اپنی دلیل کی کمی پوری کرنا چاہتا ہے۔

﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝﴾ ”یقیناً سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔“ خواہ مخواہ بلند آواز سے بولنے میں انسان کی کوئی بڑائی نہیں ہے۔ اس میں اگر کوئی بڑائی ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ مستحق گدھا قرار پاتا جس کی آواز غیر معمولی طور پر بلند اور زوردار ہوتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب آوازوں سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک معقول انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ گدھے کی طرح چلا چلا کر گفتگو کرے بلکہ بات چیت میں انسان کا بہتر طرز عمل یہی ہے کہ وہ تحمل سے گفتگو کرے اور گفتگو میں وزن پیدا کرنے کے لیے علمی و عقلی دلیل کا سہارا لے۔

## آیات ۲۰ تا ۳۰

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۚ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَلَكِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ آبْحَرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنُفً وَاحِدَةً ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

ع

آیت ۲۰ ﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں

کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے“  
تم لوگ غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی ساری مخلوق کو تمہاری خدمت کرنے

اور تمہیں سہولیات بہم پہنچانے پر مامور کر دیا ہے۔ مثلاً سورج کو دیکھو جو تمہارے لیے تمازت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ اسی سے ہواؤں اور بارشوں کا نظام ترتیب پاتا ہے اور زمین پر فصلوں اور پھلوں کی پرورش ممکن ہوتی ہے۔ زمین کو دیکھو جسے اللہ تعالیٰ نے ایک بچھونے کی طرح بچھا کر تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے اور یوں تمہاری تمام ضرورتیں پوری کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ ”اور اُس نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر مکمل کر دی ہیں۔“ اللہ کی ان نعمتوں سے ہم دن رات مستفیض ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کئی نعمتیں تو ایسی ہیں جنہیں ہم دیکھتے بھی ہیں اور محسوس بھی کرتے ہیں مگر اس کی بے شمار نعمتوں کے بارے میں ہمیں کبھی احساس بھی نہیں ہوا۔ مثلاً ہمارے وجود کے اندر اللہ کی قدرت سے کیسے کیسے نظام خود بخود مصروفِ عمل ہیں، لیکن عام طور پر ہمیں ان کے بارے میں احساس نہیں ہوتا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ﴾ ”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا کوئی ہدایت ہو یا کوئی روشن کتاب ہو۔“

اس سے پہلے یہ مضمون سورۃ الحج کی آیت ۳ میں بھی بالکل انہی الفاظ میں آچکا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی ذات اُس کی آیات اور اُس کے احکام کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھاتے ہیں، منفی انداز میں بحث و تمحیص کرتے ہیں، لیکن اس کے بارے میں ان کے پاس نہ تو کوئی علمی دلیل ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی الہامی ثبوت۔ آیت ۲۱ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا آبَاءَنَا فَاٰتٍ﴾ ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس (ہدایت) کی جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں: بلکہ ہم تو اُس (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے۔“

یہ سوچ آج بھی زندہ ہے۔ آج بھی ہر معاشرے میں کلچر کے احیاء، لوک ورثے کی حفاظت اور قومی روایات کے پروان چڑھانے کے نام پر کروڑوں روپے کے وسائل ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

﴿أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ ”خواہ انہیں شیطان بلارہا ہو جہنم کے عذاب کی طرف!“

اپنے آباء و اجداد کے غلط طریقوں سے چمٹے رہنے کی یہ سوچ دراصل شیطانی گمراہی کے سبب ہے۔ چنانچہ ایسی باتیں کر کے گویا وہ لوگ شیطان کی دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں اور شیطان کی دعوت تو گویا جہنم کے عذاب کی دعوت ہے۔ آیت ۲۲ ﴿وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ”اور جس شخص نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ احسان کی روش اختیار کرنے والا بھی ہو“

﴿فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ ”تو اُس نے تھام لیا مضبوط حلقے کو۔“



الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى (مضبوط کُنڈا یا حلقہ) سے مراد اللہ کا تعلق اور اس کا سہارا ہے۔ اس مضبوط سہارے کو تھامنے کا ذکر اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ط﴾ ”اور جو کوئی انکار کرے طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر اُس نے تو ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔“

﴿وَالِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝۳۲﴾ ”اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔“

**آیت ۲۳** ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ط﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) جو کوئی کفر کرے تو اُس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرنے پائے۔“

﴿إِنَّا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ط﴾ ”ہماری ہی طرف ان سب کو لوٹنا ہے پھر ہم انہیں آگاہ کر دیں گے ان کاموں کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۳۳﴾ ”یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے اسے بھی جو سینوں میں چھپا ہوا ہے۔“

**آیت ۲۴** ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۳۴﴾ ”ہم انہیں تھوڑی دیر کے لیے مال و متاع دے رہے ہیں پھر ہم انہیں کھینچ کر لائیں گے ایک بہت گاڑھے عذاب کی طرف۔“

ہم نے انہیں دنیوی زندگی کی صورت میں تھوڑی سی مہلت دی ہے جس میں وہ دنیا کے ساز و سامان کو کام میں لاتے ہوئے مزے لوٹ لیں۔ پھر ہم انہیں پکڑ کر بہت سخت عذاب کی طرف دھکیل دیں گے۔

**آیت ۲۵** ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ط﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!“

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ط بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۲۵﴾ ”آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

**آیت ۲۶** ﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ط﴾ ”اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔“

لفظ اللہ کے ساتھ یہاں ”لام تملک“ آیا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۲۶﴾ ”یقیناً اللہ ہی غنی ہے بہت خوبیوں والا۔“

وہ بے نیاز ہے اسے کوئی احتیاج نہیں وہ خود اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

**آیت ۲۷** ﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ﴾ ”اور اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں“

قرآن مجید کے اس اسلوب کی طرف پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور

دہرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی مضمون سورۃ الکہف میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝۱۸﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں اگرچہ ہم اسی کی طرح اور (سمندر) بھی مدد کے لیے آئیں۔“ سورۃ الکہف کی اس آیت میں لکھنے کے حوالے سے صرف سیاہی کا ذکر ہے جبکہ یہاں پر سیاہی کے ساتھ قلم کا ذکر بھی ہوا ہے۔ ﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ ۝۱۹﴾ ”اور سمندر (سیاہی بن جائے) اس کے بعد اس کو مزید

سات سمندر سیاہی مہیا کریں“

یہاں پر الْبَحْرُ کے بعد مَدَاد (سیاہی) کا لفظ محذوف ہے۔ بہر حال مفہوم واضح ہے کہ اگر زمین پر موجود سب کے سب درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور پھر مزید سات سمندروں کا پانی بھی سیاہی بن کر اس میں شامل ہو جائے تب بھی:

﴿مَا نَفَذْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۲۰﴾ ”اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ یقیناً اللہ

زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

قبل ازیں کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کے کلمہ ”کُن“ کا ظہور ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کی تمام مخلوقات گویا ”کلمات اللہ“ ہیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں۔ پرانے زمانے کے مقابلے میں آج کا انسان اس کائنات کی وسعت کے بارے میں بہتر طور پر جانتا ہے۔ آج کے سائنسدان اربوں نوری سالوں کی وسعت تک کائنات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی وسعت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ جس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں اس میں موجود مخلوق یعنی اللہ کے کلمات و صفات کو احاطہ تحریر میں لانا کسی کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

**آیت ۲۸** ﴿مَا خَلَقُكُمْ وَلَا بَعَثُكُمْ إِلَّا كُنُفُسٍ وَاحِدَةً ۝۲۸﴾ ”تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا (اللہ

کے لیے) ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا (پیدا کر دینا اور دوبارہ زندہ کر دینا)۔“

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وسعت و عظمت کا تذکرہ تھا۔ اب اس وسیع و عریض کائنات کے انتظام و انصرام اور رنگارنگ مخلوق کے معاملات کی نگرانی کا ذکر ہے کہ ان تمام امور کی نگہداشت اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ جیسے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں ارشاد ہوا: ﴿وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝۲۵﴾ ”اور اُس پر گراں نہیں گزرتی ان دونوں (زمین و آسمان) کی حفاظت اور وہ بلند و بالا ہے بڑی عظمت والا۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝۲۸﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔“

**آیت ۲۹** ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۝۲۹﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ

رات کو پرولاتا ہے دن میں اور دن کو پرولاتا ہے رات میں“

اس مفہوم کے اعتبار سے اس کی مثال تسبیح کے دانوں کی سی ہے، یعنی قدرت الہی سے دن اور رات کی

ترتیب ایک ڈوری میں پروئے گئے سیاہ اور سفید رنگ کے دانوں کی سی ہے کہ ایک سیاہ اور ایک سفید دانہ باری باری چلے آ رہے ہیں۔ ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ یعنی دن جب گھٹتا ہے تو رات اس کے کچھ حصے پر قابض ہو جاتی ہے گویا وہ اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح جب رات گھٹتی ہے تو اس کے کچھ حصے پر دن قبضہ (encroachment) کر لیتا ہے۔

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (۲۹)

”اور اُس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ یہ سب کے سب چل رہے ہیں ایک وقت معین تک کے لیے اور یہ کہ اللہ باخبر ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔“

**آیت ۳۰** ﴿ذَٰلِكَ بَٰنٌ لِّلَّهِ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَٰطِلُ﴾ ”یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ یہ لوگ جس کسی کو بھی اس کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے“

لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز ”باطل“ ہے جو اگرچہ نظر تو آرہی ہو مگر اس کا وجود حقیقی نہ ہو۔ جیسے ”سراب“ کہ دور سے دیکھنے پر پانی نظر آتا ہے مگر اصل میں وہ پانی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کو بھی کوئی معبود سمجھ کر پکارتا ہے وہ محض دھوکہ اور سراب ہے۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (۳۰) ”اور یقیناً اللہ ہی سب سے بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔“

## آیات ۳۱ تا ۳۴

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلَكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ؕ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ ؕ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهٖ شَيْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ؕ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَيُنْزِلُ الْغَيْثَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ بِآيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ؕ

**آیت ۳۱** ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلَكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں

کہ کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں اللہ کی نعمتوں کو لے کرتا کہ وہ دکھائے تمہیں اپنی نشانیوں میں سے۔“  
یعنی یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز ہزاروں ٹن وزنی ساز و سامان اٹھائے رواں دواں ہیں۔



﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔“

صَبَّارُ، فَعَّال کے وزن پر اور شَكُورُ، فَعُول کے وزن پر مبالغے کے صیغے ہیں، یعنی بہت زیادہ صبر کرنے والا اور بہت زیادہ شکر کرنے والا۔

آیت ۳۲ ﴿وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ﴾ ”اور جب کبھی (سمندر میں) موج انہیں ڈھانپ لیتی ہے سائبانوں کی طرح“

بحری سفر کے دوران جب کبھی یہ لوگ طوفان میں پھنس جاتے ہیں اور سائبانوں کی طرح پھیلی ہوئی موجیں انہیں اپنی طرف ایسے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جیسے کہ وہ ان کے اوپر سے گزر جائیں گی۔

﴿دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ ”تو وہ پکارنے لگتے ہیں اللہ کو اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔“

﴿فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ ”پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو ان میں کچھ ہی ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔“

یعنی ان میں سے اکثر و بیشتر تو حید خالص سے برگشتہ ہو کر پھر شرک کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔  
﴿وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ﴾ ”اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو قول کے جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔“

آیت ۳۳ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَآخِشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ﴾ ”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اور ڈرو اُس دن سے جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہیں آئے گا“  
﴿وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا﴾ ”اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے گا۔“

باپ اور بیٹے کے حوالے سے قریب ترین رشتے کا ذکر کر کے گویا اس سے نچلے درجوں کے تمام رشتوں اور تعلقات کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آ سکے گا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ”اور ڈرو اُس دن سے جس دن کام نہ آ سکے گی کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی اور نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی کسی سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔“  
﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ ”یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو (دیکھو!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے دُنیا کی زندگی۔“

ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کی زندگی کی زیب و زینت پر سمجھ کر اصل زندگی کو بھول جاؤ۔

﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ ”اور (دیکھنا!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اللہ کے حوالے

سے وہ بڑا دھوکے باز۔“

اللہ کے بارے میں انسان کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے شیطان طرح طرح کے حربے آزما تا ہے۔ بعض اوقات وہ انسان کو ہمدردانہ انداز میں باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ بڑا غفار ہے اس کی رحمت اور مغفرت بہت وسیع ہے تم خواہ مخواہ گھبرار رہو کا ہے کو توبہ کا سوچتے ہو؟ اگر آج تمہیں موقع ملا ہے توجی بھر کر عیش کر لو پھر یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ رہا بخشش کا مسئلہ تو اس کی فکر نہ کرو اللہ بڑے بڑے گنہگاروں کو بھی بخش دے گا۔

**آیت ۳۲ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾** ”یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس ہے قیامت کا علم۔“

اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔ عام طور پر ہم ”قیامت“ اور ”السَّاعَةُ“ کے الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں اور انہیں باہم مترادف الفاظ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ ان دونوں میں سے ہر لفظ کا اپنا الگ مفہوم ہے۔ ”السَّاعَةُ“ کے معنی مخصوص گھڑی کے ہیں اور قرآنی اصطلاح کے مطابق ”السَّاعَةُ“ وہ معین گھڑی ہے جب پوری زمین زلزلے سے جھنجھوڑ ڈالی جائے گی اجرام سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ مثلاً سورۃ القارعہ میں ”السَّاعَةُ“ کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿الْقَارِعَةُ ۱ مَا الْقَارِعَةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۳ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعُفُوشِ ۵﴾ ”وہ کھڑکھڑانے والی! کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی! جب لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی۔“

اسی طرح لفظ ”قیامت“ کا جائزہ لیں تو اس کے لغوی معنی قیام کرنے اور کھڑے ہونے کے ہیں اور اس سے وہ وقت یا وہ دن مراد ہے جب تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَيُنَزَّلُ الْغَيْثَ﴾ ”اور وہی بارش برساتا ہے۔“

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ ”اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔“

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ ”اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل وہ کیا کمائی کرے گی۔“

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ ”اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں اُس کی

موت واقع ہوگی۔“

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی ساری عمر ایک جگہ مقیم رہا، مگر کبھی اچانک وہ کسی دوسرے ملک گیا اور وہاں اس کی موت واقع ہوگئی جبکہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُسے موت اس دیار غیر میں آئے گی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

اس آیت کے حوالے سے کچھ لوگ خواہ مخواہ اشکال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں پہلا نکتہ یہ نوٹ کر لیں کہ جن پانچ چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے ان میں سے پہلی اور آخری دو یعنی کل تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ذکر میں ”حصر“ کا اسلوب ہے یعنی ان

میں دو ٹوک نفی (categorical denial) موجود ہے کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ کو ہے، اُس کے سوا کوئی دوسرا اُن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ تین چیزیں ہیں: (۱) عِلْمُ السَّاعَةِ (۲) اس چیز کا علم کہ کل کوئی کیا کرے گا، اور (۳) کسی کو اپنی موت کی جگہ کا علم ہونا۔ جبکہ باقی دو چیزوں (دوسری اور تیسری) کے ذکر میں ”حصر“ کا اسلوب نہیں ہے۔ یعنی ان کا ذکر کرتے ہوئے کسی دوسرے کے علم کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ بارش کے حوالے سے تو یہاں اللہ کی قدرت کا ذکر ہوا ہے نہ کہ اُس کے علم کا، کہ اللہ بارش برساتا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے فرمان (وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ) میں بھی اللہ کے علم کا ذکر ہے کہ وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں کے اندر ہے اور یہاں بھی ”حصر“ کا اسلوب نہیں ہے۔ یعنی کسی دوسرے کے علم کی یہاں بھی نفی نہیں کی گئی۔ چنانچہ قرآن کے ان الفاظ میں نہ تو کوئی اشکال ہے اور نہ ہی کسی اعتراض کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ البتہ بعض لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں جو اس آیت کی وضاحت میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ ”حدیث جبریل“ میں مذکور ہے کہ نو وارد شخص (جو دراصل حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کرنے کے بعد دریافت کیا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کب آئے گی؟“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ!)) ”جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا!“ — اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی چند علامات بیان فرمائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ((فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ)) ”پانچ چیزوں کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا“۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (۱)

اس حدیث کے حوالے سے عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آج کل ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی جنس کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا ہے، لہذا یہ دعویٰ درست نہیں کہ اس کے بارے میں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض بھی درست نہیں۔ کیونکہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اب تک انسان اس کے صرف ایک پہلو یعنی بچے کی جنس (لڑکا یا لڑکی) کے بارے میں ہی معلوم کر سکا ہے جبکہ اس کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جان سکتا۔ مثلاً ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ بچہ کن صلاحیتوں کا مالک ہوگا؟ ذہین و فطین ہوگا یا کند ذہن، نیکو کار ہوگا یا بدکار۔ اسی طرح بارش کے بارے میں محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیوں کی حقیقت ظن و تخمین سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس توجیہ کی موجودگی میں حدیث کے الفاظ پر بھی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل رضی اللہ عنہ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة..... وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان۔



# سُورَةُ السَّجْدَةِ

## تمہیدی کلمات

سورة السجدة تین رکوعوں پر مشتمل ایک مختصر سورت ہے۔ ابتدائی دور کی کئی سورتوں کی طرح اس کا ردھم (rhythem) بہت تیز ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ کی محبوب سورتوں میں سے ہے۔ مستند روایات میں حضور ﷺ کا یہ معمول نقل ہوا ہے کہ آپ اکثر جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورة السجدة اور دوسری رکعت میں سورة الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جن سورتوں کے ساتھ حضور ﷺ کو خاص تعلق خاطر تھا ان سورتوں کی تلاوت آپ نمازوں میں کثرت سے فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی کبھی جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں سورة الجمعة اور دوسری رکعت میں سورة المنافقون کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۱۴

الَمْ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ ۚ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ ۚ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكْفُرُونَ ۝ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْجُرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝

وَكُوشُنَا لَا تَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ فَذُوقُوا يَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا ۚ إِنَّا نَسِينَكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ  
الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

آیت ۱ ﴿الْم ۱﴾ ”الف لام میم۔“

آیت ۲ ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۲﴾ ”اس کتاب کا اتارا جانا اس میں کوئی  
شک نہیں، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔“

آیت ۳ ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ﴾ ”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟“  
﴿بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۳﴾  
”(نہیں!) بلکہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، تاکہ آپ خبردار کریں اُس قوم کو جس کے پاس  
آپ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔“

اہل مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر  
حضور ﷺ تک طویل عرصے کے دوران کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۴ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ﴾  
”اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے چھ دنوں میں، پھر  
وہ متمکن ہوا عرش (تخت حکومت) پر۔“

﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ﴾ ”نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے مقابلے میں کوئی  
حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔“

یہاں پر لفظ دُون ”مقابلے“ کے معنی دے رہا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں پکڑ کر سزا دینا چاہے تو تمہارا  
کوئی حمایتی یا سفارشی اُس کے اس فیصلے کے آڑے نہیں آسکتا۔

﴿أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ﴾ ”تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے!“

آیت ۵ ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾ ”وہ تدبیر کرتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی طرف“  
کائنات کے انتظامی امور کی منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال کے حساب سے کی جاتی ہے جیسا  
کہ اگلے جملے میں واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے عرصے کے برابر ہے۔ اس منصوبہ بندی  
کے اندر ”لیلۃ القدر“ گویا انسانی کیلنڈر کے حساب سے متعلقہ سال کے بجٹ سیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سالانہ  
بجٹ میں فیصلے کیے جاتے ہیں کہ متعلقہ سال کے اندر دنیا میں انسانوں کے لیے کون کون سے امور کس کس طرح  
نمائے جائیں گے۔ انہی فیصلوں کی تعمیل و تنفیذ کے لیے آسمانوں سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جس کا ذکر سورۃ  
القدر میں آیا ہے۔

﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ ”پھر وہ (امر) چڑھتا ہے اُس کی طرف“  
 پھر فرشتے ان احکام کی تعمیل سے متعلق اپنی اپنی رپورٹس اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔  
 ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ ”(یہ سارا معاملہ طے پاتا ہے) ایک دن  
 میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس ہے۔“  
 یہ مضمون اپنی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں دو دفعہ آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں کفار کی طرف سے  
 عذاب کی جلدی مچانے کے جواب میں یوں وضاحت فرمائی گئی: ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا  
 تَعُدُّونَ﴾ ”اور یقیناً ایک دن آپ کے رب کے نزدیک ایک ہزار برس کی طرح ہے جیسے تم لوگ گنتی کرتے  
 ہو۔“ جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ”تدبیر امر“ کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں جو  
 فیصلے ہوتے ہیں ان کی منصوبہ بندی ایک ہزار سال کے عرصے کے مطابق کی جاتی ہے۔

**آیت ۶** ﴿ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”وہ جاننے والا ہے ہر چھپی اور ظاہری  
 چیز کا“ وہ بہت زبردست ہے نہایت رحم فرمانے والا۔“

**آیت ۷** ﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ﴾ ”جس نے جو شے بھی بنائی بہت خوبصورت انداز میں بنائی“  
 اس نے جو چیز بھی بنائی ہے بہت عمدہ بنائی ہے۔ اس کی تخلیق میں کہیں کوئی نقص یا کوتاہی نہیں ہے۔  
 ﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ﴾ ”اور اُس نے آغاز کیا انسان کی تخلیق کا گارے سے۔“  
 اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی مراد ہے جس کے مختلف مراحل کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد بار ہوا  
 ہے اور ہر انسان کی تخلیق بھی کیونکہ انسان کی تخلیق جس مادے سے ہوتی ہے وہ بنیادی طور پر زمینی اجزا سے  
 حاصل شدہ غذا سے ہی بنتا ہے۔ اس بارے میں تفصیلی گفتگو سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۲ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔  
**آیت ۸** ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ ”پھر اُس کی نسل چلائی ایک بے قدر پانی  
 کے خلاصے سے۔“

یعنی پہلے مرحلے میں مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی جبکہ دوسرے مرحلے میں نوعِ انسانی کے  
 تناسل (reproduction) کا عمل اس طریقے سے ممکن بنایا۔

**آیت ۹** ﴿ثُمَّ سَوَّاهُ﴾ ”پھر اس کی نوک پلک درست کی“  
 یہاں اُس کا لفظ اس تخلیقی مرحلے کی نشاندہی کر رہا ہے جس کا آغاز ماں کے پیٹ میں استقرارِ حمل سے  
 ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ بچے کے اعضاء ترتیب پاتے ہیں۔ نسلِ انسانی کا ہر بچہ اس مرحلے سے گزرتا ہے۔

﴿وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ﴾ ”اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے“  
 پھر ایک مرحلے پر اس ”حیوانی جسم“ میں روح پھونک کر اسے ”انسان“ بنا دیا جاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں  
 ایک بچہ جن مراحل سے گزرتا ہے اس کی تفصیل اس متفق علیہ حدیث میں بیان ہوئی ہے جس کا مطالعہ ہم سورۃ  
 المؤمنون کی آیات ۱۲ تا ۱۴ کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اسی جلد کا صفحہ ۱۷۰)



﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ ”اور اُس نے بنائے تمہارے لیے کان، آنکھیں

اور دل۔“

أَفْئِدَةُ جمع ہے اور اس کا واحد فُؤاد ہے۔ عام طور پر فُؤاد کا ترجمہ ”دل“ ہی کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں اس سے انسانی عقل و شعور مراد ہے جس کا تشخص حیوانی عقل اور شعور سے قطعاً مختلف ہے۔ (لفظ فُؤاد کی مزید تشریح کے لیے سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۶ کی تشریح ملاحظہ ہو۔)

﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۙ﴾ ”بہت ہی کم ہے جو شکر تم لوگ کرتے ہو۔“

**آیت ۱۰** ﴿وَقَالُوا ءِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ ءِأَنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”اور یہ کہتے ہیں: کیا جب ہم زمین میں تحلیل ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم ایک نئی خلقت میں ڈھالے جائیں گے؟“

اس اعتراض کے حوالے سے پرانے زمانے کے کفار کا انداز گفتگو تو سیدھا سادہ تھا کہ جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں کیسے دوبارہ جلا اٹھایا جائے گا؟ لیکن آج کا ”روشن خیال“ نوجوان اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا کر یوں پیش کرتا ہے کہ جب ہمارے جسموں کے ایٹمز (atoms) بھی منتشر ہو جائیں گے جب ہم مٹی میں مل کر کھاد بن جائیں گے کھاد سے ہمارے ذرات پودوں میں منتقل ہو جائیں گے ان پودوں کو جانور کھائیں گے اور پھر ان جانوروں سے نہ معلوم کس کس شکل میں ہمارے جسموں کے تحلیل شدہ atoms کہاں کہاں پہنچیں گے تو ایسی صورت میں انسانی اجسام کے گم گشتہ اجزاء کیونکر اکٹھے کیے جاسکیں گے؟ ایسی دور کی کوڑی لانے سے پہلے ایسے احمقوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جس اللہ نے پہلی مرتبہ زمینی اجزاء سے ان لوگوں کو ان کے وجودوں کے ساتھ پیدا کیا ہے کیا وہ انہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا؟

﴿بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۙ﴾ ”بلکہ (حقیقت میں) یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔“

دراصل یہ لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے تصور سے گریزاں ہیں۔ اس بنا پر وہ قیامت کے دن کی اس ملاقات ہی کو جھٹلانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے بہانہ یہ بنا رہے ہیں کہ زمین میں گل سڑ جانے کے بعد انسانوں کا دوبارہ زندہ ہو جانا عقلی طور پر ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص صاحبِ ایمان ہے اور وہ اپنے دل میں اللہ کے لیے خلوص اور محبت کے جذبات رکھتا ہے تو اسے لازماً یہ امید ہوگی کہ اللہ اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا معاملہ فرمائے گا۔ ایسے شخص کو ”دل رابدل راہست“ (دل کو دل سے راہ ہوتی ہے) کے مصداق اللہ تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق بھی ہوگا۔

**آیت ۱۱** ﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۙ﴾ ”(اے نبی ﷺ!)

آپ کہہ دیجیے کہ تمہیں قبض کر لے گا موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔“

**آیت ۱۲** ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”اور کاش تم وہ منظر دیکھ سکو

جب یہ مجرم کھڑے ہوں گے سر جھکائے ہوئے اپنے پروردگار کے سامنے۔“  
 ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا﴾ ”(اور کہہ رہے ہوں گے:) اے ہمارے پروردگار! اب ہم نے  
 خوب دیکھ لیا اور سن لیا“

اب ہم نے روزِ محشر کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اب حقیقت ہم پر منکشف ہو گئی ہے۔  
 ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ ”(تو ایک بار) ہمیں واپس لوٹا دے، ہم نیک عمل  
 کریں گے، اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔“

نوٹ کیجیے یہاں پر کفار کے حوالے سے ”ایمان“ کا نہیں بلکہ ”یقین“ کا ذکر ہوا ہے جو ایمان سے آگے کا  
 درجہ ہے۔ ان کے دلوں میں یقین کی یہ کیفیت آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے بعد پیدا ہو گئی۔  
**آیت ۱۳** ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى﴾ ”اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو اُس کی ہدایت دے دیتے“  
 اگر ہمیں اسی طرح آخرت کے پردے اٹھا کر اور عالمِ غیب کا مشاہدہ کروا کر لوگوں کو ہدایت دینا مقصود ہوتا  
 تو ہم یہ کام دنیا میں ہی کر دیتے اور اس طرح تمام انسانوں کو راہِ ہدایت پر لے آتے۔ بہر حال ان لوگوں کو معلوم  
 ہونا چاہیے کہ جب انہیں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین آ جائے گا تو اُس وقت انہیں اس ایمان اور یقین  
 کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اُس وقت ان کی امتحانی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔

﴿وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ ”لیکن میری طرف  
 سے یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور آدمیوں سب سے بھر کر رہوں گا۔“  
 جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی ہمارے باغی ہیں وہ سب ضرور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔  
**آیت ۱۴** ﴿فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا﴾ ”تو اب چکھو“ (آگ کا) اس لیے کہ تم نے  
 آج کے دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا۔“

﴿إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”اب ہم نے بھی تمہیں  
 نظر انداز کر دیا ہے، پس تم چکھو ہمیشگی کا عذاب اپنے ان کرتوتوں کے سبب جو تم کرتے رہے ہو۔“  
 نظر انداز کرنے کی اس کیفیت کا بیان سورۃ المؤمنون میں اس طرح ہوا ہے: ﴿قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا  
 تُكَلِّمُونِ﴾ ”اللہ فرمائے گا: اب تم ذلیل و خوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔“

## آیات ۱۵ تا ۲۲

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا  
 يَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَبَعًا ۚ وَمِمَّا  
 رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا  
 السَّاجِدِينَ

يَعْمَلُونَ ۝ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجَلٌ مُّبَآرَكٌ زُلْفَىٰ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ وَلَنَذِيقَنَّ الَّذِينَ مِنَ الْعَذَابِ الْأُولَىٰ ذُوقَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۖ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِبُونَ ۝

**آیت ۱۵** ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا﴾ ”ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے ذریعے انہیں نصیحت کی جاتی ہے“

﴿خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝۱۵﴾ ”تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“

**آیت ۱۶** ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ”(راتوں کو) ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں“  
سورۃ الفرقان میں اللہ کے نیک بندوں کے اس خاص معمول کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَسْتَوُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۱۶﴾ ”اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام کرتے ہوئے۔“ یعنی ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو ساری ساری رات غفلت کی نیند سوتے رہتے ہیں اور دوسری طرف اللہ کے یہ بندے ہیں جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں، کبھی اس کے حضور قیام کر کے اور کبھی سجدے میں گر کر۔

﴿يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ”وہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں خوف اور امید کی کیفیت میں“  
ایک طرف تو وہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کے بارے میں پُر امید ہوتے ہیں جبکہ دوسری طرف اپنی کوتاہیوں پر پکڑے جانے کا خوف بھی انہیں لاحق رہتا ہے۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۱۷﴾ ”اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری رضا جوئی کے لیے) خرچ کرتے ہیں۔“

**آیت ۱۷** ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ ”تو کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

آخرت کی جن نعمتوں کا ذکر عمومی طور پر قرآن میں ملتا ہے اور جن کے بارے میں ہم کسی حد تک اندازہ بھی کر سکتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق اہل جنت کی ابتدائی مہمانی (نُزُل) سے ہے جبکہ جنت کی اصل نعمتوں کا نہ تو کسی کو علم ہے اور نہ ہی ان کا تصور انسانی فہم و ادراک میں آ سکتا ہے۔ اس آیت کی وضاحت حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:



((قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: أَعَدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَءُوا إِن شِئْتُمْ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ)) (۱)

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا گمان ہی گزرا۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا:) اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ”پس کوئی جان یہ نہیں جانتی کہ ان (اہل جنت) کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۷) ”اُن کے اعمال کے بدلے کے طور پر۔“

**آیت ۱۸** ﴿أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ﴾ (۱۸) ”تو بھلا جو کوئی مؤمن ہے کیا وہ اُس کی مانند ہو جائے گا جو فاسق ہے! وہ (دونوں) ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔“

**آیت ۱۹** ﴿أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے باغات ہیں ٹھکانے کے طور پر۔“

﴿نَزْلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۹) ”ابتدائی مہمان نوازی کے طور پر ان کے اعمال کے بدلے میں۔“ لغوی اعتبار سے ”نزل“ کا تعلق نازل ہونے یا اترنے سے ہے۔ جو کوئی مہمان آپ کے دروازے پر آیا اور اپنی سواری سے اتر اوہ ”نزیل“ ہے اور آپ نے موسم اور رواج کے مطابق فوری طور پر جو کچھ اس کو پیش کیا وہ ”نزل“ (ابتدائی مہمان نوازی) ہے۔ جبکہ باقاعدہ مہمان نوازی کے لیے لفظ ”ضيافت“ استعمال ہوتا ہے جو نزل کے بعد کا مرحلہ ہے۔ ضیافت کا لفظ ”ضیف“ (مہمان) سے بنا ہے۔ یعنی جب آپ اپنے مہمان کے لیے باقاعدہ قیام کا بندوبست کریں گے اور اس کے آرام و طعام کا اہتمام کریں گے تب وہ ”ضیف“ کے درجے میں آئے گا۔ اس مرحلے میں آپ اس کی مہمان نوازی کے لیے جو خاطر مدارات کریں گے وہ ”ضيافت“ کہلائے گی۔ چنانچہ آخرت کے حوالے سے جن باغوں اور نعمتوں کا ذکر قرآن میں عمومی طور پر آیا ہے ان کا درجہ دراصل اہل جنت کے لیے نزل (ابتدائی مہمان نوازی) کا ہے جبکہ ان کی اصل ضیافت اس کے بعد ہوگی۔ اس ضیافت کے دوران جو نعمتیں اور آسائشیں اہل جنت کو مہیا کی جائیں گی ان کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔ جیسا کہ ابھی حدیث بیان ہوئی ہے۔

**آیت ۲۰** ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ﴾ ”اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ آگ ہے۔“ ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا﴾ ”جب بھی وہ اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا۔“

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وانها مخلوقة - وصحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب - یہ حدیث بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب کے متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔

﴿وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ (۲۰) ”اور ان سے کہا جائے گا کہ

چکھو اب مزہ اس آگ کے عذاب کا جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

آیت ۲۱ ﴿وَلَنَذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (۲۱) ”اور ہم

لازمًا چکھائیں گے انہیں مزہ چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں۔“

اس آیت کی سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کے ساتھ خاص مناسبت ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا

كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (۴۱) ”بحر و بر میں فساد رونما ہو چکا ہے

لوگوں کے اعمال کے سبب تاکہ اللہ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا تاکہ وہ لوٹ آئیں۔“

دونوں آیات کے مضمون کا تعلق دراصل اللہ تعالیٰ کے اس انتہائی اہم قانون سے ہے جس کے تحت دنیا میں

لوگوں کے کرتوتوں کے سبب ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد انہیں خبردار کرنا ہوتا

ہے کہ شاید اس طرح وہ خواب غفلت سے جاگ کر توبہ کی روش اپنائیں اور بڑے عذاب سے بچ جائیں۔ اس

قانون الہی کا ذکر قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام میں اس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾ (۴۲) ”اور ہم نے بھیجا

(دوسری) امتوں کی طرف بھی آپ سے قبل (رسولوں کو) پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے شاید کہ وہ

عاجزی کریں۔“ اسی طرح سورۃ الاعراف میں اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اس قانون کی یوں وضاحت کی

گئی: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ﴾ (۹۴) ”اور ہم

نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم نے پکڑا اس کے بسنے والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے

تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔“

آیت ۲۲ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (۲۲) ”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

جسے اُس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی اُس نے اعراض کیا۔“

اگر کوئی شخص کسی عام نصیحت کی پروا نہ کرے اور کسی شخصی فلسفہ و منطق کو ٹھکرا دے تو اور بات ہے چہ جائیکہ

کوئی بد نصیب اللہ کی آیات پر مبنی تذکیر و نصیحت کو نظر انداز کر دے۔

﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾ (۲۳) ”یقیناً ہم ایسے مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے۔“

## آیات ۲۳ تا ۳۰

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي

إِسْرَآءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لِنَبْلُوَهُمْ أَصَابُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۖ إِنَّ

رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِئًا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۖ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا أَهْلَكْنَا

مَنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ۚ أَوْ  
لَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرْزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ  
وَأَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ۚ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ قُلْ يَوْمَ  
الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيَّاكُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ الْإِنْفِ  
مُنْتَظَرُونَ ۚ

۶۸

آیت ۲۳ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تھی“

﴿فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ﴾ ”تو آپ کسی شک میں نہ رہیے اُس کی ملاقات سے“

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو یہاں سلسلہ کلام کے درمیان میں آیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں حضور ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج کے موقع پر ہونے والی ملاقات کی طرف اشارہ ہے۔ اس حوالے سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے نبی ﷺ! شب معراج میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات کی تھی اس کے بارے میں آپ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے وہ یقیناً موسیٰ ہی تھے جو آپ کو وہاں ملے تھے۔ لیکن آیت کا زیادہ قرین قیاس مفہوم جو سیاق و سباق کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے وہ یہی ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے موسیٰ کو تورات عطا کی تھی اور اس کتاب کا موسیٰ کو ملنا ہماری ہی طرف سے تھا۔ اسی طرح آپ کو اس کتاب یعنی قرآن کا ملنا بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس بارے میں آپ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انداز بیان سمجھنے کے لیے قرآن کا وہی اسلوب ذہن میں رکھئے جس کا ذکر قبل ازیں بار بار ہو چکا ہے کہ اکثر ایسے احکام جو حضور ﷺ کو صیغہ واحد میں مخاطب کر کے دیے جاتے ہیں وہ دراصل امت کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس لحاظ سے آیت زیر مطالعہ میں گویا ہم سب مخاطب ہیں اور اس کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگوں کو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے پہلے موسیٰ کو جو کتاب (تورات) ملی تھی وہ بھی انہیں اللہ ہی نے دی تھی اور محمد (ﷺ) کو اس کتاب (قرآن) کا ملنا بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

﴿وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءَ ۖ يُلَآئِي ۙ﴾ ”اور اس (تورات) کو ہم نے بنا دیا تھا راہنمائی

بنی اسرائیل کے لیے۔“

آیت ۲۴ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ﴾ ”اور ہم نے ان میں سے ایسے امام

اُٹھائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کی روش اختیار کی۔“

یعنی بنی اسرائیل کے ائمہ اور پیشواؤں کو تورات کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لیے صبر کی روش پر کاربند رہنا پڑتا تھا۔ اس نکتے کو یوں سمجھئے کہ کتاب اللہ کی تعلیمات کو سیکھنے اور پھر لوگوں تک پہنچانے کے لیے وقت درکار ہے جو انسانی سطح پر بذاتِ خود ایک بہت بڑی قربانی ہے۔ دولت اور عیش و عشرت کے حصول کی حرص ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا بیشتر وقت دنیا اور اس کی آسائشوں کے حصول کے لیے



صرف کر دے گا تو اُس کے شب و روز میں دعوت و تبلیغ اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لیے وقت کہاں سے آئے گا؟ چنانچہ اگر کسی کو اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے کمر بستہ ہونا ہے تو صبر و استقامت کا دامن تھام کر اسے لازمی طور پر دنیا کی بہت سی آسائشوں کو خیر باد کہنا ہوگا۔ اس کے علاوہ اس راستے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے بھی صبر درکار ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیم و تبلیغ کے حوالے سے یہ دونوں فرائض گویا بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن جب بھی کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علمبردار بن کر نکلے گا تو لوگ اس کی مخالفت کریں گے، اس راہ میں اسے گالیاں بھی سننا پڑیں گی، جسمانی و ذہنی اذیتوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا اور مال و جان کے نقصانات بھی برداشت کرنا پڑیں گے۔ بہر حال اس راستے پر جس پہلو سے بھی کوئی جدوجہد کرے گا، اسے قدم قدم پر ایسے سنگ ہائے میل سے سابقہ پڑے گا جو صبر و استقامت اور ایثار و قناعت کے رنگا رنگ مطالبات سے عبارت ہوں گے۔

آج قرآن کی تبلیغ و ترویج کے میدان میں یہ آیت ہمارے لیے نشانِ منزل بن سکتی ہے۔ جس انداز میں یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ”ائمہ“ کی تعریف فرمائی ہے اس کے لطیف احساس سے ہمارے دلوں میں ترغیب و تشویق کے جذبات کی نئی نئی کوئلیں پھوٹی چاہئیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بنی اسرائیل کے ان ”ائمہ“ کے کردار اور خوش نصیبی سے متعلق اپنے دلوں میں رشک پیدا کریں اور پھر اللہ سے توفیق مانگیں کہ وہ ہمیں بھی اس کام کے لیے جن لے۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کا بھی ادراک ہونا چاہیے کہ یہ ”رتبہ بلند“ محض دعاؤں اور تمناؤں کے سہارے نہیں ملا کرتا۔ اس کے لیے ہمیں صبر و استقامت اور ایثار و قناعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر عملی کوشش کرنا ہوگی۔ اپنی بہت سی خواہشات کو قربان کرنا ہوگا، اپنے معیارِ زندگی (living standard) کو کم سے کم سطح پر رکھنا ہوگا اور یوں اپنے تبلیغی بھائیوں کے بقول ”تفریع الاوقات“ (دینی جدوجہد کے لیے وقت نکالنا) کو ممکن بنانا ہوگا۔

اس سلسلے میں ہم میں سے ہر ایک کو سنجیدہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے ایک دفعہ اپنا بیشتر وقت پیسہ کمانے اور معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوششوں میں صرف کرنے کی روش کو اپنا لیا تو یوں سمجھیں کہ ہم نے خود کو ایک کبھی نہ ختم ہونے والے چکر میں ڈال لیا۔ یعنی خود کو ایک نام نہاد معیارِ زندگی کے ”سراب“ کو پالینے اور پھر اس کو برقرار رکھنے کی خواہشات کا اسیر بنا لیا۔ اگر خدا نخواستہ ہم نے اپنی زندگی اسی ”دنیا داری“ میں گزار دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایک خاص ”معیارِ زندگی“ کو اپنے معبود کا درجہ دے کر گویا ساری عمر اسی کی پوجا میں گزار دی ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اللہ کی توفیق سے قرآن کا دامن مضبوطی سے تھام لیں، اپنی زندگی کے لیے راہنمائی صرف اور صرف قرآن سے حاصل کرنے کا تہیہ کر لیں تو اللہ کے راستے پر چلنے کے لیے ہمارے سامنے ان شاء اللہ اسباب کے نت نئے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مسجودِ ملائکہ بنایا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطہ عروج (climax) ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جب یہ عزمِ صمیم کا زادِ سفر لے کر کسی راہ پر چل پڑتا ہے تو مشکلات اس سے کئی کترانے لگتی ہیں اور منزلیں خود آگے بڑھ کر اس کے قدم چومتی ہیں۔

﴿وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

بنی اسرائیل کے ائمہ جو کتاب کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف تھے وہ صبر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات پر پختہ یقین بھی رکھتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھنا اُس کے وعدوں کو من و عن سچ ماننا اور اس پر توکل کرنا راہِ حق کی جدوجہد کی لازمی شرائط ہیں۔

**آیت ۲۵** ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ”یقیناً آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے۔“

**آیت ۲۶** ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ﴾ ”کیا اس بات نے انہیں ہدایت نہ دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے مساکن میں یہ گھومتے پھرتے ہیں۔“

قریش کے قافلے اپنے سفرِ شام کے دوران میں قومِ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے تھے اور یہاں يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ کے الفاظ میں دراصل اسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ لوگ ان بستیوں کی تباہی کی خود تصدیق کر چکے ہیں۔

حال ہی میں کچھ برطانوی محققین نے بحرِ مردار (Dead Sea) کے ساحل کے ساتھ پانی کے نیچے قومِ لوط کی بستیوں کے آثار کی نشان دہی کر کے اس بارے میں تورات اور قرآن کے بیانات کی تصدیق کی ہے۔ ان بستیوں کے بارے میں میرا خیال یہی تھا کہ وہ سمندر کے اندر آچکی ہیں اور متعلقہ سمندر کو شاید Dead Sea کا نام بھی اسی لیے دیا گیا ہے کہ اس کے نیچے ان شہروں کے باسیوں کی اجتماعی قبریں ہیں۔ مستقبل میں سائنس کی ترقی کے باعث قرآن میں دی گئی اس نوعیت کی بہت سی معلومات کے حوالے سے مزید انکشافات کی بھی امید ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ﴾ ”یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں!“

**آیت ۲۷** ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ﴾ ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم پانی کو ہانک کر لے جاتے ہیں بے آب و گیاہ زمین کی طرف“

﴿فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ﴾ ”پھر ہم اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جس میں سے کھاتے ہیں ان کے مویشی بھی اور یہ خود بھی۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں!“

**آیت ۲۸** ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو؟“

مشرکین کا یہ سوال قیامت کے بارے میں بھی تھا اور عذاب سے متعلق بھی کہ اے مسلمانو! اگر تم لوگ اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی یا جس عذاب کا تم ہمیں ڈراوادیتے رہتے ہو وہ آخر کب آئے گا؟

**آیت ۲۹** ﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ فیصلے

کے دن ان لوگوں کا ایمان لانا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا جنہوں نے کفر کیا ہوگا۔“

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان لانے کا فائدہ انہیں تبھی ہوگا اگر وہ اپنی دنیوی زندگی کے دوران ایمان لائیں گے جبکہ آخرت کے تمام حقائق پردہ غیب میں چھپے ہوئے ہیں، لیکن جب یہ لوگ عالم آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب ان کا ایمان لانا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا۔

﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾ ”اور نہ ہی (اُس وقت) انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔“

آج انہیں جو مہلت ملی ہے اس میں اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن موت کے آثار ظاہر ہوتے ہی یہ مہلت ختم ہو جائے گی۔

**آیت ۳۰** ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے

اعراض فرمائیں اور انتظار کریں، یہ بھی انتظار ہی کر رہے ہیں۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰